۴۶۵۰ .... ب ۲۱ ج ۵۱:

جریدہ اُردو — کلکتہ ....

بنگال نمبر ۱۹۲۵ء —

حجاب

HIJAB

رام پور

خصوصی اشاعت

صحابہ و صحابیات رضؓ

پیارے خلیفہؓ

مائل خیرآبادی

حجاب
رامپور، یوپی۔
Hijab
RAMPUR UP
P. 244901

HIJAB
RAMPUR

میں نے سوچا تھا کہ صحابہ اور صحابیاتؓ کے حالات چھوٹے چھوٹے مجموعوں میں ترتیب دے کر الگ الگ شائع کروں گا۔ اسی غرض کو سامنے رکھ کر حضرات خلفاء کے حالات الگ ترتیب دئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھیوں کے حالات الگ اور صحابیات کے الگ۔ لیکن پھر سہولت اس میں نظر آئی کہ ان سب مجموعوں کو ملا کر حجاب کی خاص اشاعت بنا دیا جائے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ حجاب کے سالانہ خریداروں کو یہ مجموعہ مفت مل جائے گا۔ چنانچہ اس مجموعے میں چھوٹے چھوٹے مجموعے، پیارے خلیفہ پیارے ساتھی وغیرہ ناموں سے الگ الگ نظر آئیں گے۔

مائل خیرآبادی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم دنیا کے وہ عظیم انسان ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے بزرگ و برتر ہیں۔ ان کی زندگی کے کارنامے وہ کارنامے ہیں جن کے باعث اللہ اور اللہ کا رسولؐ ان سے راضی اور خوش ہوا۔

جب ہم ان بزرگوں کی زندگی کے حالات پڑھتے ہیں تو ہمارا دل کہنے لگتا ہے کہ جو کچھ ان بزرگوں نے کیا وہی ہم بھی کریں۔ ہمارے اندر دین پر جمنے اور اسے قائم کرنے کی ایک لگن پیدا ہوتی ہے۔ اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ مبارک ہستیاں پیدا نہ فرماتا تو دین اپنی صحیح شکل میں ہمارے سامنے نہ آتا۔ بنی نوع انسان کے لئے انبیاء کرام کے بعد انہی بزرگوں کی زندگی میں زندگی بسر کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ بزرگ جس طرح تحریکِ اسلامی کو لے کر آگے بڑھے حمایتِ رسول میں انھوں نے جو قربانیاں دیں اور جس جوش و استقامت سے اُسے پھیلایا وہ عام طور پر دنیا کے تمام انسانوں اور خاص طور پر مسلمانوں کی تربیت کے لئے بہترین تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان بزرگوں کا تذکرہ تمام پڑھنے والوں کے لئے رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنے۔ (م)

انتساب

اُن کے نام

جن سے اللہ راضی ہوا

اور

وہ اللہ سے راضی رہے

جولائی سنہ ۸۱ء ——— مطابق رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۱ھ

کاتب ——— محمد یامین قاسمی کاشی پوری

مطبوعہ ——— [illegible] بلیماران دہلی

قیمت ——— پندرہ روپے

ظفر اسحق پرنٹر پبلشر نے باہتمام عبدالرحمٰن رضوی مکتبہ حجاب محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ، مکّے کے مشہور خاندان قریش کے ایک بڑے گھرانے (بنو تیم) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ابو قحافہ اور والدہ کا نام سلمٰی تھا۔ آپ مکۂ معظمہ کے اُن چار خوش نصیبوں میں سے ہیں جو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائے ہیں[1]

اس وقت عرب میں کہیں کوئی حکومت قائم نہیں تھی اور نہ

---

[1] عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضؓ نے اسلام قبول کیا۔ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ایمان لائے۔ بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ مسلمان ہوئے اور نوجوانوں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضؓ کو یہ نعمت ملی۔

کوئی بادشاہ تھا۔ جس خاندان کے لوگ جس جگہ رہتے تھے، بس وہاں وہی وہ تھے۔ ہر خاندان کے لوگ اپنے میں سے کسی کو اپنا سردار چن لیتے۔ اسی کا حکم مانتے، اُس کے کہنے پر چلتے اور جو کچھ وہ کرتا، اس میں اُس کا ساتھ دیتے۔ کسی دوسرے کی مجال نہ تھی کہ کسی خاندان کو کسی کام سے روک دے یا کسی بات پر ٹوک دے۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو ایک خاندان سے دوسرے خاندان کی لڑائی چھڑ جاتی اور بڑا خون خرابہ ہوتا۔ عرب میں ایسی لڑائیاں آئے دن ہوا کرتی تھیں۔ ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا کہ نہ جانے کب کس سے لڑنا پڑ جائے۔ اس لئے سب ہر وقت اپنے بچاؤ کے لیے چوکنا اور دوسروں سے لڑنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

اس سلسلے میں قریش خاندان کے لوگوں نے بڑا اچھا انتظام کیا تھا۔ قریش خاندان میں دس بڑے گھرانے تھے۔ سارا انتظام انہی دس گھرانوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ مکہ میں کعبہ ہے، کعبہ کی زیارت کے لیے دُور دُور سے حاجی جاتے ہیں۔ قریش نے اپنے زمانے میں حاجیوں کے ٹھہرانے کا انتظام ایک گھرانے کے سپرد کر دیا تھا۔ اس وقت حاجیوں کے لیے پانی اکٹھا کرنا ایک بڑا ہی کٹھن کام تھا۔ ایک مہمان نواز گھرانے کے ذمے یہ کام تھا کہیں لڑائی پیش آ جائے کسی سے لڑنا پڑ جائے تو اس کے لیے تیار رہنا

اور لڑائی کے سارے انتظام کرنا ایک ایسے گھرانے کے ذمے تھا جو لڑنے مرنے میں بڑا نڈر تھا۔ اسی طرح کے دوسرے کاموں میں ایک کام تھا "خون بہا[1] کا فیصلہ کرنا"۔ یہ بڑا مشکل کام تھا۔ جب کہیں کسی سے خون ہو جاتا ہے تو دونوں طرف بڑا غم اور غصہ ہوتا ہے دوسروں کے غصہ کو ٹھنڈا کر کے ان میں سمجھوتہ وہی کرا سکتا ہے، جو بہت ہی سمجھدار ہو۔ ساتھ ہی وہ ایسا بھروسے کا آدمی ہو کر جو فیصلہ کر دے، اُسے سب مان بھی لیں۔ قریش کو مکے بھر میں ایسا سمجھ دار اور بھروسے کا آدمی بنو تیم کے گھرانے میں ملا۔ یہ تھے حضرت ابوبکرؓ! خون بہا کا فیصلہ کرتے وقت جو سمجھوتہ جس سے کرا لیتے، قریش اس کو مان لیتے، ابوبکرؓ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا سمجھوتہ کرتا تو ہرگز نہ مانتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈھائی برس چھوٹے تھے، بچپن ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اس کے بارے میں ایک فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ بدلے میں اُسے بھی قتل کر دیا جائے۔ دوسرا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ قتل کرنے والے سے قتل ہو جانے والے کے گھر والوں کو کچھ رقم دلا دی جائے اور سمجھوتہ کرا دیا جائے۔ یہی رقم خون بہا کی رقم کہی جاتی ہے۔ اسے "دیت" بھی کہتے ہیں

دوستی ہو گئی تھی۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں انھیں بچپن ہی سے پیاری لگنے لگی تھیں۔ جو بات آپ میں دیکھتے، اپنا لیتے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی سے بڑے صاف ستھرے رہتے تھے۔ آپ کے بچپن کے ساتھی حضرت ابوبکر رضؓ بھی بچپن ہی سے صاف ستھرے رہنے لگے تھے۔ عرب کے لوگ شراب پیا کرتے تھے۔ پیارے نبیؐ کو شراب سے نفرت تھی۔ آپ کے بچپن کے ساتھی حضرت ابوبکر رضؓ نے بھی کبھی شراب نہیں پی۔

بڑے ہونے پر ایک بار ایک شخص نے پوچھا "آپ نے کبھی شراب نہیں پی؟" جواب دیا "خدا بچائے، کبھی نہیں"۔ اس نے پھر پوچھا "کیوں نہیں پی؟"۔ بتایا کہ "میں نہیں چاہتا کہ میرے بدن سے بو آئے اور یہ کہ شراب پینے والا مروّت اور شرافت کھو بیٹھتا ہے"۔

جس وقت وہ شخص ابوبکر رضؓ سے یہ سب پوچھ رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے۔ آپ نے دو۲ بار فرمایا "ابوبکر سچ کہتے ہیں، ابوبکر سچ کہتے ہیں"۔

اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ کو بچپن ہی سے صفائی پسند تھی اور بچپن ہی سے بڑے مُروّت دار اور شریف تھے۔ چھوٹے بڑے ہر شخص سے بڑی نرمی کے ساتھ ملتے جلتے۔ اسی لیے

مکّہ بھر میں سب عزّت کرنے لگے تھے۔

حضرت ابوبکر رضؓ کے بچپنے میں گھر گھر بُتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ خود اُن کے گھر کے ایک کمرے میں بُت رکھے ہوئے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انھوں نے بھی کبھی کسی بُت کو نہیں پُوجا۔ بڑے ہوکر ایک بار لوگوں کے سامنے اس بارے میں ایک مزے دار واقعہ سُنایا۔ فرمایا کہ ایک بار میرے والد میرا ہاتھ پکڑ کر اس کوٹھری میں لے گئے جس میں بت رکھے ہوئے تھے۔ اِن بُتوں میں سے ایک بُت کی طرف اشارہ کرکے کہا "یہ تمہارا خدا ہے، یہ تمہارا رب ہے یہ تمہارا معبود ہے، اسے سجدہ کرو"۔ والد صاحب یہ کہہ کر چلے گئے۔ مجھے جانے کیا سُوجھی۔ میں اس بُت کے پاس گیا۔ اس سے کہا "اگر تو میرا رب ہے، میرا خدا ہے تو سُن! میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا دے مجھے لباس کی ضرورت ہے، مجھے کپڑا دے۔ بُت نے کچھ جواب نہ دیا تو میں نے ایک پتھر اُٹھا لیا۔ پھر کہا "دیکھ! میں تجھے مارتا ہوں، اگر تو خدا ہے تو اپنے کو بچا۔ بُت پھر بھی کچھ نہ بولا تو میں نے پتھر دے مارا پتھر کی چوٹ کھا کر وہ منہ کے بل گرا اور میں کوٹھری سے نکل گیا۔

اس واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضؓ بچپن ہی سے ہر بات کو سوچ سمجھ کر کرتے تھے اور وہ بتوں کو بالکل بے کار سمجھتے تھے

خدا نے بچپن ہی سے اُنھیں بُت پرستی (مورتی پوجا) سے بچا رکھا تھا۔ بڑے ہو کر اپنے لیے تجارت کا پیشہ پسند کیا۔ تجارت میں خوب پیسہ پیدا کیا۔ مکہ کے مال دار لوگوں میں گِنے جانے تھے۔ ۳۷ برس کی عمر میں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر مسلمان ہو گئے۔ اور تن من دھن سے حضورؐ کے سچے ساتھی بن گئے۔

دِین پھیلانا

مسلمان ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کوشش میں لگ گئے کہ دوسرے لوگ بھی اسلام قبول کر لیں۔ حضورؐ کو اللہ کا نبی مان لیں اور مسلمان ہو جائیں۔ اللہ کے حکموں پر چلیں۔ پیارے رسولؐ کا کہنا مانیں اور اللہ کو خوش کر کے جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔ ابوبکرؓ کے ملنے جُلنے والے مکّہ میں چھوٹے بڑے سب تھے۔ سب سے میل جول تھا۔ سب آپ کی عزت کرتے تھے۔ اب آپ نے اپنے دوستوں سے بہت زیادہ ملنا جُلنا شروع کر دیا۔ خاص کر مکّہ کے بڑے بڑے گھرانوں کے نوجوانوں کو سمجھانا شروع کیا۔ آپ کے سمجھانے کا طریقہ بہت اچھا تھا۔ آپ کہتے کہ دیکھو، میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے

جانتا ہوں۔ میں نے کسی بات میں حضور کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا تو کیا وہ خدا کے بارے میں جھوٹ بولیں گے؟ - میں نے ہمیشہ حضورؐ کو نیک پایا۔ جب دیکھا تو لوگوں کی خدمت کرتے دیکھا۔ حضورؐ تو ہم سب کے سچے ہی خواہ یعنی ہماری بھلائی چاہنے والے ہیں۔ سب کو جہنم کی آگ سے بچانا چاہتے ہیں۔ کیسے اچھے ہیں حضورؐ پھر اپنی نیکیوں کا بدلہ بھی کسی سے نہیں چاہتے۔ اچھی باتوں کے سلسلے میں سارے ہی لوگ حضورؐ کو مانتے ہیں۔ امین اور صادق کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں اور سب کے بھلے کی بات کہتے ہیں۔ ایسے نیک انسان اور پاک رسولؐ کی بات ضرور مان لینا چاہیئے۔ اور بھائی! میں تو حضورؐ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں تو گواہی دیتا ہوں کہ وہ جو اپنے کو اللہ کا رسول کہتے ہیں تو بالکل سچ کہتے ہیں اور سچ مچ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے۔ یہ بت خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ تو پتھر کی مورتیاں ہیں۔ انھیں لوگوں نے خود گڑھ لیا ہے یہ بت تو بالکل بے بس ہیں۔ نہ بول سکتے ہیں۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔ نہ دیکھ سکتے ہیں۔ نہ سُن سکتے ہیں۔ یہ تو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی تک نہیں اُڑا سکتے تو پھر یہ دوسروں کی مدد کیسے کر سکتے ہیں۔ وہ تو اللہ ہے جو سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ سب کو

روزی دینے والا ہے۔ سب کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے۔ سب کی دعائیں سننے والا ہے۔ موت اور زندگی سب اسی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا مالک، مولا اور حاکم وہی ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس کا حکم ماننا چاہیئے اور اس کے حکم پر اسی طرح چلنا چاہیئے جس طرح پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضؓ کی یہ باتیں ایسی صاف اور سادہ تھیں کہ سب کی سمجھ میں آتی تھیں۔ ان باتوں کے ساتھ ساتھ آپ سب کو قرآن سُناتے اور سمجھاتے کہ دیکھو، کیسا پیارا کلام ہے، کیا ایسا کلام کوئی انسان پیش کر سکتا ہے۔ نبی ہونے سے پہلے پیارے نبیؐ بھی ایسا کلام پیش نہیں کرتے تھے۔ پھر بھلا ہم کیوں نہ گواہی دیں کہ حضور رسول اللہ کے رسول ہیں؟

نوجوانوں کے دلوں میں یہ باتیں اُتر گئیں اور بڑے بڑے گھرانوں کے نوجوان دھڑا دھڑ مسلمان ہونے لگے۔ حضرت عثمان رضؓ مسلمان ہو گئے، حضرت زبیر رضؓ مسلمان ہو گئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ مسلمان ہو گئے۔ حضرت سعد بن وقاص رضؓ مسلمان ہو گئے، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ مسلمان ہو گئے، حضرت طلحہ رضؓ مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابو سلمہ رضؓ مسلمان ہو گئے۔

ارے بھائی! کوئی کہاں تک گنتا ہے۔ بڑے گھرانوں میں سے کوئی نہ کوئی نوجوان مسلمان ضرور ہوا۔ یہ بات پھیلی اور مکہ کے سرداروں نے یہ دیکھا کہ ابوبکرؓ کی کوشش سے گھر گھر اسلام پھیلنے لگا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضؓ کے بھی دشمن ہو گئے اور اپنے اپنے گھر کے نوجوانوں کو منع کرنے لگے کہ ان سے نہ ملا کریں۔ لیکن بھائی! نوجوانوں کی بات بھی خوب ہی ہوتی ہے ان کی سمجھ میں صحیح بات آجاتی ہے تو پھر وہ بے دھڑک اُسے مان لیتے ہیں۔ انھیں کوئی روک ہی کب پاتا ہے۔ اب نوجوان چھپ چھپ کر ملتے، چپکے چپکے اور لوگوں کو بھی یہی باتیں سمجھاتے۔ اس طرح نوجوانوں میں اسلام خوب پھیلا اور یہ سب ابوبکر صدیق رضؓ کا کارنامہ تھا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

ایک نوجوان کا بڑا انوکھا قصّہ ہے۔ اُس نوجوان کا نام تھا، خالد بن سعیدؓ۔ ——— خالد بن سعیدؓ ایک رئیس کے لڑکے تھے۔ ایک رات اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک غار ہے۔ غار میں آگ بھری ہے۔ آگ بھڑک رہی ہے۔ شعلے اُٹھ رہے ہیں۔ یہ اس غار کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد سعید اُن کو اس آگ میں ڈھکیل رہے ہیں۔ اتنے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آ گئے اور آپؐ نے خالد بن سعیدؓ کو پکڑ لیا اور آگ میں گرنے سے بچا لیا۔

یہ ڈراؤنا خواب دیکھ کر حضرت خالد بن سعید گھبرا گئے۔ اور چونک پڑے۔ پھر انھیں نیند نہیں آئی۔ دل ہی دل میں کہا کہ یہ خواب سچا ہے۔ صبح ہوتے ہی اپنے بزرگ دوست حضرت ابوبکرؓ کے پاس دوڑے دوڑے گئے۔ خواب سنایا اور تعبیر پوچھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خواب کی تعبیر بڑی سچی بتاتے تھے۔ فرمایا۔ "اے خالد! یہ خواب بالکل سچا ہے۔ تم نے جو آگ کا گڑھا دیکھا ہے وہ ہے جہنّم۔ دیکھو، تمہارے باپ تو مسلمان ہوں گے نہیں۔ وہ تم کو بھی مسلمان بننے سے روک لیں گے۔ خود تو جہنم میں جائیں گے ہی۔ ساتھ ہی تم کو بھی اس طرف گھسیٹنے کی کوشش کریں گے۔ اور جو تم نے یہ دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کو پکڑے ہوئے آگ میں گرنے سے بچا رہے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ خدا کی قسم! تم ایک نہ ایک دن ضرور مسلمان ہو جاؤ گے جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے۔ تو بھائی! جب یہ ہونا ہی ہے تو جلدی کرو، تم آج ہی مسلمان ہو جاؤ۔ اب دیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

بات بالکل صاف تھی۔ حضرت خالدؓ اسی وقت حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہو لیے۔ حضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔ سارا حال کہا تو حضورؐ

نے فرمایا کہ ابوبکر رض نے جو کچھ بتایا بالکل سچ بتایا۔ حضور ؐ سے یہ سنا تو بولے " اچھا تو پھر آپ سب کو کیا بتاتے ہیں؟ " آپ نے فرمایا " میں کہتا ہوں کہ صرف ایک خدا کو پوجو جس نے تم کو پیدا کیا ہے، وہی ساری ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے۔ وہی مالک ہے، وہی مولا ہے، وہی حاکم ہے، وہی راجا ہے۔ اُسی کا حکم مانو۔ اگر کوئی خدا کے حکموں کے خلاف حکم دے تو ایسا حکم نہ مانو اور مجھ کو اللہ کا رسول جانو بتوں کی پوجا چھوڑ دو۔ یہ بُت بے جان ہیں۔ بہرے ہیں۔ گونگے ہیں۔ یہ بُت خود نہیں سمجھتے کون ان کی پوجا کر رہا ہے؟ دیکھو خالد جو میرا کہنا ملنے گا وہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے گا "

یہ وہی باتیں تھیں جو حضرت ابوبکر رض نے حضور ؐ سے سیکھی تھیں یہی باتیں وہ نوجوانوں سے کہا کرتے تھے۔ حضرت خالد بن سعید رض کے دل میں یہ باتیں بیٹھ گئیں۔ اسی وقت کلمہ پڑھ لیا اور مان لیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ لیجئے، حضرت خالد بن سعید رض بھی مسلمان ہو گئے۔ باپ نے سُنا تو وہ بہت خفا ہوا۔ مارا، پیٹا، بھوکا رکھا۔ گھر میں قید کر دیا مگر سب بے کار گیا۔ خالد رض اسلام سے نہ پھرے اور پھر جب پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبش کی طرف حکم دیا تو حبش چلے گئے

ایک اور سمجھدار نوجوان، حضرت طلحہؓ کا قصہ سُنیئے۔ اُن کی عمر سترہ اٹھارہ سال کی تھی۔ تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔ ایک بار تجارت کا مال لے کر بصرہ گئے۔ وہاں اپنا مال بیچا۔ وہیں ایک عیسائی عالم سے ملاقات ہوگئی۔ وہ خدا کی کتاب توریت، زبور اور انجیل کا بہت بڑا عالم تھا۔ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ طلحہ مکہّ کے رہنے والے ہیں تو اُس نے کہا کہ خدا کی کتابیں پڑھنے کے بعد میں یہ پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ تمہارے شہر میں اللہ کے رسول حضرت محمدؐ جو دین پھیلا رہے ہیں وہ حق ہے۔

اب دیکھیئے۔ طلحہ واپس مکہّ آئے تو اپنے دوست حضرت ابو بکرؓ سے ملے اور یادری کی بات سُنائی۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ "اُس نے ٹھیک کہا۔ آؤ میرے ساتھ، حضورؐ کے پاس چلو۔ یہ ساتھ ہولیئے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اسلام کی باتیں سُنیں اور مسلمان ہوگئے۔ حضرت طلحہؓ مسلمان ہوگئے تو یہ خبر اُن کے بڑے بھائی نے سُنی۔ وہ بہت خفا ہوا اس نے طلحہؓ کو پکڑا اور پھر ابو بکرؓ کو بھی پکڑ لایا۔ دونوں کو مضبوط رسّی سے کس کر باندھا اور خوب پیٹا مگر اس کا پیٹنا اور ظلم کرنا سب بے کار گیا۔ حضرت طلحہؓ اسلام سے نہ پھرے۔

دیکھا آپ نے! حضرت ابو بکرؓ نوجوانوں میں دین پھیلانے کا

کام کیسی اچھی طرح کرتے تھے۔ دین پھیلانے میں مار پیٹ سے نہیں ڈرتے تھے۔ کیسے سچے مسلمان تھے وہ اور اُن کے دوست یار۔ سچی بات دل میں اُترتی تو پھر نہ نکلتی تھی۔ ان دو مثالوں سے آپ سمجھ لیجئے کہ حضرت ابو بکر رض نے کس کس طرح نوجوانوں میں دین پھیلایا ہوگا۔ اب آگے سُنیئے:

بڑے گھرانوں کے علاوہ بڑے گھرانوں کے بہت سے غلام اور لونڈیاں یعنی عورتیں اور مرد ایسے تھے کہ جب سچا دین اسلام اُن کی سمجھ میں آگیا تو وہ بھی مسلمان ہوگئے تھے۔ ذرا سوچیے تو جب مکے کے سردار اپنے بیٹوں پر ظلم کرسکتے تھے تو بھلا یہ سب لونڈی غلام تھے توبہ ہے۔ ان پر تو بہت ہی ظلم کرتے تھے۔ انھیں تو ایسا ایسا ستاتے تھے کہ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوجایا کرتے تھے۔ کسی کو تو باندھ کر عرب کی ریت پر دوپہر کے وقت لٹا دیتے۔ اوپر سے پتھر رکھ دیتے۔ دوپہر کے وقت ریت گرم ہوکر آگ کی طرح جلتی۔ پتھروں کے نیچے دبے ہوئے غلام بے چارے تڑپتے اور کچھ نہ کرسکتے۔ اتنا ہی نہیں اوپر سے کوڑوں کی مار۔ توبہ ہے۔ یہ ظلم کسی سے دیکھا نہ جاتا۔ کچھ ظالم تو ایسے تھے کہ آگ کے انگاروں پر لٹا دیتے۔ کچھ ایسے تھے جو اپنے غلاموں کو مسلمان ہونے کی وجہ سے پانی میں ڈبکیاں دیتے اور اس

طرح بے دم کر کر دیتے ۔

حضرت ابوبکر رض بڑے نرم دل آدمی تھے ۔ اُن سے یہ ظلم دیکھے نہ گئے ۔ وہ جاکر غلاموں اور لونڈیوں کے مالکوں سے ملے اور اُن سے کہا کہ جب یہ لوگ تمہارا کہنا نہیں مانتے تو انھیں دوسروں کے ہاتھ بیچ دو ۔ انھوں نے جواب دیا کہ تم خرید لو ۔ یہ سُنتے تو بڑے بڑے دام دے کر ایسے غلاموں اور لونڈیوں کو خرید لیتے اور انھیں آزاد کر دیتے ۔ مکہ کے سرداروں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ابوبکر رض ایسے لوگوں کو خرید لیتے ہیں تو انھوں نے بڑی بڑی رقمیں حضرت ابوبکر رض سے وصول کیں ۔ مسلمان ہونے سے پہلے حضرت ابوبکر رض کے پاس چالیس ہزار کی رقم تھی ۔ لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں تیس ہزار خرچ ہو گئے ۔ ابوبکر رض نے خوشی خوشی اللہ کی رضا کے لیے یہ بھاری رقم خرچ کر دی جب حضرت بلال رض کو اسی طرح مصیبتوں سے نجات دلائی تو حضورؐ نے کہا " ابوبکر رض ! تم نے یہ بڑا عمدہ مال خریدا مجھے بھی اس میں شریک کر لو " ۔ عرض کیا " یارسول اللہ ! میں نے تو بلال کو آزاد کر دیا " ۔ یہ سنکر حضور بہت خوش ہو گئے ۔ حضورؐ کے خوش ہونے سے ابوبکر رض بھی خوش ہوئے ۔ حضرت ابوبکر رض کی یہی بات تو بڑی پیاری ہے کہ وہ حضورؐ کے خوش ہونے سے

خوش ہوتے اور جب حضورؐ کو اداس دیکھتے تو خود بھی اداس ہو جاتے۔

خود اُن پر ظلم

حضورؐ کے ساتھ مل کر حضرت ابوبکرؓ نے اس طرح تن من دھن سے کوشش کی تو کچھ دنوں میں قریب قریب ۳۹ مرد عورتیں اور نوجوان مسلمان ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ایک دن آپ سے آپ حضرت ابوبکرؓ کے دل میں اُمنگ اُٹھی کہ مکّہ کے قریش کعبہ میں روز جمع ہوتے ہیں، ان کے جلسے میں جا کر تقریر کرنا چاہیئے۔ دل کی یہ بات حضورؐ سے کہی اور اجازت مانگی۔ حضورؐ نے سنا تو فرمایا "ابھی ہم کم ہیں"۔ حضورؐ کی اس بات کا مطلب یہ تھا کہ مکّہ والے بہت ہیں۔ وہ ہم سے ناراض ہیں، مسلمانوں پر بُری طرح ظلم کرتے ہیں۔ اگر وہ ہلّہ بول دیں گے تو نہ جانے تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ لیکن ابوبکرؓ کا جوش بہت بڑھا ہوا تھا۔ پھر اجازت مانگی اور پھر اجازت مانگی تیسری بار حضورؐ نے اجازت دے دی۔ اب پہنچے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ کے سرداروں کے مجمع میں اور لگے تقریر کرنے۔ قریش

نے دیکھا اور تقریر سُنی تو غصے سے آگ بگولہ ہوگئے جھپٹے اور ابوبکرؓ پر پل پڑے۔ اتنا مارا، اتنا مارا کہ سارا بدن لہولہان کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ بے ہوش ہوکر گر پڑے تو قریش کو خیال آیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ابوبکرؓ مر جائیں اور اُن کے گھر والے جو مسلمان نہ سہی پھر بھی بدلہ لینے پر اُتر آئیں اور ہم سب آپس میں لڑ پڑیں۔ وہ سب چپکے چپکے وہاں سے کھسک گئے۔ کسی نے آپ کے گھرانے کے لوگوں کو خبر کر دی وہ سب دوڑے لیکن یہاں مکّہ کے سردار جا چکے تھے۔ لوگ اُنھیں اُٹھا کر گھر لائے۔ حالت اتنی خراب تھی کہ بچنے کی امید نہ تھی۔ گھر والوں نے ہوش میں لانے کی ترکیب شروع کر دی۔ ہوش آیا تو باپ (ابوقحافہ) نے حال پوچھا۔ اب یہاں ذرا پیارے رسول سے محبت کا حال دیکھئے ابوبکرؓ نے اپنا حال تو نہ بتایا۔ پوچھنے لگے "پیارے رسول کا کیا حال ہے؟" باپ نے یہ سُنا تو غصے کے مارے اُٹھ کر چلے گئے۔ اس وقت باپ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ماں کا دل تو اللہ میاں نے ایسا بنایا ہے کہ وہ بیٹے پر ہر طرح مہربان رہتی ہے پھر حضرت ابوبکرؓ کی ماں۔ "اُمّ الخیر" تھیں بھی بڑی اچھی اور سمجھ دار۔ وہ بیٹے کے پاس آئیں۔ کہنے لگیں "بیٹے! لو یہ دوا پی لو، درد کم ہو جائے گا۔ لو کھانا کھالو، کچھ طاقت آئے گی" مگر ابوبکرؓ کو بس ایک رٹ تھی "پیارے رسولؐ

کیسے ہیں۔ ان کا حال بتاؤ، مجھے پیارے رسول ؐ کے پاس لے چلو"۔
اللہ اکبر کیسی محبت تھی حضورؐ سے اپنی تو جان پر بنی ہے مگر کچھ پرواہ نہیں
پرواہ ہے تو بس یہ کہ پیارے رسول ؐ پر آنچ نہ آئے۔

ام الخیر نے کہا "بیٹے بخدا کی قسم مجھے کچھ نہیں معلوم"۔ یہ سُن کر کہنے لگے "امی جان! آپ خطاب کی بیٹی ام جمیل کے پاس جائیں۔ وہ حضورؐ کا حال بتادیں گی"۔ بے چاری بیٹے کی محبت میں دوڑی ہوئی ام جمیل کے پاس گئیں اُن سے کہا "میرے بیٹے ابوبکر نے محمد بن عبداللہ کی خیریت پوچھی ہے"۔

ام الخیر سے یہ سُنا تو ام جمیل سوچ میں پڑ گئیں۔ وہ مسلمان ہو چکی تھیں لیکن لوگوں کو معلوم نہ تھا۔ وہ ذرا ڈریں کہ اگر حضورؐ کے بارے میں کچھ کہیں گی تو ام الخیر کو پتہ چل جائے گا۔ انھوں نے جواب دیا۔ "میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہاں تم چاہو تو میں تمہارے گھر چل کر تمہارے بیٹے کو دیکھ آؤں"۔

ام الخیر نے اُنھیں ساتھ لیا۔ اپنے گھر لے گئیں۔ وہاں ابوبکرؓ زخمی حالت میں پڑے تھے۔ ام جمیل نے دیکھا تو اُن سے دیکھا نہ گیا وہ ابوبکرؓ کے زخم دیکھ کر چیخ پڑیں۔ اُن کے منہ سے نکل گیا۔ "جن لوگوں نے آپ پہ ظلم کیا ہے، وہ سب کٹر کافر ہیں۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہتی

ہوں کہ خدائے تعالےٰ ان سے پورا پورا بدلہ لے گا"۔

حضرت ابو بکرؓ نے اُن سے کہا "اچھا یہ تو سب ٹھیک ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ کافروں نے حضورؐ کے ساتھ تو کوئی بے ادبی نہیں کی؟" ام جمیل نے چپکے سے کہا "آپ کی ماں سُن رہی ہیں"۔ بولے "ڈرو نہیں۔ بتاؤ" اب اُنھوں نے بتایا کہ پیارے رسولؐ خیریت سے ہیں۔ اور وہ زید بن ارقم کے گھر میں ہیں۔

یہ سُنا تو حضرت ابو بکرؓ نے ماں سے کہا "خدا کی قسم! میں اُس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم مجھے حضورؐ کے پاس نہ لے چلو گی"۔ یہ سُنکر ماں راضی ہو گئیں۔ ام جمیل کو گھر ہی روک لیا پھر جب رات کا وقت ہوا اور زیادہ رات ہونے پر لوگ گھروں میں سو گئے اور چاروں طرف سناٹا چھا گیا تو ام جمیل اور ام الخیر نے سہارا دے کر اٹھایا۔ دونوں طرف سے دونوں پکڑے رہیں اور زید بن ارقم کے گھر کو لے چلیں۔ حضرت ابو بکرؓ سے چلا نہیں جاتا تھا مگر پیارے رسولؐ کی محبت میں نہ جانے کہاں سے ٹانگوں میں طاقت آ گئی کہ کسی نہ کسی طرح حضورؐ تک پہنچ ہی گئے۔ حضورؐ کے پاس پہنچکر کھڑے نہ ہو سکے۔ زمین پر گر پڑے۔ یہ حال دیکھ کر حضورؐ کا دل بھر آیا۔ آپ اپنے پیارے ساتھی پر جُھک گئے۔ ماتھا چوم لیا۔ سارے صحابہؓ گھر میں موجود

تھے۔ وہ سب یہ حال دیکھ کر رونے لگے۔

حضورؐ کے پاس پہنچکر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے نہ کسی کی شکایت کی، نہ کسی کو بُرا کہا بلکہ دیکھا کہ اس وقت ماں حضورؐ کے پاس آگئی ہیں اگر حضورؐ انھیں سمجھائیں اور دُعا فرمائیں تو اللہ آپ کی دُعا قبول فرمائے گا اور ماں ضرور مسلمان ہوجائیں گی۔ بس حضورؐ سے عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ ام جمیل کے ساتھ یہ میری ماں ہیں یہ مجھ سے بڑی محبت کرتی ہیں لیکن ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی ہیں۔ حضور کی ذات برکت والی ہے آپ للہ سے دعا فرمائیں کہ وہ جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔

واہ! کیسے اچھے بیٹے تھے حضرت ابوبکر رضؓ۔ اس حال میں ہیں مگر ماں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی دُھن میں ہیں۔ حضورؐ بھلا اپنے پیارے ساتھی کی بات کیوں نہ مانتے۔ آپ بھی تو اللہ کے بندوں کو خدا کے عذاب سے بچانے کے لیے اسلام پھیلا رہے تھے۔ آپ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ آپ کی دعا کرتے ہی ام الخیر کے دل سے کُفر کا زنگ دُھل گیا اور وہ اُس وقت وہیں مسلمان ہوگئیں۔ اللہ اُن سے راضی ہو۔

اسلام کے لیے اس طرح کی تکلیفیں اُٹھاتے اُٹھاتے وہ وقت بھی آیا جب حضورؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جو چاہے یہاں کے ظلم

سے بچے اور اپنے ایمان کو بچانے کے لیے حبشہ چلا جائے۔ بہت سے مسلمان حبشہ کو چلے گئے۔ اب حضرت ابوبکرؓ کا حال سُنیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب قرآن پڑھتے تو آپ کے آنسو نکل آتے۔ آپ کو قرآن پڑھتے وقت پاس پڑوس کے لوگ بچے، نوجوان، لڑکے لڑکیاں سبھی سُنتے۔ ان پر اثر ہوتا۔ وہ اکٹھا ہو جاتے اور دھیان سے سُننے لگتے۔ قریش یہ دیکھ کر گھبراتے کہ کہیں ایسا نہ ہو، یہ سب مسلمان ہو جائیں۔ اُنھوں نے ابوبکرؓ کو قرآن پڑھنا اور گھر میں رہنا دوبھر کر دیا۔ جب وہ گھر میں ہوتے، قرآن پڑھتے تو بڑی بدتمیزیاں کرتے، یہ دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کے دل میں خیال آیا کہ حبشہ چلے جائیں۔ وہ حبشہ کی طرف چلے راستہ میں مکہ کا ایک رئیس ابن دغنہ ملا۔ اس نے کہا "ابوبکر! کہاں جا رہے ہو؟" بتایا کہ حبشہ جا رہا ہوں۔ پوچھا "کیوں جا رہے ہو؟" کہا "میری قوم والوں نے مجھے گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی جگہ جا کر اپنے رب کی یاد میں لگ جاؤں"۔

ابن دغنہ ابوبکر صدیقؓ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کو اس بات کا بڑا دُکھ ہوا کہ ایسا اچھا آدمی مکہ سے چلا جائے۔ اس نے کہا "تم محتاجوں کی مدد کرتے ہو، اپنے رشتے اور ناتے کے لوگوں

کا حق ادا کرتے ہو، غریب لوگوں کی مدد کرتے ہو۔ مہمانوں کی خدمت کرتے ہو۔ مصیبت کے ماروں کا ساتھ دیتے ہو۔ پھر تم مکہ کے ایک سمجھ دار آدمی ہو۔ تم ہمارے اندر بڑے شریف آدمی ہو۔ تمہارے جیسے آدمی کا مکہ سے چلے جانا میں اچھا نہیں سمجھتا ۔ تم میرے ساتھ واپس چلو۔ اپنے شہر میں چل کر اپنے رب کی عبادت کرو۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا"

اس کے سمجھانے سے واپس لوٹ آئے۔ ابن دغنہ نے مکہ کے سرداروں سے کہا" ابوبکر گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتے اور نہ اُن کو کوئی گھر اور شہر چھوڑنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ تم پر افسوس ہے کہ تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو محتاجوں کی مدد کرتا ہے۔ رشتہ داروں کا حق ادا کرتا ہے ۔ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرتا ہے۔ دُکھ میں لوگوں کے کام آتا ہے۔ دوسروں کا بوجھ اٹھاتا ہے اور جو تم میں سے کسی سے کم نہیں، وہ شریف آدمی ہے اور سمجھ دار ایسا کہ تم اس کے فیصلوں کو مانا کرتے تھے۔ کیا تم ایسے شریف آدمی کو نکال کر اپنے کو ذلیل کرو گے؟"

ابن دغنہ نے جو کچھ کہا، سچ کہا تھا۔ وہ اثر والا آدمی بھی تھا۔ لوگوں نے کہا" بات یہ ہے کہ وہ زور زور سے قرآن پڑھتے ہیں۔ ہمارے بچے سُنتے ہیں، ہمیں یہ ڈر ہے کہ بچے قرآن سنکر اپنے دین سے پھر جائیں گے۔ تم ابوبکر سے کہو، وہ اپنے مکان کے اندر اپنے رب

کی عبادت کریں اور وہیں جو چاہیں کریں۔ نمازیں پڑھیں مگر ہمیں پریشان نہ کریں یعنی کھلم کھلا وہ نہ کریں جو مانتے ہیں اور نہ زور سے قرآن پڑھیں"۔
ابن دغنہ نے کہا "اچھا جو تم چاہتے ہو وہ ایسا ہی کریں گے"
ابن دغنہ یہ کہہ کر چلا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے دو چار دن اسی طرح خاموشی سے عبادت کی مگر انھیں تسکین نہ ہوئی۔ وہ پھر پہلے کی طرح بلند آواز سے قرآن پڑھنے لگے۔ کافروں نے سُنا تو ابن دغنہ کو بلا لائے اور کہا کہ دیکھو کہ ابوبکر شرط کے خلاف کرتے ہیں۔ ابن دغنہ نے ابوبکرؓ سے کہا "تم کو معلوم ہے کہ قریش سے میں نے یہ شرط کی ہے کہ تم قرآن بلند آواز سے نہیں پڑھ سکتے تم یا تو میری بات مانو یا پھر میں کہہ دوں گا کہ ابوبکر کا ساتھ میں نے چھوڑ دیا"
حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "تم شوق سے میرا ساتھ چھوڑ دو۔ خدا میرے ساتھ ہے اور وہی ساتھی کافی ہے۔ میں خدا کی پناہ ہی میں خوش اور راضی ہوں"۔ ابن دغنہ یہ سُن کر چلا گیا۔

پیارے رسُولؐ کا ساتھ دینا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے اچھے ساتھی تھے۔ انھوں نے پیارے رسولؐ کا ساتھ دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ تن من دھن سے آپ کا ساتھ دیا۔ بات بات میں آپ کی طرف داری کرتے۔ آپ کی ہر بات کی تصدیق کرتے یعنی کہتے کہ اے لوگو! حضورؐ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں، آپ کی یہ بات بالکل صحیح ہے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔

حضورؐ کی باتوں کی تصدیق کرنے کے سلسلے میں بہترین بات وہ ہے جو معراج کے وقت حضرت ابوبکر رضؓ نے کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رجب کے مہینے میں معراج ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے راتوں رات حضورؐ کو آسمانوں کی سیر کرائی۔ جنت اور دوزخ دکھائی اور بہت سی وہ باتیں دکھائیں جو اللہ دکھانا چاہتا تھا اور پھر راتوں رات ہی زمین پر بھیج دیا۔ صبح کو آپ نے معراج کا حال لوگوں سے کہا۔ مکہ کے سرداروں نے سُنا تو آپ کے آس پاس جمع ہوگئے اور آپ کی ہنسی اڑانے لگے۔ توبہ

توبہ، کہنے لگے کہ اب تو ان کا دماغ بالکل چل گیا ہے۔ مکہ کے سرداروں میں ابوجہل آپ کے پیچھے ہی پڑا رہتا تھا۔ اُس نے سوچا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب سے بڑے ساتھی ابوبکر ہیں۔ وہ ہر بات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف داری کرتے ہیں۔ چلو اُن سے کہیں کہ بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی راتوں رات آسمانوں کی سَیر کر کے چلا آئے اس نے سوچا تھا کہ ابوبکر اس بات سے ضرور انکار کریں گے اور جب وہ انکار کر دیں گے تو پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دینے والا کوئی نہ رہ جائے گا۔

یہ سوچ کر وہ دَوڑا دَوڑا ابوبکر صدیق رض کے پاس پہنچا۔ بولا، "ارے بھئی سُننا تو۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی راتوں رات آسمانوں کی سَیر کر آئے؟"۔ ابوبکر رض نے جواب دیا کہ "ایسا نہیں ہو سکتا"۔ اب ابوجہل نے بتایا کہ تمہارے صاحب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ آج رات انھیں اسی طرح معراج ہوئی۔ اب ابوبکر صدیق رض نے یہ سُنا تو جھٹ بول اُٹھے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو بالکل ٹھیک ہے۔ میں تو ان کی باتوں کی ہر وقت تصدیق کرتا ہوں جو آپ فرماتے ہیں کہ جبریل آئے اور اللہ کا پیغام لائے۔ اللہ کے نزدیک یہ کچھ بھی مشکل اور ناممکن نہیں ہے۔ وہ سب کچھ کر

سکتا ہے۔ اللہ نے ضرور اپنے رسول کو آسمانوں کی سیر کرائی ہوگی۔

یہ سُنکر ابوجہل اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کے پاس آئے۔ یہاں لوگ آپ کی ہنسی اُڑا رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آتے ہی کہا "ٹھہرو"۔ پھر بولے کہ میں نے بیت المقدس دیکھا ہے۔ اچھا حضور آپ بتائیے کہ بیت المقدس کے کتنے دروازے ہیں اور کون سا دروازہ کس طرف ہے؟" حضورؐ نے سب ٹھیک ٹھیک بتا دیا تو ابوبکرؓ نے بلند آواز سے اعلان کر دیا کہ حضورؐ جو کچھ کہتے ہیں بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے آپ کو یہ مرتبہ دیا اور سچ مچ آپ کو معراج ہوئی

لیجیے کافروں نے سوچا تھا کہ آج مسلمان لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیں گے۔ آپؐ کی بات جھٹلا دیں گے اور آپؐ کا ساتھ چھوڑ دینگے لیکن ابوبکرؓ کی تصدیق کرنے سے ان سب کی بات دھری کی دھری رہ گئی۔ حضورؐ نے خوش ہو کر اُس دن ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب دیا یعنی سب سے بڑا تصدیق کرنے والا۔ اس لیے مسلمان ان کو حضرت ابو بکر صدیق ہی کہتے ہیں۔

اس طرح جہاں بات آتی۔ پیارے رسولؐ کے پیارے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اپنی زبان کی پوری طاقت سے آپ کی حمایت

یعنی طرف داری میں بولتے۔ پھر جب کہیں ایسا موقع ہوتا کہ مکّے کے سردار حضورؐ کے ساتھ بے ادبی کرتے، آپ کو ستاتے تو جیسے ہی ابوبکرؓ سُنتے دوڑ کر آتے اور آپ کی مدد کرتے۔ جان پر کھیل کر آپ کو بچاتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ حضورؐ کو بچانے میں ان کے بھی چوٹیں آجاتیں۔

ایک دن کی بات ہے، پیارے نبیؐ کعبے میں نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک کافر آیا۔ اس کا نام عقبہ تھا۔ اس نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنی چادر حضورؐ کے گلے میں ڈالی اور پھندا دے کر کھینچنے لگا۔ وہاں اور بہت سے کافر تھے۔ وہ سب دیکھ دیکھ کر ہنستے اور خوش ہوتے عقبہ کو شاباشی دیتے اور کہتے کہ ہاں ذرا اور کَس کے کھینچ!

یہ بات کسی نے جا کر ابوبکرؓ سے کہی۔ وہ کوئی ضروری کام کر رہے تھے۔ سُنتے ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دوڑ پڑے۔ کعبے میں پہنچے۔ پہنچتے ہی عقبہ کو دھکا دے کر ہٹا دیا۔ چادر کا پھندا کھولا اور مکہ کے سرداروں سے کہا "تم اُس شخص کی جان لینے پر تلے ہوئے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ تم سب جانتے ہو کہ وہ اللہ کی طرف سے سچی نشانیاں لے کر آیا ہے۔"

ایسے وقت میں پیارے رسولؐ کی یہ مدد کرنا آسان کام نہ تھا مکّے کے بڑے بڑے سردار وہاں موجود تھے۔ ہو سکتا تھا کہ وہ ابوبکرؓ

پر پل پڑتے۔ لیکن اس وقت ابوبکرؓ نے جو آپ کی مدد کی تو دیکھنے والوں کو بڑا تعجب ہوا۔ کسی نے پوچھا " یہ کون ہے جس نے اپنی جان کی پروا نہیں کی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کو آگیا ؟ کسی نے بتلایا کہ یہ ابوبکرؓ ہیں۔

اسی طرح کے ایک اور موقع پر ابوبکرؓ بڑی طرح پٹ کر رہ گئے۔ ہوا یہ کہ ایک دن مکہ کے قریش نے حضورؐ کو چھیڑ کر بتوں کے بارے میں پوچھا کہ تم اِن بُتوں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ حضورؐ ہمیشہ صاف اور سچی بات کہدیا کرتے تھے۔ قریشی سرداروں کے پوچھنے پر صاف صاف کہہ دیا کہ یہ پتھر کی مورتیاں ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ حضورؐ سے یہ سنتے ہی قریش آپ سے لپٹ گئے اور مار پیٹ شروع کردی۔ حضرت ابوبکرؓ کو پتہ چلا تو بھاگے بھاگے آئے۔ آتے ہی بیچ میں کود پڑے۔ کافر حضورؐ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ پر پل پڑے پھر اتنا مارا اتنا مارا کہ حضرت ابوبکرؓ گھر آکر سر پر ہاتھ پھیرتے تو سر کے بال ہاتھ میں آجاتے

اسی طرح کا آنکھوں دیکھا حال حضرت علیؓ بیان فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ مکہ کے قریش نے حضورؐ کو گھیر لیا تھا۔ ان میں سے کوئی آپ کو دھکا دے رہا تھا۔ کوئی

پکڑکر اپنی طرف کھینچتا تھا اور سب غصّے میں یہ کہہ رہے تھے کہ تو وہی ہے نا! کہ تونے ہمارے خداؤں کو نہ مانا اور ایک خدا کو مانتا ہے۔

حضرت علی رضؓ کہتے ہیں۔ کہ اس وقت حضورؐ اس بُری طرح پھنسے ہوئے تھے کہ ہم میں سے کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ آپ کی مدد کو پہنچے لیکن ابو بکر رضؓ سے دیکھا نہ گیا۔ وہ آگے بڑھے۔ بھیڑ میں گھس گئے کسی کو دھکا دیا، کسی کو مارا، کسی کو پیچھے ہٹایا۔ ابو بکر رضؓ یہ سب کرتے جاتے اور کہتے جاتے "کم نصیبو! تم ایسے شخص کو قتل کیے دیتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔"

یہ حال بیان کرکے حضرت علی رضؓ سے نہ رہا گیا اور وہ رونے لگے اتنا روئے کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اس کے بعد ابو بکر رضؓ کی بڑائی بیان کی۔ ابو بکر رضؓ کی بہادری کی تعریف کی اور فرمایا کہ پیارے رسولؐ پر جان نچھاور کرنے میں ابو بکر رضؓ سب سے آگے رہے ہیں۔

ہجرت میں پیارے رسولؐ کا ساتھ

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بارہ سال تک مکّہ والوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ دین اسلام سمجھاتے رہے۔ قرآن پڑھ پڑھ کر سناتے رہے اور اسلام کی طرف بلاتے رہے۔ بارہ برسوں میں جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، اُن کو مکّے کے قریش ستاتے رہے۔ ان پر ظلم ڈھاتے رہے۔ جب اُن کا ستانا حد سے بڑھ گیا تو اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم آیا۔ اللہ تعالےٰ نے حضور کو حکم دیا کہ مکّے سے مدینے ہجرت کر جائیں۔ حضورؐ نے یہ حکم مسلمانوں کو سُنا دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ حکم سُنا تو ہجرت کی تیاریاں کرنے لگے۔ مکّے سے مدینہ ڈیڑھ سو میل سے زیادہ دور ہے۔ حضورؐ کے زمانے میں لوگ پیدل اور اونٹوں پر مکّے سے مدینے جایا کرتے تھے۔ راستہ میں کئی دن لگتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چار اونٹنیاں مکّے سے مدینے جانے کے لیۓ الگ کر لیں۔ انھیں خوب اچھا کھلانے پلانے لگے۔ ان کو طاقت ور اور تگڑا کرنے کی تدبیریں کرنے لگے مسلمانوں

نے یہ حکم سُنا تو وہ مکہ چھوڑ کر مدینے کی طرف جانے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ دل ہی دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ پیارے رسولؐ کے ساتھ جائیں تو سفر میں حضورؐ کی خدمت کا خوب موقع ملے گا۔ وہ اللہ سے یہی دُعا بھی کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اسی سوچ میں رہے۔ اس طرح کئی مہینے ہوگئے۔ قریب قریب سارے مسلمان مکے سے نکل کر مدینے پہنچے۔ یہ بات مکے کے سرداروں کو معلوم ہوئی تو وہ یہ سوچنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ چلے گئے اور وہاں کے لوگ بھی مسلمان ہوگئے تو ان کی طاقت بڑھ جائے گی اس لیے (توبہ توبہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالنا چاہیئے۔ اُنھوں نے آپس میں صلاح کی اور حضورؐ کو قتل کرنے کے لیے ایک دن طے کرلیا۔ یہ بھی طے ہوا کہ رات کو حضورؐ کا گھر گھیرے رہیں گے اور صبح کو جب آپ گھر سے نکلیں گے تو قتل کردینگے

ایک مزے کی بات اور سُنیے جس رات کے لیے مکے والوں نے یہ طے کیا تھا کہ حضورؐ کا گھر گھیرے رہیں گے اسی رات کے لیے اللہ کا حکم تھا کہ گھر سے نکل کر مدینے کی راہ لیں۔ حضورؐ نے جاکر اپنے پیارے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے کہا کہ میرے لیے بھی ہجرت کا حکم آگیا یہ سنکر حضرت ابوبکر رضؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ حضورؐ مجھے بھی ساتھ لے چلیں؟

جواب ملا۔ "ضرور ضرور" ۔ یہ سنکر حضرت ابو بکر رض خوش ہو گئے۔ کہنے لگے کہ میں نے اسی دن کے لیے چار اونٹنیاں الگ کر لی تھیں۔ اب یہ چاروں خوب تگڑی ہیں۔ انہی پر چلیں گے۔ اس کے بعد اپنی بڑی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، اپنے بیٹے عبداللہ اور اپنے غلام عامر ابن فہیرہ کو حکم دیا کہ سامان درست کرنا شروع کریں۔ حضرت ابو بکر رض کے گھر کے یہ تینوں شخص مسلمان ہو چکے تھے اور دل و جان سے حضور م پر نچھاور ہونے کے لیے تیار رہتے تھے۔

ہجرت کی رات مکے والوں نے حضور م کا گھر گھیر رکھا تھا لیکن حضور م اللہ کے حکم سے نکلے تو کافر آپ کو دیکھ نہ سکے۔ آپ م گھر سے نکل کر سیدھے ابو بکر رض کے گھر پہنچے۔ وہاں سارا سامان ٹھیک ٹھاک تھا۔ حضرت اسماء رض نے کئی دن کا کھانا تیار کر کے اچھی طرح باندھ دیا تھا۔ حضور م ابو بکر رض کو رات کو لے کر چل دیئے۔ مکے کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ میں ایک غار ہے اس غار کو غار ثور کہتے ہیں۔ اسی غار میں حضور م پہنچے۔ حضرت ابو بکر رض غار میں پہلے پہنچے۔ غار کو اندر سے صاف کیا۔ پھر جب یہ اطمینان ہو گیا کہ غار میں کوئی جانور یا کیڑا نہیں ہے تو حضور م کو بلایا۔ حضور م اندر گئے اور اپنے پیارے ساتھی کے ساتھ اسی میں چھپ گئے۔

اب مکے والوں کا حال سُنیے ۔ وہاں جب صبح ہوئی تو انہوں نے حضورؐ کو نہ پایا ۔ سمجھ گئے کہ بچکر نکل گئے ۔ بس اسی وقت اعلان کرا دیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے گا یا اُن کا سر لائیگا اسے سَو سُرخ اونٹ انعام میں دیے جائیں گے ۔ عرب میں اُس وقت سُرخ اونٹ بہت قیمتی ہوتے تھے ۔ انعام کے لالچ میں کافر حضورؐ کو تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے ۔ وہ مدینے کے راستوں پر بھی گئے اور اِدھر اُدھر بھی ڈھونڈنا شروع کر دیا ۔ ایک بار کچھ کافر غارِ ثور کے سامنے جا کھڑے ہوئے ۔ اندر سے حضرت ابوبکرؓ نے دیکھ لیا گھبرا کر حضورؐ سے کہا کہ وہ ذرا جھک کر دیکھیں گے تو ہمیں پالیں گے ۔ حضورؐ نے جواب دیا ۔ "گھبراؤ نہیں ، اللہ ہمارے ساتھ ہے "۔

اللہ کی مہربانی تھی ۔ کافر اسی طرح کھڑے کھڑے اِدھر اُدھر دیکھتے رہے اور چلے گئے ۔ غارِ ثور میں حضور تین دن رات چھپے رہے ۔ ان تین دنوں میں ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ اور پیاری بیٹی اسماءؓ دونوں یہ کرتے کہ بھیڑ بکریاں لے کر چگانے کے بہانے سے نکلتے ۔ کھانا پانی ساتھ ہوتا ۔ غارِ ثور کے پاس جا کر کھانا پانی حضورؐ کو دے آتے ۔ پھر جب واپس آتے تو اپنے قدموں کے نشان مٹاتے ہوئے آتے تاکہ کافروں کو کچھ شک نہ ہو جائے کہ ابھی گذرا ہے کوئی اس طرف سے ۔ یہ دونوں تو یہ

کرتے۔ حضرت عبداللہ بہت سمجھ دار تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو یہ کام سونپا کہ جا کر مکے والوں میں بیٹھیں۔ اُن کی باتیں سنیں اور وہ لوگ جو رائے مشورے کریں وہ سنیں اور آ کر بتایا کریں۔ عبداللہ روز روز کی خبریں آکر بتاتے کہ مکے والے یہ سوچ رہے ہیں اور آپ کو پکڑنے کے لیے یہ یہ انتظام اور انعام کا اعلان کیا ہے۔ غار میں تین دن چھپے رہنے کے بعد چوتھے دن مدینے کی طرف جانا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیٹی، بیٹا اور غلام سے کہا کہ سامان اور اونٹنیاں لے کر آؤ۔ یہ سب سامان آ گیا۔ حضورؐ سوار ہوئے۔ حضرت ابوبکر سوار ہوئے۔ ایک آدمی کو مدینے کا راستہ بتانے پہلے کیا۔ اسے زیادہ سے زیادہ رقم پہلے کیا۔ وہ آدمی راستہ بتاتا ہوا آگے آگے چلا۔ راستے میں حضرت ابوبکرؓ کو یہ فکر تھی کہ حضورؐ کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ حضورؐ کو بھوک لگتی تو جھٹ کھانا حاضر کرتے۔ پیاس لگتی تو پانی پیش کرتے۔ دھوپ ہوتی تو سر پر کپڑا تان دیتے۔ جب زیادہ دھوپ ہو جاتی تو ٹھہر کر آرام کرنے کی جگہ تلاش کرتے۔ حضورؐ کے آرام کا انتظام کرتے۔

راستے میں ایک دن سوچا کہ کہیں دودھ ملے تو پیارے رسولؐ کو پلائیں۔ یہ سوچ کر جب ایک جگہ حضورؐ کو ٹھہرایا تو خود دودھ کے لیے اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگے۔ ایک طرف ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا

جھٹ اس کے پاس پہنچے۔ اس سے دودھ لیا۔ دودھ کو کپڑے سے ڈھانک کر حضورؐ کے پاس لائے۔ اُس میں ذرا سا پانی ملا کر حضورؐ کو پلایا۔ پھر شام ہوئی تو وہاں سے آگے بڑھے۔

اب سُنیے مکّے میں ایک جوان تھا۔ اُس کا نام تھا سُراقہ۔ سُراقہ بڑا بہادر آدمی تھا۔ ساتھ ہی بڑا لالچی بھی تھا۔ اُس نے مکّے کے سرداروں کا اعلان سُنا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پکڑ لائے گا یا اُن کا سر لائیگا اُسے سَو سُرخ اونٹ انعام میں ملیں گے۔ انعام کے لالچ میں اُس نے تیر کمان لیا۔ تلوار کمر سے لگائی۔ نیزہ ہاتھ میں تھاما گھوڑے پر سوار ہوا اور حضورؐ کو تلاش کرنے چلا۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اُس نے آپ کو دیکھ لیا۔ گھوڑا دوڑا کر آپ کے پاس پہنچا۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے اُسے دیکھا تو سمجھ گئے کہ دُشمن ہے۔ حضورؐ سے بولے "دُشمن آگیا"۔ حضورؐ نے جیسے سُنا ہی نہیں۔ آپ نے کچھ دھیان نہیں دیا۔ آپ اُس وقت قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے۔ سُراقہ نے چاہا کہ حضورؐ پر حملہ کرے کہ اُس کے گھوڑے کے پاؤں ریت میں دھنس گئے۔ وہ گھوڑے سے اُترا۔ گھوڑے کی لگام پکڑ کر اُسے کھینچا۔ گھوڑا ریت سے نکلا۔ سُراقہ پھر سوار ہوا اور پھر حملہ کرنا چاہا۔ اُس کا گھوڑا پھر زمین میں دھنس گیا۔ وہ پھر اُترا اور تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا تو اس کا دل کھٹکا۔ سوچنے

لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچ مچ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے ساتھ دشمنی کرنا ٹھیک نہیں بلکہ ان سے دوستی پیدا کرنا چاہیئے۔ یہ سوچ کر وہ پاس آیا۔ آپ سے سارا حال کہا۔ انعامی اعلان سُنایا۔ پھر لالچ میں پڑکر اپنا حال بتایا۔ اس کے بعد معافی مانگی۔ حضورؐ نے معاف کر دیا۔ سُراقہ لوٹ گیا۔ راستے میں اب کوئی حضورؐ کو تلاش کرنے ادھر جاتا تو سُراقہ اُسے لوٹا دیتا کہ ادھر تلاش کرنا بیکار ہے۔ میں تو اس طرف سے آرہا ہوں۔

حضورؐ مدینے کے راستے پر جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے داماد زبیرؓ ملے۔ زبیر حضرت اسماءؓ کے شوہر تھے۔ وہ شام کی طرف سے آرہے تھے تجارت کے لیے گئے تھے۔ ساتھ میں تجارت کا مال بھی تھا۔ انھوں نے دونوں حضرات کی خدمت میں اچھے اچھے کپڑے پیش کیے۔ حضورؐ نے یہ کپڑے پسند فرمائے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے حضورؐ کی رائے دیکھی تو کپڑے رکھ لیے۔

کئی دن کے بعد مدینے میں پہنچے۔ مدینے والے حضورؐ کے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کو اپنے اپنے گھر میں ٹھہرانے کے لیے حضورؐ سے درخواست کرنے لگے۔ لیکن حضورؐ حضرت ابوایوبؓ کے مکان پر ٹھہرے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سُنح کے مقام پر حضرت خارجہؓ کے یہاں ٹھہرے۔ اور کپڑے کی تجارت کرنے لگے۔ چند دنوں کے بعد بال بچے

بھی مدینے آگئے۔ ان کے بیٹے عبداللہ سب کو لے کر باپ کے پاس آگئے۔ باپ ابوقحافہ اور ایک اور بیٹے عبدالرحمٰن ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ مکّہ ہی میں رہے۔

مدینے میں آکر حضرت ابوبکر رضؓ اور آپ کی چھوٹی بیٹی حضرت عائشہ رضؓ دونوں بیمار ہوگئے۔ حضرت عائشہؓ کی شادی حضرت ابوبکر رضؓ نے حضورؐ کے ساتھ مکّے ہی میں کردی تھی۔ ان دونوں کی بیماری اتنی بڑھی کہ کوئی دوا کام نہ کرتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور سے دُعا کے لیے کہا۔

ان دونوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی جو مکّے سے ہجرت کرکے یہاں آگئے تھے وہ بھی بیمار ہوگئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ مکّے کی آب و ہوا اچھی نہ تھی۔ حضورؐ نے دُعا فرمائی۔ اس دُعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینے کی آب و ہوا اچھی ہوگئی۔ جو لوگ بیمار پڑگئے تھے وہ سب بھی اچھے ہوگئے۔

مدینے میں پہنچکر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد کی داغ بیل ڈالی۔ مسجد کے لیے ایک جگہ پسند فرمائی۔ یہ جگہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ آپ نے زیادہ سے زیادہ رقم دے کر وہ زمین لی۔ اس مسجد کے لیے رقم حضرت ابوبکر رضؓ نے اپنے پاس سے دی۔ حضرت ابوبکر رضؓ

جب مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت ان کے پاس چالیس ہزار کی رقم تھی پینتیس ہزار تو مکے میں اسلام کے لیے خرچ کر دیے۔ جو مسلمان غلام تھے اُن کو بڑی سے بڑی رقم دے کر خریدا اور آزاد کر دیا۔ پانچ ہزار جو بچے وہ یہاں مدینے میں خرچ ہو گئے لیکن حضورؐ کی محبت اور اسلام کے لیے یہ رقم خرچ ہوئی تھی۔ اِس لیے خدا کا شکر ادا کیا اور دل میں خوش ہوئے کہ رقم اچھی جگہ خرچ ہوئی۔

لڑائیاں

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینے میں پہنچے تو حضورؐ نے مدینے میں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی اسلامی حکومت کا مطلب یہ کہ اب یہاں سارے فیصلے اللہ کے حکموں کے مطابق ہوا کریں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان حکموں پر عمل کر کے دکھائیں گے مدینے کے قریب قریب سب ہی لوگ اس وقت مسلمان ہو چکے تھے اسلامی حکومت بن جانے سے یہ سب بہت خوش ہوئے لیکن جب مکے میں یہ خبر پہنچی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینے پہنچ گئے اور وہاں اسلامی حکومت قائم کی ہے تو مکے والوں کو بڑی فکر ہوئی۔ انھوں نے سوچا کہ اگر یہ اسلامی

حکومت آگے چل کر مضبوط ہو گئی تو ہمارے لیے خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اس لیے جلد سے جلد اسے ختم کر دینا چاہیئے۔

یہ سوچ کر مکّے والوں نے مدینے پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی انہوں نے لڑنے مرنے والے ایک ہزار سے زیادہ بہادر جمع کیے۔ ان کے لیے تیر کمان، نیزے، تلواروں اور لڑائی کے دوسرے سامان کا انتظام کیا۔ جب ہر طرح کے سامان سے تیار ہو گئے تو پورے لاؤ لشکر کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تیاریوں کی خبریں ملتی رہیں تھیں۔ جب آپ نے یہ سنا کہ مکّے والے لڑنے آ رہے ہیں تو آپ نے بھی اللہ کے سپاہیوں کو جمع کیا۔ یہ کل تین سو تیرہ نکلے۔ ان بے چاروں کے پاس لڑائی کا سامان بہت کم تھا۔ گھوڑے نہ تھے۔ نیزے اور تلواریں کم تھیں۔ کھانے پینے کا سامان بھی کم تھا۔ لیکن حضورؐ اللہ کے بھروسے پر آگے بڑھے۔ بدر کے میدان میں جا کر مکّے والوں کو روکا دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور جب حضورؐ نے مکے والوں کے لشکر کو ہتھیاروں سے لیس اور جنگی گھوڑوں کی قطاریں دیکھیں تو آپ نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ آپ نے اس طرح دعا کی۔

"اے اللہ! تو نے مجھ سے فتح کا جو وعدہ کیا ہے اُسے آج پورا فرما دے، اے اللہ مجھے وہ فتح دے جس کا وعدہ مجھ سے فرمایا ہے

اے اللہ! مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت اگر ختم ہو گئی تو پھر اس زمین پر کبھی تیری عبادت نہ ہو گی"

پیارے نبیؐ گڑ گڑا کر یہ دُعا فرما رہے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ محبت کے مارے آپ سے لپٹ گئے اور بولے "یا رسول اللہ! بس اب آپ بے چین نہ ہوں۔ اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا"۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے یہ کہا ہی تھا اور حضورؐ نے ابھی دُعا ختم نہ کی تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر خوشخبری سنائی۔ اللہ کا پیغام دیا کہ اے پیارے رسول! (آج) میں ایک ہزار ایسے فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو آگے پیچھے برابر اُترتے رہیں گے (اسلئے مسلمانوں کی تعداد کم ہونے سے مت گھبراؤ) آج کافر ہاریں گے اور پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے"۔

یہ خوشخبری مسلمانوں کو سنائی گئی۔ پیارے رسولؐ کے پیارے ساتھیوں نے آپ کے لیے ایک جگہ چھوٹا سا چھپر بنا دیا تھا۔ آپ اس میں گئے اور لڑائی کا انتظام کرنے لگے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ ننگی تلوار لے کر آپ کی حفاظت کے لیے کھڑے ہوئے۔ لڑائی شروع ہوئی تو کافروں کا پورا زور اور دباؤ حضورؐ ہی کی طرف تھا۔ وہ بڑھ بڑھ کر آپ پر حملہ کرتے۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضؓ بڑھ کر ان کو بھگا دیتے۔ اس لڑائی میں حضرت

حضرت ابو بکر رض کو بیٹی پر (حضرت عائشہ رض پر) غصہ آگیا۔ حضور ص کے
حجرے میں گئے۔ حضور سو رہے تھے اس لیے چپکے چپکے بیٹی کو ڈانٹنے لگے کہ
تیری وجہ سے مسلمانوں کو یہ تکلیف ہوئی اس طرح ڈانٹتے جاتے اور بیٹی
کی کمر میں کچوکے مارتے جاتے۔

صبح کو حضور ص جاگے تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا۔ "اگر کہیں
پانی نہ ملتا ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔ اس طرح کہ مٹی پر ہاتھوں کو مارو
اور اپنے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھوں پر مل لو۔"

اللہ کا یہ حکم اترا تو پیارے رسول ص کے تمام پیارے ساتھی رض
بہت خوش ہوئے۔ سب نے کہا کہ واہ بھئی واہ ابو بکر رض کی اولاد بھی کیسی اچھی
ہے کہ اس کی غلطی سے ہم کو فائدہ پہنچا۔

ایک اور لڑائی کا قصہ ہے۔ کافر یہ چاہتے تھے کہ حضور ص سے صلح
ہو جائے۔ صلح کے لیے انھوں نے مشہور رئیس اور بہادر شخص کو آپ کے
پاس بھیجا۔ وہ آپ کے پاس آیا اور باتیں کرتے کرتے اس کی زبان سے یہ نکل گیا۔

"اے محمد! میں تمہارے آس پاس ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں
جو وقت پڑنے پر ہمارے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے۔"

اس کی اس بات پر حضرت ابو بکر رض کو جوش آگیا۔ ڈانٹ کر بولے "او
خدا کے دشمن! کیا ہم رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ دیں گے؟"۔ اس کا فر

نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف دیکھا اور کچھ نہ کہہ سکا۔ چُپ ہو کر رہ گیا۔

ایک اور لڑائی کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ نے گھر کا سارا سامان دے کر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے سے اللہ تعالےٰ خوش ہوتا ہے اور اسلام کو ترقی ہوتی ہے۔ ہوا یہ کہ ایک بار روم کے بادشاہ سے حضورؐ کو مقابلہ کرنا تھا۔ رُوم کی سلطنت بہت بڑی تھی۔ روم کے بادشاہ کے پاس فوج بھی بہت زیادہ تھی اور سامان بھی۔ اس سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ حضورؐ نے اللہ کے بھروسے پر مسلمانوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ جو شخص اس موقع پر اللہ کیلئے جو کچھ دے سکتا ہے دے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھیوں نے خوب دل کھول کر دیا۔ کسی نے ہزاروں کی رقم دی کسی نے گھوڑے دیئے۔ کسی نے ہتھیار دیئے۔ جو لوگ غریب تھے وہ دن رات مزدوری کرتے پھر جو کچھ پاتے۔ اس میں سے کچھ پیسے بال بچوں کے کھانے کے لیے رکھ لیتے باقی حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر گھر کا آدھا مال لا کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان لے کر آئے۔ بدن پر صرف کمبل لپیٹ لیا۔ یہ سارا سامان حضورؐ کو دیا تو آپ نے پوچھا "پیارے ساتھی! بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کیا کہ بال بچوں

کے لیے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو چھوڑا ہے۔

آپ سمجھے! اس کا کیا مطلب؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں کچھ نہیں چھوڑا۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ ہی کو چھوڑا ہے۔ یعنی اللہ کے بھروسے پر سب کچھ دے دیا۔ اب وہ مالک ہے۔ جیسے چاہے۔ رکھے

آپ نے علامہ اقبالؒ (مشہور اسلامی شاعر) کا نام سُنا ہو گا۔ اقبال صاحب نے اس خیرات کا حال نظم میں لکھا ہے۔ آخر میں یہ شعر لکھا ہے: ؎

پروانے کو چراغ ہے، بُلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس

یعنی جس طرح پروانہ چراغ کو اپنا سب کچھ سمجھتا ہے اور بلبل پھول کو، اس طرح ابو بکر صدیق رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سب کچھ سمجھتے تھے اور پروانے اور بُلبل کی طرح حضورؐ کے عاشق۔

کافروں سے مسلمانوں کی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر وہ دن بھی آیا کہ حضورؐ نے بڑھ کر مکہ فتح کر لیا۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ اپنے باپ ابو قحافہ کے پاس گئے۔ انھیں سمجھایا۔ پھر اُن کو ساتھ لے کر حضورؐ کے پاس آئے۔ ابو قحافہ بہت بوڑھے تھے۔ حضورؐ ان کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنے پیارے ساتھی ابو بکر رضؓ سے کہا کہ ان بزرگ کو کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس جاتا۔ اس کے بعد ابو قحافہ بھی مسلمان ہو گئے اور

عبدالرحمٰن بھی مسلمان ہو گئے۔ وہی عبدالرحمٰن جو بدر کی لڑائی میں لڑنے گئے تھے اور جن کے مقابلے کے لیے ابو بکر رضؓ نے حضورؐ سے اجازت مانگی تھی۔ اس وقت پیارے رسولؐ کے پیارے ساتھیوں میں صرف ابو بکرؓ ہی ایسے تھے جن کا پورا گھرانہ مسلمان ہو گیا تھا اور سب میں یہ بڑائی ابو بکرؓ ہی کو حاصل تھی کہ اُن کے ماں باپ بھی مسلمان تھے اور اولاد بھی۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

پیارے رسولؐ کی وفات

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔ آخری عمر میں آپ نے جو حج کیا تو واپس آکر ایک دن فرمایا کہ اللہ نے اپنے ایک بندے سے فرمایا کہ اے بندے! یا تو دنیا کے قریب رہ لو یا اللہ کے قریب! اُس بندے نے اللہ کے قریب رہنا پسند کیا۔

ظاہر میں پیارے رسولؐ کی بات ایک نصیحت کی بات تھی۔ آپ ایسی ہی نصیحتیں فرمایا ہی کرتے تھے۔ لیکن یہ بات سنکر حضرت ابو بکر رضؓ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا "یہ رونے کی کیا بات ؟" حضرت ابو بکر رضؓ نے بتایا کہ دراصل پیارے رسولؐ نے یہ بات کہہ کر

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے یہ آیت پڑھی تو سمجھ گئے کہ پیارے رسول خدا تو نہ تھے۔ رسول ہی تھے اور سارے رسول جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں۔ وہ وفات پا گئے۔ اللہ کے سوا سب کو موت آنی ہے تو سچ مچ حضورؐ کو اللہ نے اپنے پاس بلا لیا ہے۔

اب سب کے حواس ٹھکانے ہوئے۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے یہ جو آیت پڑھی تو سب کو ایسا لگا کہ جیسے یہ آیت آج ہی اُتری ہو بات یہ تھی کہ اس وقت لوگ ایسا پریشان ہو گئے کہ اس آیت کی طرف دھیان نہیں گیا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضؓ کو نہ سنبھالا ہوتا تو خدا جانے کیا ہو جاتا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے میں وفات پائی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد لوگ یہ سوچنے لگے کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ حضرت ابوبکر رضؓ نے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ نبی اُسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جس جگہ اُس کی وفات ہوتی ہے۔ چنانچہ حضورؐ کی قبر حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے ہی میں بنائی گئی اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔

"کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ"

جو دُنیا میں ہے، وہ ضرور مرے گا۔

خلیفۂ اوّل

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ آپ نے اللہ کے حکموں کے مطابق اسلامی حکومت کا کام چلا کر دکھا دیا۔ اپنے پیارے صحابہؓ کو سمجھا دیا اور بتا دیا کہ اسی طرح اسلامی حکومت کا کام کرنا۔ اسلامی حکومت میں دین اور دُنیا کے سارے کام اللہ اور رسولؐ کے حکموں کے مطابق ہوتے ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے لیے جس طرح اللہ نے حکم دیئے اور جس طرح پیارے رسولؐ نے کرکے دکھا دیا اسی طرح اسلامی حکومت میں عبادت ہونا چاہیئے۔ شادی، بیاہ، لین دین، رہنا بسنا، تعلیم وغیرہ بھی اسی طرح اسلامی حکومت میں ہوتی ہے جو اللہ کے حکموں کے مطابق ہو اور اس طرح ہو جیسے حضورؐ نے بتایا، سکھایا اور سمجھایا۔ دشمنوں سے لڑنا، سمجھوتہ کرنا، عدالتی فیصلے، لوگوں کو اللہ کے حکموں پر اس طرح چلانا جیسے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا، یہ بھی اسلامی

حکومت کا کام ہے۔ مطلب یہ کہ کوئی کام ہو، اسلامی حکومت میں اسی طرح ہوگا، جو اللہ نے پیارے نبیؐ کو بتایا اور آپ نے اللہ کے بندوں کو سکھایا۔

جب تک پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے۔ آپ نے یہ سب کیا۔ آپ کی وفات کے بعد لوگ سوچنے لگے کہ اب اسلامی حکومت کا کام چلانے کے لیے کس کو چُنا جائے؟ پیارے رسولؐ کے پیارے ساتھیوں میں سب سے زیادہ قابل، سب سے زیادہ سمجھ دار اور بہادر حضرت ابوبکر تھے۔ سب نے بہت سوچ سمجھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو چُنا۔ اسلامی حکومت کا کام چلانے کے لیے جس شخص کو چُنا جاتا ہے، اسے خلیفہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضؓ اسلامی حکومت کے سب سے پہلے خلیفہ ہوگئے۔

خلیفہ ہونے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی اچھی تقریر فرمائی۔ آپ نے کہا "میں اسلامی حکومت کا کام اسی طرح کرونگا جس طرح اللہ کا حکم ہے اور جس طرح حضورؐ نے سکھایا۔ اگر میں ایسا کروں تو تم کو چاہیئے کہ میرا ساتھ دو، میرا کہنا مانو اور اگر میں ایسا نہ کروں تو پھر میرا کہنا نہ ماننا۔

اس کے بعد خلیفۂ اول نے نماز اور جہاد کی نصیحت کی اور نیک کام کرنے کی طرف دھیان دلایا۔ فرمایا کہ جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں

کرتی اللہ اُسے ذلیل کر دیتا ہے اور جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں ان کو اللہ مصیبت میں پھنسا دیتا ہے۔ وغیرہ۔

اسلامی حکومت خطرے میں

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سارے عرب میں پھیلی تو بُرے لوگوں نے اسلامی حکومت کو ہڑپ کرنا چاہا۔ چار نہایت چالاک آدمیوں نے طرح طرح کے کرتب دکھا دکھا کر لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ اور اپنے کو نبی کہلوایا۔ ان میں سے ایک مکار کا نام اسود عنسی تھا۔ یہ یمن کا رہنے والا تھا۔ دوسرا طلیحہ اسدی تھا۔ تیسرا مسیلمہ کذاب، یمامہ کا رہنے والا اور چوتھی ایک عورت تھی جس کا نام سجاح تھا۔

ان چاروں کی قوم کے بہت سے لوگوں نے ان کا ساتھ دیا۔ ان سب نے ہزاروں لڑاکا لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ بڑی بڑی فوجیں بنائیں اور سب نے یہ طے کیا کہ اسلامی حکومت کو ختم کر کے اپنی اپنی حکومت قائم کریں۔ یہ سوچ کر سب اپنی اپنی جگہ سے مدینے کی طرف چلے۔ ان کا ارادہ تھا کہ مدینے پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ختم کر دیں پھر مزے سے راج کریں۔

کچھ ایسے مسلمان تھے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ انھوں نے دینِ اسلام کو ابھی اچھی طرح سمجھا نہیں تھا۔ ان کا ایمان کچا تھا اور وہ لالچی بھی تھے۔ انھوں نے یہ کیا کہ زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، کچھ ایسے شریر تھے جنھوں نے کہا کہ ہم زکوٰۃ تو دیں گے لیکن اسلامی حکومت کے بیت المال (خزانہ) میں جمع نہیں گے۔ خود جیسے چاہیں گے خرچ کرینگے اور اگر اسلامی حکومت کا خلیفہ ہم سے زکوٰۃ مانگے گا تو اس سے لڑینگے خود مدینے میں کچھ ایسے مسلمان تھے جو دل میں تو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے لیکن زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے تھے اور دکھانے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ یہ ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے لیکن جب موقع ملتا، دشمنوں سے مل جاتے اور دین اسلام کو ختم کرنے کی باتیں سوچا کرتے۔ ایسے لوگوں کو منافق کہتے ہیں یہ منافق زکوٰۃ نہ دینے والے لالچی اور شریر لوگوں کو خوب بڑھاوا دیتے اور چھپ چھپ کر کہلا بھیجتے کہ تم مدینے پر حملہ کرو، ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔

ایک مصیبت پہلے سے چلی آرہی تھی، اسلامی حکومت کے اُتر میں ملک شام تھا۔ ملک شام سے آگے عیسائیوں کی حکومت تھی ان کا بادشاہ ہرقل تھا اُس کے پاس بہت بڑی فوج تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نئی نئی جو اسلامی حکومت بنی ہے وہ مضبوط ہو۔ شام میں اور اُس

کے آس پاس بہت سے ایسے حاکم تھے جو اس کی طرف سے مقرر کیے گئے تھے۔ اُس نے اپنے حاکموں سے کہا کہ جس طرح ہو اسلامی حکومت کو ختم کرو۔ یہ سارے حاکم عرب اور شام کی سرحد پر آئے دن چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے۔ فوجیں چڑھا لاتے اور لوٹ مار کر کے چلے جاتے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے یہ شرارتیں کیا کرتے تھے۔ ان سے مسلمانوں کی ایک مشہور لڑائی بھی ہو چکی تھی۔ اس لڑائی میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تین پیارے ساتھی شہید ہوئے تھے۔ ایک زید بن حارثہ۔ دوسرے جعفر طیار اور تیسرے عبداللہ بن رواحہ۔ یہ تینوں پیارے ساتھی بڑے بہادر بھی تھے اور پیارے رسولؐ ان سے محبت بھی کرتے تھے۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کی شرارتوں کو روکنے کے لیے حضرت زید بن حارثہ کے نوجوان بیٹے حضرت اسامہ بن زید کو ایک لشکر کے ساتھ شام کی طرف جانے کا حکم دیا تھا۔ ابھی یہ لشکر مدینے سے نکلا ہی تھا کہ پیارے نبیؐ کی وفات ہو گئی اور اُسامہؓ ٹھہر گئے۔

دیکھا آپ نے! جب حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ اول ہوئے تو اسلامی حکومت کیسے خطرے میں تھی۔ ایک طرف اپنے کو نبی کہلوانے والے وہ جھوٹے اور مکار تھے جو لشکر لیے مدینے کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے دوسری طرف وہ شریر اور لالچی مسلمان تھے جنھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا

تیسری طرف مدینے کے آس پاس کے لوگ تھے جن سے مدینے کے منافق ملے ہوئے تھے اور اُنھیں شرارت پر اُکسایا کرتے تھے۔ اور شام کی طرف عیسائی بادشاہ اسلامی حکومت کو کسی طرح بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

صدیقی تدبیریں

ان سارے خطروں کا مقابلہ کرنے کے لیے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیارے رسول ؐ کے پیارے ساتھیوں کو بلایا اور اُن سے رائے لی کہ کیا کرنا چاہیئے؟۔ صحابہ (پیارے رسول کے پیارے ساتھیوں) نے رائے دی کہ اس وقت سارے عرب میں لوگ اسلام اور اسلامی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے حضرت اُسامہ رض کو اس وقت روک لیا جائے اور اسی فوج سے دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ جب عرب کا فساد مٹ جائے تو عیسائی بادشاہ سے نبٹ لیا جائے گا۔

ان صحابہ رض کی اس بات کا جواب حضرت ابوبکر صدیق رض نے جو کچھ دیا وہ سُننے کے لائق ہے اور اس میں ایمان بڑھانے والی اور نصیحت والی بات ہے۔ فرمایا۔ "خدا کی قسم! جس کے قبضے میں میری

جان ہے۔ چاہے مدینہ خالی ہو جائے اور میں اکیلا ہی رہ جاؤں اور شیر اور بھیڑیئے اور کتے میرے جسم کی بوٹیاں نوچ کھائیں پھر بھی میں اُسامہؓ کو نہ روکوں گا کیونکہ اُسامہ کو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر دے شام کی طرف روانہ کیا تھا۔ (مطلب یہ کہ جو کچھ پیارے رسولؐ نے حکم دیا ہے اس کے خلاف نہ کروں گا) اس کے بعد اسلامی جھنڈے کی طرف اشارہ کرکے بڑے جوش کے ساتھ فرمایا "خدا کی قسم! جس جھنڈے کو اللہ کے نبی نے لہرایا ہے، اُسے میں کسی طرح بھی نہ لپیٹوں گا"۔

تمام صحابہ سناٹے میں آگئے۔ پھر ایک صاحب نے رائے دی کہ "اچھا اگر آپ اس لشکر کو بھیجنا ہی چاہتے ہیں تو اس کا افسر نوجوان اُسامہ کو نہ بنایئے، کسی تجربہ کار اور بڑی عمر کے شخص کو سپہ سالاری دیجئے"۔ یہ سُنکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا۔ فرمایا کہ پیارے رسولؐ نے تو اُسامہ کو اس لشکر کا امیر بنایا اور تم کہتے ہو کہ میں اُسامہ کو افسر نہ بناؤں۔ (میں ہرگز پیارے رسولؐ کے حکم کو ٹال نہیں سکتا)۔

اس کے بعد یہ کہا گیا کہ اچھا اگر آپ یہی کرنے والے ہیں تو اس لشکر میں جو بڑے بڑے سمجھ دار اور نامی لوگ ہیں ان میں سے

کچھ لوگوں کو صلاح مشورے کے لیے روک لیجئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ رائے بھی نہیں مانی۔ فرمایا۔ پیارے رسولؐ نے جسے بھی اس لشکر کے ساتھ بھیجا ہے اُسے میں نہیں روک سکتا۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ وہ تمام لوگ اُسامہ کے ساتھ جائیں گے جن کا نام پیارے رسولؐ نے لیا ہے۔

اللہ اکبر! پیارے رسولؐ کے کیسے تابعدار تھے ابوبکر صدیقؓ حضورؐ کے حکم کے خلاف ذرا سی بات بھی کرنے پر راضی نہیں۔

فوج چلی تو حضرت اُسامہؓ اپنے والد حضرت زیدؓ کے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ پیدل ان کے ساتھ چلے تو حضرت اُسامہ نے گھبرا کر عرض کیا۔ "اے مسلمانوں کے خلیفہ! یا تو آپ سوار ہو جائیں یا پھر میں سواری سے اترتا ہوں"۔

"نہ، ہرگز نہیں! میں ہرگز سوار نہ ہوں گا اور تم کو خدا کی قسم ہے، سواری سے مت اُترنا، میں چاہتا ہوں کہ تھوڑی دور پیدل چلوں اور گرد میرے پاؤں پر پڑے۔ (معلوم ہے!) اللہ کے سپاہی کے ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں"

یہ تھا جواب خلیفہ اول کا۔ اس لشکر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ تھے۔ تھوڑی دور چل کر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ نے حضرت اُسامہ رضؓ سے کہا "اگر تم اجازت دو تو میں صلاح مشورے کے لیے عمر رضؓ کو اپنے پاس رکھ لوں"

حضرت اسامہ رضؓ نے نہایت خوشی سے اجازت دے دی اور اس لشکر کے صرف ایک سپاہی حضرت عمر رضؓ رُک گئے لوگ حیران تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ اول نے یہ کیا کیا۔ مدینے کے چاروں طرف خطرہ ہی خطرہ ہے۔ فسادی حملہ کرنے پر تُلے ہیں۔ بہت سے لوگ زکوٰۃ نہیں دے رہے ہیں۔ ایسے وقت میں اللہ کے بہترین سپاہیوں کو مدینے سے کوسوں دور بھیج دیا۔

حضرت ابوبکر یہ سب سُنتے اور صبر کرتے۔ لیکن اس سے زیادہ سچی اور پکی بات یہ ہے کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول ؐ کے حکموں پر چلنے کے لیے جم جاتا ہے۔ اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ اب دیکھیے جس وقت حضرت اُسامہ رضؓ اسلامی لشکر کو لے کر مدینے سے نکلے اور یہ خبر چاروں طرف پھیلی تو اللہ کی طرف سے دشمنوں کے دلوں پر رُعب چھا گیا۔ وہ یہ سمجھے کہ جب ایسی فوج اتنی دور بھی جا سکتی ہے تو مدینے میں خلیفہ کی اصل فوج نہ جانے کتنی ہو۔ تو ہوا یہ کہ وہ چاروں مکّار اور جھوٹے اور چالاک جو اپنے کو نبی کہلوا رہے تھے اور فوجیں لیے مدینے آرہے تھے، اپنی اپنی جگہ رُک گئے اور یہ سوچنے لگے کہ اسامہ کی لڑائی کا حال دیکھ لیں

کہ کیا ہوتا ہے، اس کے بعد سمجھ بوجھ کر اور اپنا لشکر بڑا کر کے مدینے پر حملہ کریں گے۔ جب تک اُسامہ کی لڑائی ختم ہو ، اس وقت تک اپنی طاقت بڑھا لیں ہتھیار اور سامان بڑھا لیں۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں سے لڑائیاں

یہ تو ان چاروں مکاروں نے سوچا اور راستہ ہی میں رُک گئے یہاں حضرت ابوبکر رض نے یہ کیا کہ بچے کھچے مسلمانوں کی ایک فوج ساتھ لی اور مدینے کے آس پاس کے شریروں کو سزا دینے کے لیئے نکل پڑے لیکن صحابہ رض نے پھر ٹوکا۔ انھوں نے کہا۔

" اے مسلمانوں کے خلیفہ! جو لوگ مسلمان ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں لیکن زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے ہیں، ان پر آپ حملہ کیسے کر سکتے ہیں، یہ بات تو ٹھیک نہیں۔ نبی نے فرمایا ہے کہ جو لوگ کلمہ پڑھ لیں تو ان کی جانیں اور ان کا مال محفوظ ہے ہاں اگر ان پر کسی کا حق نکلتا ہے تو بات دوسری ہے۔

اس کا جواب حضرت ابوبکر رض نے یہ دیا کہ "خدا کی قسم! جو لوگ پیارے نبی کے زمانے میں اونٹ کے پیر باندھنے کی رسی بھی دیتے

تھے اگر اسے دینے سے انکار کریں گے تو میں اُن سے لڑوں گا" یہ کہکر ایک زوردار تقریر کی اور سمجھایا کہ زکوٰۃ کا حکم اللہ نے دیا ہے اور یہ بندوں کا حق ہے اور قرآن میں جس طرح اُس کے خرچ کرنے کا حکم آیا ہے اُس طرح خرچ ہونا چاہیئے، جو شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرتا ہے وہ اللہ کے حکم کو رد کرتا ہے، بندوں کا حق مارتا ہے اور قرآن کے حکموں کو ٹالتا ہے۔

اس طرح حضرت ابوبکر رضؓ نے تقریر کی تو بات لوگوں کی سمجھ میں آگئی۔ حضرت عمر رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ تقریر سُنکر سمجھ لیا کہ اسلام اور قرآن جتنا ابوبکر رضؓ سمجھتے ہیں اتنا ہم میں سے کوئی نہیں سمجھتا۔

اب مدینے کے سارے مسلمان اللہ کے حکم کے مطابق اپنے خلیفہ کے ساتھ ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینے کی حفاظت کا انتظام کرکے صبح ہی صبح نکلے اور مدینے کے آس پاس جو دشمن جمع ہو رہے تھے اُن پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر آس پاس کے وہ سچے اور وفادار مسلمان جو فسادیوں سے ڈرے اور سہمے ہوئے تھے اور فسادی اُن سے زکوٰۃ مانگ رہے تھے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے تھے، تلواریں سونت کر نکل آئے۔ انھوں نے خلیفہ کا ساتھ دیا۔ فسادیوں سے لڑے بھی اور زکوٰۃ بھی ادا کی۔ یہ دیکھ کر فسادیوں نے کچھ اور سچے مسلمانوں کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ یہ خبر حضرت ابوبکر رضؓ کو پہونچی تو آپ نے ان مسلمانوں کا بدلہ لینے کی قسم

کھائی ۔ یہ حادثہ ذوالقصہ کے مقام پر پیش آیا۔ آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ذوالقصہ پر حملہ کر دیں اور خود آگے بڑھے تو بڑے بڑے سمجھدار صحابہؓ نے عرض کیا " اے مسلمانوں کے خلیفہ! آپ اس طرح آگے نہ بڑھیں اور اپنے کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ آپ تو مدینے میں بیٹھ کر انتظام کریں ہم جان دینے کے لیے حاضر ہیں۔ اگر (خدا نہ کرے) آپ کی جان کو کچھ نقصان پہنچا تو اسلامی حکومت کا انتظام ہی بگڑ جائے گا۔ آپ مدینے میں جمے رہیں گے تو دشمن پر رعب چھایا رہے گا۔ آپ کسی دوسرے کو سردار بنا کر بھیجیے۔"

حضرت علی رضؓ نے تو محبت کے مارے خلیفہ کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور بولے " اے پیارے رسولؐ کے پیارے خلیفہ! آپ کہاں جا رہے ہیں۔ میں اس وقت آپ سے وہی کہوں گا جو اُحد کی لڑائی میں پیارے نبیؐ نے آپ سے کہا تھا کہ اپنے کو خطرے میں نہ ڈالیے، آپ تلوار کو میان میں کیجیے۔ مدینے میں بیٹھ کر انتظام فرمایئے۔"

کامیابیاں

خدا کی قدرت! کہ اُسی زمانے میں حضرت اُسامہ اپنی لڑائی

جیت کر بڑے ٹھاٹ سے واپس آ گئے ۔ اُن کے ساتھ بہت سا مال غنیمت تھا۔ اُن کے آنے کی خبر ہوئی تو مدینے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خلیفۂ اول حضرت ابو بکر رضؓ، تمام صحابہ اور عورتوں نے بھی بڑھ کر حضرت اُسامہ کا استقبال کیا۔ جس وقت اُسامہ رضؓ مدینے میں داخل ہوئے تو وہ اپنے باپ کے گھوڑے پر سوار تھے ۔ اسلامی جھنڈا حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا جو ہوا سے لہرا رہا تھا ۔ یہ وہی جھنڈا تھا جسے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لہرایا تھا اور حضرت اُسامہ رضؓ کو دیا تھا۔ اسی کے بارے میں حضرت ابو بکر رضؓ نے فرمایا تھا کہ خدا کی قسم! "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لہرائے ہوئے جھنڈے کو ہرگز نہ لپیٹوں گا"

اس فتح پر کچھ بڑے بڑے صحابہ رضؓ جوش میں آ کر پکار اُٹھے "خدا کی قسم! اگر ابو بکر رضؓ خلیفہ نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ ہوتی"۔ مدینے میں یہ خوشی تھی اور عرب کے جس شخص نے یہ خبر سُنی اس پر رُعب چھا گیا۔ یہ سب اللہ کی طرف سے ہوا اور اللہ اسی کی مدد کرتا ہے جو اس کے حکموں پر اس طرح چلتا ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا، سکھایا اور کر کے دکھایا اور اللہ کے نبیؐ کے حکموں پر ابو بکر رضؓ چلے۔ پہلی اور بڑی کامیابی اللہ نے عطا فرمائی۔

حضرت اُسامہ رضؓ کے آجانے سے مسلمانوں کے حوصلے اور بڑھے حضرت

ابوبکرؓ نے حضرت اُسامہ رضؓ کو مدینے کا انتظام سونپا اور کہا کہ تم تستالیواس کے بعد ایک اچھی سی فوج لے کر ذو القصہ کے شریروں پر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کو قتل کرنے کا بھرپور بدلہ اُن سے لیا۔ پھر دوسرے شریروں اور فسادیوں کو سزا دے کر اُن کے خطرے کو دُور کیا اور جب اطمینان ہو گیا تو مدینہ واپس آئے۔

جھوٹے نبیوں کی سرکوبی

مدینے کے آس پاس جب انتظام ٹھیک ہو گیا تو اب حضرت ابوبکرؓ نے چاروں جھوٹے نبیوں اور ان لوگوں کی طرف توجہ دی جنھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا یا جو اسلام سے پھر گئے تھے یعنی مُرتد ہو گئے تھے۔

ان سب کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے گیارہ جھنڈے بنائے۔ گیارہ فوجیں تیار کیں اور پھر اُن کے گیارہ افسر چُنے۔ ان افسروں کو ایک ایک جھنڈا دیا اور دشمنوں کی طرف روانہ کرنا شروع کر دیا جس افسر کو اسلامی لشکر کے ساتھ بھیجتے اُسے بڑی اچھی اچھی نصیحتیں کرتے۔ سمجھاتے کہ دیکھو جس سے جو وعدہ کرنا، اُسے ضرور پورا کرنا، بچوں، بُوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ جھوٹ نہ بولنا، خیانت نہ کرنا۔ جتنی ضرورت

ہو، اس ضرورت کے مطابق اونٹ، بکری وغیرہ ذبح کرنا۔ جس قوم سے جنگ کرنا، پہلے اُسے سمجھاتا، جس سے ملنا اُس کی عزت اور اس کی بزرگی کا خیال کرنا۔ جب کھانا کھانا تو بسم اللہ ضرور پڑھ لینا۔ دوسرے مذہب کے جو لوگ اپنے اپنے گرجا گھروں یا مندروں میں اپنے خدا کی عبادت میں لگے ہوں۔ اُن کو نہ چھیڑنا اور ان تمام باتوں کا خیال رکھنا جن کے کرنے کا حکم اللہ کے رسولؐ نے دیا۔ نہ کمی کرنا نہ زیادتی کرنا۔ اب جاؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔

اس طرح کی اور بہت سی نصیحتیں کر کے اپنے گیارہ سرداروں کو مدینے سے دُور بھیج دیا اور انتظام ایسا کیا کہ دن دن کی خبریں آتی رہیں یہ فوجیں روانہ ہوئیں۔ خدا کی مدد ان کے ساتھ تھی۔ اللہ نے ہر جگہ ان کو فتح دی دشمن ہارے۔ دو جھوٹے نبی مسیلمہ کذّاب اور اسود عنسی قتل ہوئے۔ طلحہ ہارا تو بھاگا اور پھر سچے دل سے مسلمان ہو گیا۔ وہ مکّار عورت سجاح جس نے اپنے کو نبی کہا تھا۔ وہ بھی بھاگی اور اپنے وطن میں جا کر گھر بیٹھ رہی اور پھر مسلمان ہو گئی۔ اللہ نے ان سب کا قصہ پاک کیا۔

اَب اِیران اور شام

وہ لوگ بھی اسلامی فوجوں کا مقابلہ نہ کرسکے جو مدینے سے دور رہتے تھے اور جنھوں نے زکوٰۃ بھیجنے سے انکار کیا تھا۔ اسلامی حکومت کے اندر اس فساد کو دور کرنے میں حضرت ابوبکر رضؓ کو پورا ایک سال بیت گیا۔ اس کے بعد آپ نے اسلامی حکومت کی سرحدوں کے پاس؎ والی حکومتوں کی طرف دھیان دیا۔ شام کی سرحد پر حضرت اُسامہ رضؓ کے ہاتھوں عیسائی بہت بُری طرح ہار چکے تھے لیکن بار بار اسلامی حکومت میں گھُس آتے اور لُوٹ مار کرکے واپس چلے جاتے۔ یہی حال دوسری طرف ایران کی سرحد پر ایرانی کر رہے تھے۔ شام کی طرف عیسائیوں کی رومی سلطنت اور ایران کی طرف ایرانی سلطنت دونوں بہت بڑی سلطنتیں تھیں ان کے بار بار حملوں کی خبر حضرت ابوبکر رضؓ کو ہوئی تو آپ نے تمام صحابہ رضؓ کو جمع کیا اور ایک زوردار تقریر فرمائی۔ تقریر میں کہا۔

”میں چاہتا ہوں کہ سرحد پر جو لوگ اسلامی حکومت میں گھُس کر مسلمانوں کو پریشان کرتے ہیں، ان سے جہاد کروں

اس جہاد میں جو مارا جائے گا وہ شہید ہوگا۔ شہیدوں کے
لیے اللہ کے یہاں جو بڑا ثواب ہے وہ اس دنیا سے بہت
اچھا ہے اور جو زندہ بچے گا وہ اللہ کی راہ میں مدد دینے والا
"غازی" کہلائے گا۔ اللہ اُسے وہ ثواب دے گا جو اللہ
کے سپاہیوں (مجاہدین) کو ملے گا۔ یہ میری رائے ہے۔
اب آپ لوگ اپنی رائے دیجئے"۔

یہ تقریر سنکر تمام صحابہؓ نے مدد کا وعدہ کیا اور ایسی ہی تقریریں کیں سب نے کہا "آپ نے جو کچھ سوچا ہے، وہ کیجئے، ہم سب آپ کا کہنا مانیں گے ہم جانتے ہیں کہ آپ جو کچھ سوچتے ہیں، ٹھیک سوچتے ہیں۔ ہم آپ کے خلاف کام نہ کریں گے۔ آپ کی رائے بہت پکی ہوتی ہے، اس میں شک بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

تمام صحابہؓ نے مدد کا وعدہ کیا تو دونوں سرحدوں کی طرف بھیجنے کے لیئے فوجیں تیار کیں۔ ان کے لیئے افسر مقرر کیے۔ ان افسروں کو بہت اچھی نصیحتیں کیں۔ اس کے بعد اللہ کے بھروسے پر شام اور ایران کی طرف بھیج دیا۔ اسلامی فوجوں نے عیسائیوں اور ایرانیوں کی سلطنت کے اندر قدم رکھا وہاں کے حاکموں کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور انھیں اسلام کی طرف بلایا۔ وہ نہ مانے تو باقاعدہ لڑائیاں ہونے لگیں۔

وفات

یہ لڑائیاں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک دن اتوار کو جب کہ جمادی الاُخریٰ ۱۳ھ کی ، تاریخ تھی ۔ سردی کا زمانہ تھا ۔ حضرت ابوبکر رضی نے غسل کیا ہونے والی بات ۔ ٹھنڈ لگ گئی ۔ پھر بخار آگیا ۔

بخار کی حالت میں بھی برابر اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے بارے میں سوچتے رہے ۔ تمام صحابہؓ آپ کی بیماری سے گھبرا گئے ۔ آپ کو کام سے منع کیا اور پوچھا کہ "آپ نے کسی حکیم کو دکھایا ؟" ۔ فرمایا " ہاں میرا حکیم مجھے دیکھ رہا ہے " ۔ پھر پوچھا گیا " تو حکیم نے کیا بتایا ؟ " فرمایا " حکیم کہتا ہے کہ جو میں چاہتا ہوں کرتا ہوں ۔

یہ جواب سُن کر لوگ سمجھ گئے کہ اس حکیم سے مطلب اللہ تعالیٰ ہے اور حضرت ابوبکر رضہ اللہ کی مرضی پر صابر اور شاکر ہیں ۔ حضرت عثمان غنیؓ آپ کے پڑوسی تھے ۔ سب سے زیادہ تیمارداری اُنہی نے کی ۔ جب خلیفۂ اول کو موت کا یقین ہو گیا تو سوچنے لگے کہ اب خلیفہ کسے بنائیں ۔ اُن کے بیٹے موجود تھے ۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ بہت بہادر صحابی تھے ۔ لیکن

ابوبکر رض نے اپنے گھر والوں کے بارے میں نہیں سوچا۔ اسلامی حکومت کسی کے گھر کی جائداد نہیں ہوتی اور نہ بادشاہت کا طریقہ اس میں چلتا ہے کہ باپ کے بعد بیٹے جائداد پائیں یا بادشاہ ہوں۔ اسلامی حکومت کا کام تو ایسے مسلمان کے سپرد کیا جاتا ہے جو علم میں سب سے زیادہ ہو۔ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو اور سب سے زیادہ سوجھ بوجھ کا مالک ہو۔ انہی باتوں کو سامنے رکھ کر صحابہ پر نظر ڈالی۔ وہ تمام صحابہؓ میں حضرت عمر رض کو بہت زیادہ قابل اور بہتر آدمی سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کے بارے میں پیارے ساتھیوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ ایک بڑے صحابی عبدالرحمٰن بن عوف رض تھے ان سے عمر رض کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ ہر بات میں وہ ہم سب سے اچھے ہیں، ہاں ذرا تیز مزاج کے ہیں۔ حضرت عثمانؓ سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ عمر رض کے برابر ہم میں کوئی نہیں اور جیسے وہ نظر آتے ہیں دراصل اس سے اچھے ہیں۔ ایسی ہی رائیں اور بہت سے صحابہ نے دیں۔ حضرت عمر رض کی تیز مزاجی کے بارے میں کئی صاحب نے کہا۔ جب یہ تمام رائیں معلوم ہو گئیں تو فرمایا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا۔ آپ نے فرمایا۔ "عمرؓ کی تیزی اس لیے ہے کہ میں نرم ہوں۔ جب اسلامی حکومت کا بوجھ سر پر پڑے گا اور وہ

ذمہ دار ہوں گے تو نرم پڑ جائیں گے۔ اور دیکھو، تم مجھے عمرؓ کی تیز مزاجی کے بارے میں ڈراتے ہو تو سنو، جب میں اپنے رب سے ملوں گا اور وہ مجھ سے پوچھے گا تو جواب عرض کروں گا کہ اے میرے رب! میں نے تیرے بندوں میں سے سب سے اچھے انسان کو خلیفہ بنایا تھا۔"

وصیّت

اس کے بعد حضرت عثمان رضؓ سے حضرت عمر رضؓ کے خلیفہ بنانے کی وصیت لکھوائی۔ پھر مدینے کے سارے لوگوں کو بلوایا۔ انھیں وہ وصیت سنائی۔ اس کے بعد کہا کہ دیکھو، میں نے عمر رضؓ کو خلیفہ بنایا ہے وہ نہ میرے گھرانے کے آدمی ہیں اور نہ رشتہ دار ہیں (بلکہ تم میں سب سے اچھا سمجھ کر عمر کو خلیفہ بنایا ہے) کیا تم انھیں خلیفہ مانو گے؟ - مدینے کے سارے مسلمانوں نے کہا کہ آپ کے بعد ہم عمر رضؓ کو خلیفہ مانتے ہیں۔

یہ ہو چکا تو حضرت عمر رضؓ کو اپنے پاس بلایا۔ بٹھایا اور دیر تک اسلامی حکومت کے بارے میں اونچ نیچ سمجھاتے رہے، اللہ سے ڈرتے رہنے اور پیارے رسول کی پوری پوری پیروی کرنے کی نصیحت کرتے رہے۔ پھر آخرت کے حساب اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور مومن کو اللہ جو نعمتیں عطا فرمائے گا، اس کے بارے میں بھی کہا۔ آخر

میں فرمایا کہ ہر وقت موت کو یاد رکھنا۔

حضرت عمرؓ کو نصیحت کر چکے تو پیاری بیٹی ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اپنے بھائیوں اور بہنوں کا حق ادا کرتی رہنا۔ ۵ ہزار درہم (قریب قریب چھ روپے) مجھ پر قرض ہیں، وہ ادا کر دینا۔ اور یہ جو غلام ہے، یہ سرکاری کام سے میرے پاس تھا۔ اسے عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔ یہ اونٹنی بھی سرکاری ہے اور میرے جسم پر جو چادر ہے، وہ بھی بیت المال سے لی تھی یہ چیزیں بیت المال کو واپس کر دینا۔

آخر میں غلام سے پوچھا کہ میں نے خلیفہ ہونے کے بعد سے اب تک بیت المال سے کتنی رقم لی ہے۔ غلام نے حساب لگا کر بتایا۔ حکم دیا کہ یہ رقم میرا گھر بیچکر بیت المال میں واپس کر دی جائے، جس وقت سرکاری غلام، سرکاری اونٹنی، چادر (جو سوا سو روپے کی تھی) اور خلیفہ ہونے کے زمانے کی کل تنخواہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچی تو وہ دیکھ کر رونے لگے پھر بولے "ابوبکرؓ نے بڑے امتحان میں ڈال دیا۔ کون ان کی طرح کر سکے گا"۔

خلیفۂ اوّل کا کفن

دوشنبہ (پیر) کا دن آیا تو حضرت عائشہؓ سے پوچھا۔ "آج

کون سا دن ہے"۔ بتایا کہ دوشنبہ ہے۔ پھر پوچھا کہ پیارے رسول کی وفات کس دن ہوئی تھی؟" ۔ بتایا کہ دوشنبہ کے دن ۔ یہ سُن کر کہنے لگے امید ہے کہ آج ہی اللہ مجھے اپنے پاس بُلا لے گا ۔ اب یہ بتاؤ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟ حضرت عائشہ رضؓ نے بتایا کہ تین کپڑوں میں ۔

اس وقت خلیفۂ اول کے جسم پر دو پُرانے اور پھٹے کپڑے تھے ۔ کہنے لگے کہ دو کپڑے تو یہ ہیں تیسرا بازار سے منگوا لینا ۔ حضرت عائشہ رضؓ رو کر بولیں ۔" ابا جان! ہم تینوں نئے کپڑے منگوا سکتے ہیں"۔ فرمایا کہ نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار مُردے نہیں بلکہ زندہ لوگ ہیں ۔ قبر کے کیڑے مکوڑوں اور لہو پیپ کے لیے یہی پُرانے کپڑے ٹھیک ہیں

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنی موت کے بارے میں جو اندازہ لگایا، وہ ٹھیک نکلا ۔ اسی دن مغرب اور عشاء کے درمیان انتقال فرمایا اِس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال[1] کی تھی ۔ وفات کی خبر مدینے والوں کو معلوم ہوئی تو جس نے سُنا وہ رونے لگا ۔ کہتے ہیں کہ لوگوں کو اس طرح کا دکھ اور

---

[1] یہ عجیب بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بھی وفات کے وقت ۶۳ سال کی تھی ۔ آپ نے بھی دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا ۔

رنج ہوا جس طرح پیارے رسولؐ کی وفات کے وقت ہوا تھا مدینے والوں نے اپنے پیارے خلیفہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس لے جاکر دفن کیا حضرت ابو بکر صدیقؓ بچپن سے پیارے رسولؐ کے ساتھ رہے۔ مرنے کے بعد حضورؐ ہی کے پاس جگہ ملی۔

خراجِ عقیدت

حضرت عائشہؓ نے بڑے صبر سے کام لیا۔ باپ کی وفات کے بعد فرمایا کہ ابا جان نے دنیا سے منھ موڑا تو اُسے ذلیل کر کے چھوڑا۔ آخرت کی طرف منھ کیا تو اُسے عزت دی۔ پیارے رسولؐ کے بعد یہ ہم پر بہت بڑا دکھ آ پڑا ہے۔ لیکن قرآن کریم ہمیں صبر کی تعلیم دیتا ہے۔ صبر کا ثواب بہت بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے صبر دے۔

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ کے خلیفہ نے مرنے کے بعد اُمت کو بڑی مشقت میں ڈال دیا۔ اُن کے برابر ہونا تو دور رہا اب تو کوئی ایسا نہیں جو ان کی گرد کو پاسکے۔"

حضرت علی رضؓ نے تو خلیفہ اول کی خوبیاں گنانے ہوئے بہت بڑی تقریر کر ڈالی۔ تقریر بھی ایسی جیسے حضرت ابو بکر رضؓ سامنے ہوں اور ان سے

کہہ رہے ہوں۔ فرمایا کہ "اے ابوبکر رضؓ آپ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے۔ آپ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پیارے تھے۔ آپ سب سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے۔ پیارے رسولؐ آپ سے سکھ ملا۔ پیارے رسولؐ کو آپ پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ پیارے رسولؐ آپ کو سارے بھید بتا آپکو بتادیا کرتے اور آپ سے مشورہ کرتے تھے۔ آپ آپ پیارے رسولؐ کو بڑی اچھی رائے دیتے تھے۔ آپ اسلام میں ہم سب سے آگے رہے۔ آپ کے ایمان میں ذرا بھی کھوٹ نہیں۔ آپ کو اللہ اور پیارے رسولؐ پر پورا پورا الیقین رہا۔ آپ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ اللہ کے دین کے لیے آپ نے بڑے بڑے دُکھ جھیلے، سب سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے اور سب سے اچھے ساتھی بھی۔ آپ ہمارے بڑے ہمدرد ساتھی اور آپ ہمارے لیے برکت والے تھے ہم سب سے آپ کا درجہ بہت بلند تھا اور بڑائی میں بھی سب سے زیادہ تھے۔ آپ کے طور طریقے پیارے رسولؐ کے طور طریقوں سے پورے پورے ملتے تھے۔ پیارے نبیؐ بھی آپ کو سب سے زیادہ بڑا اور بزرگ مانتے تھے اور حضورؐ کے نزدیک بھی آپ کا مرتبہ بہت بڑا تھا۔

اے ہمارے بزرگ ساتھی! اللہ تعالےٰ آپ کو آپ کی نیکیوں کا اچھا بدلہ دے۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کان اور آنکھ کا درجہ

رکھتے تھے یعنی آپ جو کچھ دیکھتے اور سُنتے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تو حضورؐ جھٹ مان لیتے۔ آپ نے حضورؐ کے نبی ہونے کی تصدیق اس وقت کی جب دوسرے لوگ جھٹلا رہے تھے اُسی وقت اللہ تعالےٰ نے آپ کو "صدیقؓ" فرمایا۔ آپ نے حضورؐ کے ساتھ اُس وقت ہمدردی کی جب لوگ حضورؐ کو چھوڑ بیٹھے تھے۔ آپ نے بڑی ہی مصیبت میں حضورؐ کے ساتھی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ آپ ہجرت کے وقت حضورؐ کے یارِ غار تھے۔ اور ان دو میں سے ایک تھے جن کے ساتھ اللہ تھا۔ آپ پیارے رسولؐ کے سچے خلیفہ تھے۔ اور آپ نے خلیفہ ہونے کا حق ادا کر دیا۔ آپ اسوقت بھی دین پر جمے رہے جب پیارے رسولؐ کے بعد عرب کے زیادہ تر لوگ دین سے پھر گئے تھے پھر آپ نے اس وقت ایسی مستعدی دکھائی جب ہم سب سُست پڑ رہے تھے، آپ اکیلے ان لوگوں سے لڑنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے جو بھیڑیے ہو رہے تھے۔ آپ نے اس وقت بڑی مضبوطی دکھائی جب دوسرے لوگ کمزور ہو رہے تھے۔ آپ کو ہم سب نے اپنا خلیفہ مان لیا۔ حالانکہ منافقوں اور حسد کرنے والوں اور کافروں کو بہت بُرا لگا۔ آپ اُس وقت حق پر ڈٹے رہے جب دوسرے لوگ ڈر رہے تھے۔ آخرکار ہم نے آپ کی تابعداری کی اور آپ ہی کی رائے

اثر بہت زیادہ ہوتا تھا۔ آپ کی ہر بات جچی تلی اور رائے پکی ہوتی تھی۔ ہم سب سے اچھا بولتے اور تقریر کرتے اور ہم سب سے زیادہ بہادر تھے الجھی ہوئی باتوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لیتے اور پھر سلجھا دیتے۔

اے ہمارے بزرگ ساتھی! خدا کی قسم آپ دین کے سردار تھے جب دوسرے لوگ دین میں پیچھے تھے تو آپ آگے آگے رہے۔ پھر جب لوگ دین کی طرف بڑھے تو آپ نے ان کو آگے بڑھا دیا۔ آپ ہم سب مسلمانوں کے لیے باپ کی طرح مہربان رہے۔ مسلمان اپنی کمزوری کی وجہ سے جو کام نہ کر سکے۔ آپ نے وہ کام کر دیا۔ پھر مسلمانوں نے اگر کوئی نیکی چھوڑ دی تو آپ نے اس نیکی کی طرف ان کی دلچسپی بڑھائی۔ جب وہ ہمت ہار گئے تو آپ نے ان کی ہمت بندھائی۔ مسلمان جب گھبرا گئے تو آپ نے ان کی مدد کی۔ مسلمانوں نے جب مدد کے لیے پکارا تو آپ دوڑ پڑے پھر ہم نے یہ پھل پایا کہ ہم نے آپکی ہر رائے کو مان لیا اور ہمیں کامیابی ہوئی آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے وہ کچھ دیا کہ ہم سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ آپ کافر دشمنوں کے لیے آگ اور انگارہ تھے اور مسلمانوں کے لیے مہربان۔ آپ اس چراغ کی طرح تھے جس کی لو کو آندھیاں بجھا نہ سکیں۔ پیارے رسول ؐ نے آپ کے بارے میں سچ فرمایا تھا کہ آپ کا جسم تو کمزور ہے لیکن آپ خدا کے معاملے میں بہت زیادہ طاقت ور ہیں، آپ بھائیوں

کی خاطر کرنے والے، لوگوں کی نظروں میں بڑے۔ دوسروں کا حق دلانے والے، سب کے لیے یکساں برتاؤ کرنے والے، بڑے سچے، بڑے نرم دل اور نیک تھے۔ آپ کی بدولت اللہ نے اسلام اور مسلمانوں کو مضبوطی دی۔ اللہ کا دین غالب ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی جدائی سے ہمارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہے لیکن ہم آپ پر رونے کے بدلے فخر کرتے ہیں۔ ہم سب اللہ کیلئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔ ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں۔ خدا کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم پر ایسی کوئی مصیبت نہیں پڑی جیسی مصیبت آج آپ کی موت سے پڑی۔ آپ تو ہمارے لیے تو ایک قلعہ تھے جس میں ہم چین سے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملائے۔ ہم کو ہمارے صبر کا ثواب عطا فرمائے اور ہمیشہ اسلام پر قائم رکھے۔

حضرت علی رضؓ کی یہ تقریر بہت لمبی ہے۔ ہم نے اسے کم کر دیا ہے۔

حضرت علی رضؓ کی تقریر ختم ہوئی تو لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ سب نے کہا۔ "اے علی! اے پیارے رسولؐ کے داماد آپ نے سچ کہا۔"

کچھ اور خاص باتیں

گزر بسر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو ساتھ ہی اپنا روزگار (کپڑا بیچنے کی تجارت) بھی کرتے تھے۔ ایک دن کپڑوں کی گٹھری لادے بازار جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت عمر رضؓ ملے۔ انھوں نے کہا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"۔ فرمایا "بازار جا رہا ہوں" حضرت عمر رضؓ نے پھر کہا "اگر آپ خلیفہ ہونے کے ساتھ یہ بھی کریں گے تو اسلامی حکومت کا کام کیسے چلے گا؟"۔ بولے "کیا کروں۔ بال بچوں کو پالنا بھی فرض ہے"۔

یہ سُنکر حضرت عمر رضؓ نے کہا "اچھا میرے ساتھ ابو عبیدہ رضؓ (اسلامی خزانے کے خزانچی) کے پاس چلیے۔ حضرت ابو بکر رضؓ ان کے ساتھ ہو لیے۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت عمر رضؓ نے کہا "اے اُمت کے امین! (یہ حضرت ابو عبیدہ کا لقب تھا اور پیارے رسول ؐ نے یہ لقب دیا تھا) یہ دیکھو، مسلمانوں کے خلیفہ ہیں اور بازار

جارہے تھے"۔

حضرت عمر رضؓ نے اتنا ہی کہا لیکن ابو عبیدہ رضؓ نے مطلب سمجھ لیا بولے" میں خود یہی چاہتا ہوں کہ خلیفہ کے لیے بیت المال سے کچھ مقرر کردوں مگر سوچ رہا تھا کہ کوئی آکر مجھ سے کہے"۔

اس کے بعد ابو عبیدہ رضؓ نے خلیفہ کے لیے اتنا روزینہ مقرر کردیا جسمیں ایک عام آدمی گذر کر سکے اور ایک غلام مدد کے لیے دے دیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے اب تجارت چھوڑ دی اور روزینہ پر بسر کرنے لگے۔ یہ رقم اتنی کم تھی کہ مشکل سے بسر ہوتی۔ حضرت ابو بکر رضؓ کو کھانے کی ایک چیز بہت پسند تھی۔ بیوی نے پیسہ پیسہ بچا کر ایک دن وہ چیز پکا کر کھلائی۔ آپ نے پوچھا" یہ کہاں سے آئی میری تنخواہ تو اتنی نہیں کہ اس میں یہ کھا سکوں" بی بی صاحبہ نے حال بتایا تو وہ ساری چیز بیت المال میں بھجوا دی اور ابو عبیدہ رضؓ کو لکھ بھیجا کہ میرے روزینہ میں اتنی رقم کم کردیں کیونکہ میری بسر اتنی رقم کم کرنے پر بھی ہوسکتی ہے۔ پھر جب وفات کا وقت ہوا تو جتنی تنخواہ لی تھی۔ وہ بھی واپس کردی۔ اللہ اکبر!

رسُولؐ کا نائب

حضرت ابو بکر رضؓ اس درجہ بڑائی والے آدمی تھے کہ سارے مسلمان تو مسلمان خود نبی صلی اللہ

علیہ وسلم آپ کی عزت کرتے تھے۔ آپ جس طرف نکل جاتے لوگ ادب سے پیش آتے۔ آپ فرماتے۔ " لوگوں نے مجھے بہت زیادہ بڑھا دیا ہے"۔ پھر جب لوگ آپ کی تعریف کرتے تو فرماتے " میرا حال میرا اللہ بہتر جانتا ہے "۔ پھر خدا سے دعا کرتے۔ اے میرے رب! میرے گناہوں کو معاف کر دے اور یہ لوگ جو بڑھ چڑھ کر میری تعریف کرتے ہیں اس میں میری پکڑ نہ کرنا۔

ایک بار ایک آدمی نے آپ کو اللہ کا خلیفہ کہدیا تو آپ نے اس سے کہا " سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ کے سچے نائب تو اللہ کے نبی تھے۔ میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوں اور میرے لیے یہی بہت ہے"۔

نائب رسول ہوتے ہوئے بھی ذرا بھی غرور نہ تھا۔ جب فوج روانہ کرتے تو جسے فوج کا سپہ سالار بناتے اُسے سوار کر کے پیدل اس کے ساتھ چلتے۔ وہ بے چارا گھبرا کر کہتا " آپ سوار ہوں ورنہ میں بھی اُتر پڑوں گا"۔ یہ سنکر کہتے کہ میں ثواب کے لیے ایسا کر رہا ہوں۔

مدینہ میں ایک بوڑھیا تھی۔ بیمار اور اندھی بوڑھیا۔ حضرت عمرؓ صبح جا کر اس کا کام کر دیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد اُنھیں کچھ ایسا معلوم ہوا کہ کوئی اُن سے پہلے آکر بوڑھیا کا سارا کام کر جاتا ہے۔ حضرت عمر تاک میں رہے۔ آخر ایک دن دیکھ لیا۔ وہ حضرت ابوبکرؓ تھے جو

منھ اندھیرے ہی بوڑھیا کا کام کر جاتے تھے۔

مدینے میں ایک یتیم لڑکی تھی۔ خلیفہ ہونے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اس کی بکریوں کا دودھ دوھ دیا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ ہوئے تو وہ لڑکی کہنے لگی اب میری بکریوں کا دودھ کون دوہا کرے گا؟ بولے "میں"۔

زبان کی حفاظت

حضرت ابو بکر رضؓ اپنی زبان کی بڑی حفاظت کرتے تھے یعنی بہت سوچ سمجھ کر اور جانچ پڑتال کر بات کہتے تھے پھر بھی کبھی نہ کبھی کوئی ایسی بات زبان سے نکل جاتی کہ بے چارے بہت پچھتاتے تھے۔ توبہ کرتے۔ اور معافی مانگتے

ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت ربیعہ رضؓ سے کسی بات پر بات بڑھ گئی۔ حضرت ابوبکر رضؓ کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل گئی جس سے خود پچھتائے اب ربیعہ رضؓ سے جھگڑے کے بدلے ان سے کہنے لگے "تم بھی ایسی ہی بات مجھے کہہ لو تاکہ بدلہ ہو جائے۔ حضرت ربیعہ رضؓ بھی تو پیارے رسول صؐ کے پیارے ساتھیوں میں سے تھے وہ بدلہ لینے کے لیے تیار نہیں ہوئے حضرت ابوبکر رضؓ نے اُن سے کہا " اگر تم ویسی ہی بات نہ کہو گے تو میں پیارے رسول صؐ سے شکایت کروں گا"۔ حضرت ربیعہ رضؓ نے پھر بھی نہ کہا بلکہ یہ کہا کہ میں جس بات کے لئے جھگڑ رہا تھا، اس کو بھی

چھوڑتا ہوں۔ اب تو حضرت ابوبکر رضؓ پر بڑا اثر ہوا۔ پیارے نبیؐ کی طرف چلے۔ پیچھے پیچھے حضرت ربیعہ رضؓ بھی چلے۔ راستے میں ربیعہ رضؓ کے گھرانے اور محلہ والے ملے۔ انھوں نے کہا " واہ یہ بھی خوب ہے، خود ہی کڑوی بات کہیں اور خود ہی شکایت کرنے جا رہے ہیں۔" حضرت ربیعہ رضؓ نے اپنے لوگوں سے یہ سنا تو اُن سے کہا " خبردار! ان کے خلاف کچھ نہ کہو، چپ رہو، جانتے ہو، یہ پیارے نبیؐ کے یار غار ہیں۔ اگر انھوں نے تم کو دیکھ لیا تو انھیں غصہ آ جائے گا۔ ان کا غصہ پیارے نبیؐ کا غصہ ہے اور ان دونوں کے غصہ سے اللہ کا غصہ بھڑکتا ہے۔ خبردار۔ بھاگ جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابوبکر رضؓ کو ناراض کر کے میں تباہ ہو جاؤں۔"

حضرت ابوبکر رضؓ پیارے نبیؐ کے پاس پہنچے، سارا حال کہا۔ پیچھے سے ربیعہ رضؓ پہنچے۔ پیارے نبیؐ نے حضرت ربیعہ رضؓ کی بڑی تعریف کی۔ فرمایا " ربیعہ! تم نے بہت اچھا کیا کہ پلٹ کر ابوبکر (رضؓ) کو جواب نہیں دیا۔ اچھا اب تم یہ کہہ دو کہ " اے ابوبکر! اللہ تم کو معاف کرے "۔ حضرت ربیعہ رضؓ نے یہی کہہ دیا۔ حضرت ربیعہ رضؓ کی اس شرافت کے برتاؤ پر حضرت ابوبکر رو پڑے۔

اسی طرح ایک بار حضرت عمر رضؓ کو کوئی بات کہہ دی۔ پھر پچھتائے

اور عمر رضؓ سے معافی مانگنے لگے۔ حضرت عمر رضؓ کا غصہ ابھی دُور نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے معاف نہیں کیا اب تو حضرت ابو بکر رضؓ گھبرا کر پیارے رسولؐ کے پاس پہنچے۔ سارا حال کہا۔ حضورؐ نے کہا "گھبراؤ نہیں خدا تم کو معاف کر دے گا"۔

اِدھر حضرت عمر رضؓ کا غصہ دُور ہوا تو اب وہ پچھتانے لگے کہ معافی کیوں نہ دے دی۔ وہ حضرت ابو بکر رضؓ کے گھر کی طرف بھاگے ہوئے گئے۔ وہ گھر نہ ملے تو تلاش کرتے ہوئے حضورؐ کے پاس پہنچے۔ حضورؐ عمر رضؓ کو دیکھ کر غصے میں آ گئے۔ حضورؐ کو غصے میں دیکھا تو حضرت ابو بکر رضؓ کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں حضورؐ عمر رضؓ کو کچھ کہہ نہ دیں۔ جھٹ بول اُٹھے

"یا رسول اللہ! خدا کی قسم! غلطی میری تھی۔ میں نے عمر پر سختی کی تھی اور میں ہی ظالم تھا"۔ یہ جو ابو بکر رضؓ نے کہا تو حضورؐ کا غصہ دُور ہو گیا۔ پھر عمر رضؓ سے فرمایا "جب اللہ نے مجھے نبیؐ بنایا تو سب نے مجھے چھوڑ دیا لیکن ابو بکر رضؓ نے میری تصدیق کی۔ جان و مال سے میرا ساتھ دیا۔ کیا تم اُن کو مجھ سے چھڑا دو گے"۔

یہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن حضرت ابو بکر رضؓ سے ملنے گئے۔ دیکھا تو ابو بکر اپنی زبان پکڑے ہوئے اُسے کھینچ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضؓ نے کہا۔ "خدا آپ کو معاف کرے۔ ایسا نہ کیجئے" جواب دیا

"اسی زبان نے تو تباہ کیا ہے"۔

اللہ کا ڈر ذرا ذرا سی بھول پر حضرت ابوبکرؓ کو یہ جو کچھتاوا اور پریشانی ہوتی تھی وہ اس لیے تھی کہ وہ اللہ سے بہت ڈرتے تھے اور آخرت کے حساب سے بہت گھبرایا کرتے تھے۔ کبھی درخت کو دیکھتے تو کہتے "کیا اچھا ہوتا کہ میں درخت ہوتا۔ اونٹ اس کے پاس سے گزرتا اور مجھے چبا ڈالتا۔ مجھ سے آخرت میں پوچھ گچھ تو نہ ہوتی۔

ایک بار ایک درخت کی شاخ پر ایک چڑیا بیٹھی دیکھی۔ اُسے دیکھ کر کہنے لگے "اے چڑیا! تو بڑی ہی تقدیر والی ہے۔ تیرے لیے آخرت میں کوئی حساب کتاب اور پوچھ گچھ نہیں۔ کاش کہ میں بھی تیری طرح ہوتا اور تیری طرح جو چاہتا کرتا اور جو پھل کھانا چاہتا کھاتا اور جہاں جی چاہتا بیٹھتا۔ (مگر انسان ہوکر تو بڑی دیکھ بھال رکھنی پڑتی ہے۔ انسان کے لیے تو بڑی پابندیاں ہیں) لہ

ایک بار غلام نے کھانے کی کوئی چیز لا کر دی۔ آپ نے کھایا کھا کر پسند فرمایا۔ غلام کو شاباشی دی۔ پھر پوچھا۔ کہاں سے لائے؟ اُس نے کہا جب میں مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس وقت دھوکہ دے کر ایک شخص کو

لہ کتنی آسان تھی بے راہ روی اے ... راہ پر آئے تو چلنا ہمیں دشوار رہا

قرض دار بنالیا تھا۔ وہ آج رقم لے کر آیا تو میں یہ چیز پکا کر لایا" یہ سنتے ہی آپ نے منھ میں انگلی ڈال کر قے کر ڈالی۔ پھر فرمایا کہ حرام کھانے سے جو جسم پلتا ہے اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اسی طرح ایک بار ایسا ہوا کہ ایک گاؤں میں پہنچے۔ ایک بدّو کے گھر ٹھہرے۔ آپ کے ساتھ ایک اور بدّو تھا وہ بھی اسی گھر میں ٹھہرا۔ گھر والے کی بیوی کے بچّا ہونے والا تھا۔ ساتھ والے بدّو نے اُس عورت سے کہا کہ اگر تو بکری کا گوشت کھلائے تو بیٹا ہوگا۔ عورت نے اس شرط پر بکری کا گوشت کھلایا۔ کھانا کھا کر ابوبکر رض کو یہ شرط والی بات معلوم ہوئی تو گھبرا کر جھٹ قے کر ڈالی۔

ساتھ والے بدّو نے دو غلطیاں کیں اول تو اس کے بس میں نہ تھا کہ اس کے کہنے سے کسی کے بیٹا ہو۔ بیٹا بیٹی دینے والا اللہ ہے۔ اس طرح کی شرط کفر او شرک ہے۔ دوسری بات یہ کہ شرط لگا کر اس طرح کا معاملہ کرنا جُوا بھی ہے اور جُوا حرام ہے۔

قرآن میں ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ حضرت ابوبکر سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اسی لیے ان میں بہت سی خوبیاں پیدا ہوگئی تھیں کچھ تو ایسی خوبیاں تھیں کہ کوئی بھی

آپ کی تکبّر کا نہ تھا۔

ایک دن کی بات ہے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے۔ آس پاس پیارے صحابہ رضؓ بھی ادب سے بیٹھے تھے۔ حضورؐ نے صحابہ سے پوچھا۔ "آج تم میں کوئی روزے سے ہے؟"۔ حضرت ابو بکر رضؓ نے کہا "یا رسول اللہ! آج میرا روزہ ہے"!۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر بعد پوچھا "آج کسی نے کسی کے جنازے میں شرکت کی؟"۔ تمام صحابہ چُپ تھے۔ حضرت ابو بکر رضؓ نے کہا۔ "میں نے شرکت کی" تھوڑی دیر بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا "آج کسی نے محتاج کو کھانا کھلایا؟" اب بھی سارے صحابہ چُپ تھے۔ ابو بکر رضؓ نے کہا۔ "یا رسول اللہ میں نے کھلایا ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر بعد پھر پوچھا۔ "آج کسی نے کسی بیمار کا پوچھا کیا؟"۔ اس کا جواب بھی ابو بکرؓ ہی نے دیا۔ اب حضورؐ نے فرمایا۔ "جس نے ایک دن میں یہ نیک کام کیے وہ ضرور جنت میں جائے گا"۔

ویسے بھی حضرت ابو بکر صدیق رضؓ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو ایک نشست میں حضورؐ نے جنّتی فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پیارے صحابہ رضؓ میں سے تھے۔ اللہ تعالےٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی زیادہ محبت کرنے والے تھے۔ بڑے سمجھ دار اور بہادر آدمی تھے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے صحابہ رضؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کی قابلیت اور سمجھ داری کو مانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ نے ان کو اپنے بعد اپنی زندگی ہی میں خلیفہ چُن دیا۔ اور سارے صحابہ رضؓ نے اس فیصلے کو مان لیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہٗ کے بعد خلیفہ ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہٗ ہوئے۔ اور دوسرے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ اور یہ وہ بڑا مرتبہ

کہ اس سے بڑھ کر دوسرا کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے باپ دادا کا گھر مکے میں تھا۔ حضرت عمر رض کے باپ دادا بہت بڑے گھرانے کے لوگ تھے۔ سب بڑی عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے اور بڑے سمجھ دار مانے جاتے تھے، ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد کا نام خطاب تھا۔ اسی لیے آپ کو عمر بن خطاب کہا جاتا ہے۔ خطاب بڑے محنتی آدمی تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بچپن کا زمانہ گزار رہے تھے، اُس وقت اُن کے باپ بڑے مشکل کام اُن سے لیتے تھے۔ اگر وہ تھک کر سستانے بیٹھ جاتے تو والد مارتے تھے۔ بچپن کی ان باتوں کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے جفاکش اور محنتی ہو گئے تھے۔ سستی اُن کے پاس نہیں پھٹکتی تھی دس دس میل پر گھر کے اونٹ چرانے جاتے تھے اور پھر کُشتی بھی سیکھتے وہ بچپن ہی سے بڑی اچھی کُشتی لڑنے لگے تھے۔ بڑے ہوئے تو کُشتی میں بڑا نام پیدا کیا، بڑے جوشیلے آدمی تھے۔ ذرا کوئی طیش دلا دیتا کہ بس جوش میں آجاتے اور پھر کسی سے نہ ڈرتے۔ ایسے ہی پُرجوش نوجوانوں سے یارانہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوان ہوئے یعنی بیس پچیس کے درمیان

تھے کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا اور فرمایا کہ اللہ کو اپنا معبود مانو، اُسی کی عبادت کرو اور مجھ کو اللہ کا آخری رسول تسلیم کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری دُنیا اور آخرت سب سنوار دے گا ورنہ یہاں بھی پریشان رہو گے اور آخرت میں دوزخ میں جگہ پاؤ گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح اسلام پھیلانے لگے تو جس طرح مکّے کے اور بڑے بڑے لوگ آپ کے دُشمن ہو گئے اُسی طرح عمر بن خطّابؓ بھی دشمن ہو گئے۔ عمر بن خطّاب اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایسے بڑے دُشمنوں میں سے تھے جو بڑے کٹر تھے۔ اسی کٹر پن میں عمر بن خطّاب نے ایک مسلمان ہونے والی عورت کو قتل کر دیا تھا

جب عمر بن خطّاب ستائیس سال کے ہوئے تو ایک دن مکّے کے سرداروں نے ایک کمیٹی کی اور نوجوانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے پر اُبھارا تو عمر بن خطّاب جوش میں تلوار ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ "میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کروں گا"۔ اور یہ کہہ کر ننگی تلوار لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اُس وقت اپنی پھوپھی کے گھر میں تھے اور آپؐ کے ساتھ ۳۹ مسلمان اور تھے۔ راستے میں عمر بن خطّاب کے بہنوئی کا گھر پڑتا تھا۔

بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے تھے۔ کسی نے راستے میں کہہ دیا کہ چلے تو ہو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے، گھر کی تو خبر لو۔ تمہارے بہنوئی اور بہن دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ تن بدن میں آگ لگ گئی۔ دل میں کہا، چل کر پہلے ان دونوں کو ختم کر دیں۔ پھر آگے بڑھیں، یہ سوچ کر بہنوئی کے گھر پہنچے اور لگے دونوں کو پیٹنے۔ پیٹتے پیٹتے دونوں کو زخمی کر دیا۔ بہن کے خون نکل آیا تو بولیں "عمر! جو تم سے ہو سکے، کر ڈالو۔ لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا" بہن سے یہ سُنا تو اُن کو بڑا تعجب ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد انسان کیسا پکے ارادے کا ہو جاتا ہے۔ انھوں نے ہاتھ روکا اور کہا کہ تمہارے نبیؐ پر جو قرآن اُترا ہے اُس میں سے کچھ سُناؤ۔ بہن اور بہنوئی نے قرآن سُنایا تو آنکھیں کھُل گئیں۔ دل میں کہنے لگے، یہ تو بڑی اچھی باتیں ہیں۔ بس وہیں مسلمان ہو گئے۔

یہ دیکھیے، خدا کی قدرت، قریش خاندان کے بڑے جوشیلے بہادر کو دیکھیے، یہ بہادر چلا تو تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے، راستے میں ایک کمزور عورت سے ٹکراؤ ہو گیا اور وہیں مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہو کر اب جو چلے تو جیسے جیسے قدم آگے بڑھتا جا رہا تھا ویسے ویسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شوق بڑھتا جا رہا تھا۔ شوق میں بڑھے

جا رہے تھے۔ پیچھے پیچھے بہن اور بہنوئی تھے۔ وہاں مسلمانوں کو خبر ہو چکی تھی کہ عمر ننگی تلوار لیے آرہے ہیں اور دل میں بُرا ارادہ ہے، وہ سب سوچ رہے تھے کہ دیکھیے آج کیا ہو۔

حضرت عمرؓ دروازے پر پہنچے، آواز دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے۔ حضرت عمر رضؓ کو پکڑ کر کہا "کس ارادے سے آئے ہو؟" جواب دیا "ایمان لانے کے لیے"۔ یہ سُننا تھا کہ حضورؐ خوش ہو گئے سارے صحابہؓ خوش ہو گئے۔ سب نے بلند آواز سے نعرۂ تکبیر پکارا۔ وہاں قریش کے سردار اس انتظار میں تھے کہ عمر اب حضورؐ کو قتل کر کے آرہے ہوں گے لیکن پھر خبر پہنچی کہ وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اُسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ چلیے سب مسلمان مل کر کعبہ میں نماز پڑھیں۔ اُس وقت تک کوئی مسلمان کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب کو لے کر کعبہ میں پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز کو کھڑے ہوئے تو مکے بھر میں شور مچ گیا۔ کافر دوڑ پڑے کہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھنے دیں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اڑے ہوئے تھے کہ نماز پڑھ کر رہیں گے چاہے تلوار چل جائے۔ شہر بھر میں ایک ہلڑ مچ گیا۔ اچانک ایک بڑا آدمی آیا۔ اُس نے پوچھا یہ شور و غل

کیسا ہے؟ کسی نے بتایا کہ عمر مسلمان ہو گئے اور کعبہ میں نماز پڑھنے کے لیے ضد کر رہے ہیں۔ ہم ان کو ہرگز ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ اس بڑے آدمی نے کہا "خیر جانے بھی دو، میں نے عمر کو پناہ دی"۔ اس وقت اگر کوئی بڑا آدمی کسی کے بارے میں یہ کہہ دیتا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اب اگر اُسے کوئی ستائے گا تو اس بڑے آدمی سے لڑائی چھڑ جائے گی۔ تو جب اس نے اس طرح کہا تو مکے کے سردار چُپ ہو رہے۔ سارے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے رہے اور کافر دل ہی دل میں غصّہ ہوتے رہے۔ یہ پہلا کارنامہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا۔ جیسے ہی مسلمان ہوئے اسلام کا نام اونچا کر دیا۔ کیسے بہادر تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں تو آپ نے یہ حکم سارے صحابہؓ کو سُنایا اور فرمایا کہ ایک ایک دو دو کر کے جس طرح بنے مکے سے ہجرت کر جاؤ۔ بعد میں میں آجاؤں گا۔ اس حکم کے مطابق مسلمان مدینے کی طرف جانے لگے یہ خبر کافروں کو ہوئی۔ انھوں نے روک ٹوک شروع کی۔ کسی کو روکا کسی کا سامان چھین لیا، کسی کے بچے روک لیے، کسی کی بیوی کو جانے نہ دیا لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلے تو انھوں نے پکار کر کہا "اے قریش

کے لوگو! میں تمہارے شہر سے جا رہا ہوں اور میرے ساتھ میرے بھائی بھتیجے، داماد اور دوست سب ہیں، اب تم مجھے روکو تو جانوں"۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پکار پکار کر کہا، لیکن کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ انھیں روک سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ مدینہ چلے گئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ میں پہنچے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پہنچے تو ایک دن یہ مشورہ ہونے لگا کہ جب نماز کا وقت ہو تو کس طرح نمازیوں کو اکٹھا کیا جائے۔ کسی نے کہا کہ جس طرح دوسرے مذہب والوں کے یہاں سنکھ پھونکا جاتا ہے اور اس کی آواز پر لوگ جمع ہو جاتے ہیں، یہی طریقہ رائج کیا جائے ابھی کوئی رائے بنی نہیں تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ پوچھا، کیا صلاح ہو رہی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ نماز سے پہلے کوئی اس طرح پکار رہا ہے (اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ ....)" ابھی وہ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ دو صاحب اور آئے۔ انھوں نے کہا کہ یہی خواب ہم نے بھی دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو ان تینوں صحابیوں کی رائے کو پسند کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ سے فرمایا کہ یہی الفاظ پکارو۔ یہ الفاظ وہی ہیں جو اذان

میں کہے جاتے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوسری بزرگی یہ حاصل ہوئی کہ انھوں نے اذان کے لیے جیسے کہا تھا اُسی طرح اذان کا حکم ہوا
مسلمانوں کے مدینہ آجانے کے بعد کافروں سے لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ کافر لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ آتے۔ گھمسان کا رَن پڑتا۔ آخر کافر ہار کر بھاگتے۔ اس طرح مکّے کے قریش سے بھی لڑائیاں لڑی جاتی رہیں اور دوسرے اُن لوگوں سے جو مدینے کے آس پاس رہتے تھے۔ یہ یہودی تھے اور مکّے والوں سے ملے ہوئے تھے۔ ایسی ساری لڑائیوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور بہادری کے ساتھ کافروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ پھر کافروں کا زور ٹوٹا۔ کافروں کا زور ٹوٹا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھ کر مکہ فتح کر لیا۔ مکّہ فتح ہوتے ہی سارے عرب میں اسلام کی دھاک بیٹھ گئی، سارے عرب میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ اس حکومت کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چلا کر دکھایا۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بڑے بڑے ملک فتح ہوئے۔ ایران فتح ہوا، شام فتح ہوا۔ بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ دُور دُور تک اسلامی

حکومت پھیل گئی، پھر تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا اچھا انتظام کیا کہ آج تک آپ کے عدل و انصاف کی دھوم ہے۔ مسلمان تو مسلمان غیرمسلموں نے بھی اُن کی حکومت کی تعریف کی ہے۔ ہمارا ملک ہندوستان جب انگریزوں کی غلامی سے ۱۹۴۷ء میں آزاد ہوا تھا تو یہاں کے سب سے بڑے غیرمسلم گاندھی جی نے کانگریسیوں کو مشورہ دیا تھا کہ اب تم ابوبکر اور عمر رضی کے طرز پر حکومت کروگے تو کامیاب ہوگے ورنہ ناکام ہو جاؤ گے۔

حضرت عمر رضی نے کس طرح اسلامی حکومت کا انتظام کیا یہ ہم آئندہ صفحات میں لکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ بات تو ہم بتا ہی چکے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے خلیفہ کا مطلب آپ جانتے ہی ہیں کہ جو شخص اللہ کے حکموں کے مطابق اسلامی حکومت کو چلائے، وہ خلیفہ کہلاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی حکومت کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا کام اللہ کے حکموں کے مطابق اسی طرح کیا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، سکھایا اور کر کے دکھایا تھا۔ یہی طریقہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ پھر

جس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بیت المال (اسلامی خزانہ) سے "گزارا" ملتا تھا اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی ملتا تھا۔ "گزارا" کا مطلب یہ کہ اتنی رقم جس میں ایک عام آدمی اپنے بال بچوں کے ساتھ گزر بسر کر سکے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے گزارے کی جو رقم مقرر کرائی تھی، وہ اتنی تھی کہ اس میں بڑی مشکل سے گزر بسر ہوتی تھی۔ مہینے مہینے کچھ گھٹتا تو تھا بڑھنے کا نام نہ تھا۔ ایک بار حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ نے کچھ دن پیٹ کاٹ کاٹ کر پیسہ پیسہ بچایا اور پھر ایک دن ایک عمدہ چیز پکا کر خلیفہ اول کو کھلادی تو پوچھا "یہ کھانا کہاں سے آیا؟" پھر جب معلوم ہوا کہ اتنے پیسے ہر مہینے بچائے جا سکتے ہیں تو اتنے پیسے گزارے کی رقم میں سے کم کرا دیئے۔

بس اتنی ہی رقم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملتی تھی۔ ضرورت سے زیادہ اپنے اوپر خرچ کرنا پسند نہ کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بیت المال کو اپنا خزانہ نہیں سمجھتے تھے جیسے بادشاہ سمجھا کرتے ہیں بلکہ خلیفہ تو بیت المال کو مسلمانوں کی امانت سمجھتا ہے اور امانت میں خیانت حرام ہے یعنی اس میں سے جیسے جی چاہے ویسے خرچ کیا جائے، یہ ٹھیک نہیں بلکہ اپنے اوپر کم سے کم خرچ کیا جائے یہ اچھا ہے اور اللہ کے بندوں

ر زیادہ اور اللہ کا دین پھیلانے پر سب سے زیادہ خرچ کیا جانا چاہیے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی طریقہ تھا۔ اس بارے میں ایک واقعہ
سُنیے۔ بڑا دلچسپ اور نصیحت والا واقعہ ہے۔

ایک بار ایک ملک فتح ہوا تو اس جیت میں بہت سا مال
بیت المال میں آیا۔ اس میں ایک قسم کا کچھ کپڑا بھی تھا۔ یہ کپڑا مسلمانوں
میں بانٹ دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن کے حصّے کا ملا۔ جمعہ کے
دن لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُسی کپڑے کا کُرتہ پہنے
ہوئے ہیں۔ آپ وہی کُرتہ پہنے ہوئے جمعہ کا خطبہ فرمانے کے لیے ممبر کی
طرف بڑھے کہ ایک شخص نے ٹوکا

"ہرگز نہیں، آپ اس وقت تک ہمارے امام نہیں ہو سکتے
جب تک کہ آپ یہ اطمینان نہ دلا دیں کہ جو کپڑا آپ کو ملا۔ اُس میں
آپ کا یہ کرتہ کیسے ہو گیا؟"

یہ سُنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بُرا نہیں مانا۔ ارے بھئی، بُرا
وہ کیوں مانتے۔ وہ بادشاہ یا من مانے نواب کب تھے۔ وہ تو مسلمانوں
کے خلیفہ تھے۔ مسلمانوں کو مطمئن کرنا ان کا فرض تھا۔ فرمایا کہ اس کا
جواب میرا بیٹا دے گا۔

آپ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ اصل بات کیا تھی۔ بات یہ تھی کہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کا قد لمبا تھا۔ جتنا جتنا کپڑا لوگوں کو ملا تھا۔ اس میں اُن کا کُرتہ نہ بن سکا تھا۔ تو جس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ٹوکا اُسے یہ بے چینی ہوئی کہ پھر حضرت عمرؓ کا کُرتہ کیسے ہو گیا۔ ان کو بیت المال سے اتنے پیسے تو ملتے نہیں کہ کپڑا کسی سے خرید لیا ہو۔ توبہ توبہ ایسا تو نہیں، کہ اپنے لیے زیادہ رکھ لیا ہو۔

بھئی یہ شک تھا، اس شخص کا اور آپ دیکھتے ہیں کہ ایسا وہ لوگ کرتے بھی ہیں جن کے ہاتھ میں کچھ اختیار دے دیا جاتا ہے۔ لیکن تم سمجھ سکتے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اللہ سے بہت ہی ڈرنے والے تھے وہ ایسا کس طرح کر سکتے تھے۔ اب سُنیے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لائق بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ آئے تو انھوں نے بتایا:۔

"صاحبو! والد صاحب کو میں نے اپنے حصے کا کپڑا دے دیا تھا"

یہ سُن کر ٹوکنے والے شخص نے کہا "ہاں۔ اب تم امامت کر سکتے ہو۔"

ذرا سوچیے تو آج کل کوئی کسی چھوٹے سے چھوٹے حاکم کو اس طرح ٹوک سکتا ہے۔ بڑوں کو ٹوکنا تو دور کی بات ہے، اگر کوئی آج کل کی راشننگ میں یہ کہہ دے کہ فلاں حاکم نے اپنے لیے اتنی شکر منگوا لی تو اس کی بات ماننا اور سُننا تو الگ رہا اُلٹے آفتیں گلے پڑ جائیں گی۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ

بات آپ جان چکے کہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح اسلامی خزانے (بیت المال) سے اتنی تنخواہ پاتے تھے جس میں ان کی گزر بسر ہو سکے۔ ٹھاٹ کے ساتھ نہیں بلکہ ایک عام آدمی کی طرح۔ اب ہم یہ بتائیں گے کہ خلیفہ دوم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کس طرح اسلامی حکومت کو سنبھالا۔ اس بات کو سمجھنے سے پہلے آپ یہ بھی سمجھ لیں کہ حکومت کرنے کے کون کون سے طریقے ہیں؟

(۱)

شخصی حکومت

شخصی حکومت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کی حکومت یعنی کوئی ایک شخص اپنے کو ملک کا مالک سمجھے اور دوسروں سے اپنے بارے میں مالک کہلوائے۔ کسی بات کے بارے میں وہی شخص جو کچھ کہہ دے وہی اس کا قانون سمجھا جائے۔ سلطنت میں اس کا قانون چلے۔ وہ جیسا چاہے دوسروں کے لیے قانون بنائے لیکن خود کسی قانون کا پابند نہ ہو۔ خزانے کا مالک بھی وہی بن بیٹھے۔ جو چاہے اور جیسے چاہے

خرچ کرے کوئی ٹوکنے والا نہ ہو۔ ایسے شخص کو بادشاہ یا راجہ کہتے ہیں۔ بادشاہوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بادشاہ کے بعد اس کا بیٹا یا کوئی اُس کے گھر کا آدمی بادشاہ بنتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بادشاہ کا بیٹا یا خاندانی اور رشتہ دار نہ ہو بلکہ رعایا میں سے ہو اور وہ کسی طرح زبردستی حکومت پر قبضہ کرلے اور اپنا حکم چلانے لگے تو ایسے شخص کو ڈکٹیٹر کہتے ہیں۔

بادشاہ اور ڈکٹیٹر اپنی فوج اور اپنے جتھے کے لوگوں کی بدولت من مانی کرتے ہیں۔ اگر کسی ملک کا بادشاہ ذرا اچھا ہوتا ہے تو رعایا کو آرام مل جاتا ہے برُا ہوتا ہے تو رعایا کی مٹی پلید ہوتی ہے۔ مزا کرتے ہیں وہ لوگ جو بادشاہ یا ڈکٹیٹر کے پٹھو ہوتے ہیں۔ ان پٹھوؤں کو چاہے آپ وزیر کہہ لیجئے یا نواب۔

۲
جمہوری حکومت

جمہوری حکومت کا مطلب یہ ہے کہ ملک میں جمہور کی حکومت ہو یعنی جنتا راج یا پرجا راج یعنی ملک کے رہنے والے مل جل کر خود ہی راج کریں۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کے رہنے والے اپنے ہی

ملک کے ایسے لوگوں کو چُن لیتے ہیں جن کو وہ راج کاج میں ہوشیار سمجھتے ہیں۔ یہ چُنے ہوئے لوگ اپنا ایک صدر چُن لیتے ہیں۔ انھی میں سے الگ الگ کاموں کے ذمہ دار چُن لیے جاتے ہیں۔ ان کو وزیر کہتے ہیں اور ان سب پر ایک بڑا وزیر بھی چُن لیا جاتا ہے جسے وزیر اعظم کہتے ہیں جیسے آج کل ہمارے ملک میں وزیر اعظم پنڈت نہرو کی بیٹی اندرا گاندھی وزیر اعظم ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس طریقے کو الیکشن کہتے ہیں۔ الیکشن کے ذریعہ جو لوگ چُنے جاتے ہیں وہ ملک کے لیے قانون بناتے ہیں اور جس بات کو پسند کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں اسی بات کو سب پر لاگو کر دیا جاتا ہے۔

(۴)

خلافت

اللہ کے حکموں کے مطابق جس طرح پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کرنے کا طریقہ بتایا، سمجھایا اور کرکے دکھایا، اسی طرح حکومت کرنے کو خلافت کہتے ہیں اور ایسی حکومت کو اسلامی حکومت کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے بندے اپنے میں سے ایسے شخص کو چُن لیتے ہیں جو سب سے زیادہ دیندار، سمجھ دار اور خدا سے ڈرنے والا

ہوتا ہے۔ اور سب سے زیادہ اللہ کے حکموں کو سمجھنے والا اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا ہوتا ہے۔ اس طرح چُننے جانے والے کو خلیفہ کہتے ہیں۔

خلیفہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ وہ اپنا حکم نہیں چلا سکتا بلکہ اللہ کا حکم اس طرح چلانیوالا ہوتا ہے جیسے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔ اسلامی خزانے کا بھی وہ مالک نہیں ہوتا۔ خلافت اس کی جائداد اور جاگیر نہیں ہوتی کہ اس کے بعد اس کا بیٹا یا کوئی گھر والا خلیفہ بن بیٹھے، بلکہ جس کو سارے مسلمان چنیں یا پھر خلیفہ خود کسی کو اپنا جانشین بنا جائے مگر وہ جانشین اس کے گھر کا یا رشتہ دار نہ ہو اور اسے مسلمان خلیفہ مان بھی لیں۔

اب دیکھیے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چُنا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھدار اور دیندار لوگوں سے مشورہ کرکے اپنی زندگی میں اپنے بعد ہونے والا خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چُن دیا۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے سمجھدار اور نیک صحابی تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ شیطان صرف اللہ کے نبی کو نہیں بہکا سکتا اور سب کو

بہکا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ معصوم صرف اللہ کے نبی ہوتے ہیں اور کوئی انسان معصوم نہیں ہو سکتا۔ یعنی نبی کے علاوہ دوسرے لوگوں سے گناہ بھی ہو سکتا ہے اور بھول چوک بھی۔ یہ سمجھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مدد کے لیے بڑے دیندار اور سمجھ دار لوگوں کی ایک کمیٹی بنائی۔ اس کا نام رکھا مجلسِ شوریٰ یعنی خلیفہ کو رائے اور مشورہ دینے والی کمیٹی اس مجلسِ شوریٰ کے مشہور لوگ یہ تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہٗ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہٗ۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہٗ۔

یہ سب کے سب وہ بزرگ تھے جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھیوں (صحابہ) میں بڑے سمجھ دار مانے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی تھے جیسے حضرت ابو عبیدہ بن جرّاح رضی اللہ عنہ حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہٗ۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہٗ۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہٗ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ لیکن یہ اور ان جیسے دوسرے بزرگ اسلامی فوج کو لے کر دشمنوں سے لڑنے زیادہ تر بھیجے جاتے تھے۔ اس لیے جب مدینے میں ہوتے تو ان کو مشورے کے لیے بُلا لیا جاتا تھا جب کوئی بہت اہم بات سامنے آجاتی تو مسلمانوں کا عام اجلاس

ہوتا جس میں بہت سے لوگ شریک ہوتے۔ صلاح و مشورہ کا طریقہ یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سب سے پہلے یہ پوچھتے "بھائیو! اس بات کے بارے میں قرآن میں کوئی حکم ہو تو بتاؤ، پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات ہو تو بتاؤ۔ لوگ پہلے قرآن اور سنت میں وہ بات تلاش کرتے۔ اگر وہاں وہ بات نہ ملتی تو اپنی اپنی سمجھ کے مطابق سوچ کر رائے دیتے پھر سارے مسلمان یا زیادہ تر مسلمان جو فیصلہ دیتے وہی مان لیا جاتا اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی بات پر جم جاتے مگر شرط یہ تھی کہ وہ بات قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔

اس بارے میں ایک مزے دار بات سُنیئے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے یہ جاننا چاہا کہ لوگ مجھے اللہ سے ڈرتے ہوئے مشورہ دیتے ہیں یا مجھ سے ڈرتے ہیں اور چاپلوسی کرتے ہیں۔ اچھا تو ایک دن بولے "سُنو، اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں یعنی غلط باتیں کرنے لگوں تو تم لوگ کیا کرو گے؟" یہ سُن کر ایک صاحب کھڑے ہوئے اور تلوار نکال کر کہا "اس تلوار سے آپ کو سیدھا کر لیا جائے گا"۔ یہ جواب سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں کی تعریف کی۔

خیر یہ تو بڑے لوگ تھے۔ ایک بار تقریر کر رہے تھے۔ تقریر کرتے کرتے ایک بات ایسی کہہ دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی تھی

تو ایک بوڑھیا نے ڈانٹا " عمر! جس بات کو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تو پھر تو کون ہے کرنے والا "

بوڑھیا سے یہ جواب سُنا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعریف کی اور کہا کہ جب تک تم میں ایسے لوگ رہیں گے، تم کو شیطان بہکا نہ سکے گا۔ ایک بار ایک شخص نے ڈانٹا " عمر! خدا سے ڈر! " اس کی اس بات پر لوگوں نے بُرا مانا کہ اگر خلیفہ ہی خدا سے نہ ڈریگا تو پھر کون ڈرے گا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا " اسے کہنے دو، اگر لوگ مجھے نہ ٹوکیں گے تو بے کار ہیں اور اگر ہم نہ مانیں تو ہم بے کار"

اب زیادہ کون بتائے۔ آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ اسلامی حکومت کا خلیفہ کیسا ہوتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کیسے اچھے خلیفہ تھے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

خلیفۂ دُوم کے عامل

عامل کے معنی ہیں گورنر۔ گورنر اس شخص کو کہتے ہیں جو سرکار کی طرف سے کسی صوبے کا انتظام کرنے والا ہو۔ ایک صوبے میں بہت سے ضلعے ہوتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسلامی حکومت

کے دس دس، بارہ، پندرہ پندرہ، بیس بیس ضلعوں کے صوبے
بنائے تھے وہ ان صوبوں کا عامل (گورنر) ایک اچھے آدمی کو بناتے تھے

یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھی یعنی صحابہ (رضی اللہ عنہم) سب اچھے لوگ تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ جب کسی صوبے میں کوئی گورنر مقرر کرنا چاہتے تو سب سے پہلے پیارے صحابہؓ ہی میں ایسے لوگ ڈھونڈتے، لیکن صحابہ میں زیادہ تر ایسے بزرگ تھے جو ٹھاٹ باٹ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ان میں سے جب کسی کو گورنر بناتے تو وہ بزرگ معذرت کرتے، یعنی کہتے کہ "ہمیں گورنر نہ بنائیے، ہم سے گورنری نہ ہو سکے گی۔ ہم اللہ سے بہت ڈرتے ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہم انصاف نہ کر سکیں ——اس طرح کی باتیں کر کے وہ گورنری سے بچنا چاہتے۔ جی ہاں! اتنا بڑا عہدہ قبول نہ کرتے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ انھیں سمجھاتے کہ اسلامی حکومت کا کام چلانے میں اگر آپ لوگ ہی ساتھ نہ دیں گے تو پھر دنیادار لوگ گورنر بنیں گے اور وہ لوگ اسلامی حکومت میں برے کاموں کا نمونہ پیش کریں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کی اس بات کا جواب پیارے صحابہؓ نہ دے پاتے، اور انھیں گورنری قبول کرنا پڑتی۔ وہ گورنر بن کر جاتے اور اپنے اپنے صوبوں میں حکومت کرتے لیکن ان کو دیکھ کر لوگ

یہ نہ سمجھ سکتے کہ یہ ہمارے گورنر صاحب ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ صحابہؓ سادے لباس میں رہتے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کو ایک سوداگر نے دیکھا تو مزدور سمجھا اور اُن سے کہا میرا یہ سامان گھر تک پہنچا دو۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے اس کا سامان گھر پہنچا دیا۔ راستے میں لوگوں نے پہچانا اور سلام کیا تو سوداگر گھبرا گیا، لیکن حضرت سلمانؓ نے اس کو اطمینان دلایا کہ ہمیں خدمت کرنے کے لیے ہی گورنر بنایا گیا ہے۔

ایک اور صحابی تھے۔ ان کا نام تھا سعید بن عامرؓ۔ اُنھیں صوبہ حمص کا گورنر بنایا گیا۔ انھوں نے پہلے انکار کیا لیکن جب حضرت عمر فاروقؓ نے وہ بات کہی جو ہم نے اوپر لکھی کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابہ اسلامی حکومت کا کام نہ کریں گے تو کیسے کام چلے گا تو منظور کر لیا۔ حمص کے گورنر بن کر گئے۔ بڑا اچھا انتظام کیا۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے دورہ کیا۔ حمص بھی گئے، وہاں جا کر ایک کلرک سے کہا کہ حمص کے محتاجوں کی فہرست بنا کر لاؤ۔ کلرک فہرست بنا لایا۔ فہرست میں پہلا نام تھا "سعید"۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا "یہ سعید کون ؟" کلرک نے بتایا، یہ سعید بن عامر ہیں ہمارے اور آپ کے عامل۔

حضرت عمرؓ کو بڑا تعجب ہوا۔ کہ ہمارا گورنر اور محتاج، جبکہ گورنر کو اچھی خاصی تنخواہ ملتی ہے۔ کلرک نے انھیں تعجب میں دیکھا تو عرض کیا کہ

"یاامیرالمومنین! وہ تنخواہ کو تو ہاتھ نہیں لگاتے"۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضؓ نے ایک ہزار دینار کی تھیلی ان کے گھر بھیجی تو وہ گھبرا گئے اور بیوی سے کہا کہ عمرؓ نے میرے گھر دنیا بھیجی ہے۔ پھر وہ دینار اسی وقت خیرات کر دیئے۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضؓ رو پڑے اور ان کے لیے اللہ سے دعا کی اور کہا کہ جب تک اسلامی حکومت میں ایسے لوگ ہیں گے اللہ خوش رہے گا۔

ایسے ہی اور بزرگ صحابی تھے۔ جب اُنھیں گورنر بنایا جاتا تو وہ انتظام تو بڑا اچھا کرتے۔ لیکن کھاتے اپنا تھے۔ ایک صحابی کو جب گورنر بنا کر بھیجا تو اس وقت وہ ایک لونڈی کو لے کر گئے اور اپنے خچر پر سوار تھے۔ پھر جب واپس آئے تو اس وقت بھی یہی لے کر لوٹے حضرت عمر رضؓ نے حال پوچھا تو کہا اس سے زیادہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ایسے ہی بزرگوں میں سے حضرت عمار بن یاسر رضؓ، ابوعبیدؓ معاذ رضؓ بھی تھے۔ ایک بار اعتراض کیا گیا کہ عمر رضؓ ایسے بزرگوں کو دنیاداری میں پھنساتے ہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے جواب دیا کہ یہ دنیاداری نہیں ہے۔ دنیاداری تو جب ہو کہ یہ لوگ خدا سے نہ ڈریں اور گورنری پاکر عیش کریں۔ پیارے صحابہؓ تو پیارے نبیؐ کی پیروی کرنے والے ہیں۔ یہ کہہ کر صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو جمع کیا۔ ان سے کہا کہ "اگر آپ

لوگ ہی اسلامی حکومت کا کام نہ کریں گے تو کام کیسے چلے گا ؟ حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے جواب دیا ۔ "آپ گھبرائیں نہیں ، ہم آپ کی مدد کرینگے" حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے یہ کہا تو سارے صحابہ چپ ہو گئے اور پھر حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابو عبیدہ رضؓ، حضرت معاذ رضؓ، حضرت عثمان بن حنیف رضؓ حضرت عمار بن یاسر رضؓ، حضرت زید رضؓ، حضرت حکیم بن حزم کو گورنر بنایا، اور ان سب کو منظور کرنا پڑا لیکن ان بزرگوں نے تنخواہ لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم خالصۃً للہ یعنی صرف اللہ کے لیے یہ کام کریں گے ۔

حضرت عمر رضؓ ان بزرگوں کو گورنر بناتے اور دوسرے بڑے بڑے عہدے دیتے تھے لیکن جانتے تھے کہ شیطان انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے اور بڑا ہی چالاک بھی ۔ اس لیے ان بزرگوں کے کام کی دیکھ بھال بھی رکھتے تھے ۔ کسی سے ذرا سی غلطی ہوتی تو فوراً ٹوکتے ۔ حضرت سعد بن وقاص رضؓ نے کسی ضرورت سے ایک محل بنوایا تھا ۔ یہ خبر حضرت عمر رضؓ کو ہوئی تو فرمایا خدا کی قسم ! یہ محل گورنر اور رعایا کے درمیان رکاوٹ ڈالے گا ۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضؓ کو تحقیقات کے لیے بھیجا ۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری گئے ۔ دیکھا تو سچ مچ محل بنا ہوا ہے اور دروازے پر دربان (سنتری) کھڑا ہے ۔ یہ دیکھتے ہی حضرت بن مسلمہ انصاری نے محل کو آگ لگا دی اور حضرت سعد بن وقاص رضؓ کو جواب دینے کے

لیے مدینہ آنا پڑا۔ جبکہ یہ بزرگ وہ صحابی تھے، جو پیارے نبی کے ماموں بہت بڑے سپہ سالار اور فاتح ایران تھے، یعنی ایران کا ملک انھوں نے ہی فتح کیا تھا۔

ایک بار حضرت عمر رضؓ نے اپنے گورنروں کے درمیان تقریر کی فرمایا: " صاحبو! گورنر اسلیئے نہیں بھیجے جاتے کہ رعایا کے گالوں پر طمانچے ماریں۔ ان کا مال چھینیں بلکہ اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ وہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ لوگوں کو سکھائیں تو اگر کسی گورنر نے ایسا نہ کیا تو میں اُسے سزا دوں گا۔

جی ہاں! سزا دینے کو فرمایا اور ایک بار ایک گورنر سے ایسی چوک ہوئی تو اسے سزا بھی دی۔ آپ سُن لیجئے، نہیں تو آپ نہ جانے کیا سمجھیں کہ پیارے صحابی سے کیا بھول ہوئی، ہوا یہ کہ ایک مشہور گورنر نے کسی آدمی کے کوڑے مارے اس نے مدینے آکر شکایت کر دی۔ گورنر صاحب بُلائے گئے۔ مقدمہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اس آدمی پر زیادتی ہوئی بس پھر کیا تھا، حکم دیا کہ یہ آدمی بھی گورنر صاحب کو کوڑے مارے۔

ارے توبہ! ایک ہلچل مچ گئی کہ ایک معمولی آدمی گورنر کے کوڑے مارے گا اور وہ گورنر بھی کون جو پیارے رسولؐ کا پیارا صحابی بلکہ جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ وہ بڑا سمجھ دار اور قابل

شخص ہے۔ تو صبح صبح لوگ دیکھنے آئے۔ بہت سے لوگوں نے ان بزرگ صحابی کی سفارش کی لیکن حضرت عمرؓ مانے نہیں۔ اس آدمی نے یہ انصاف دیکھا تو رو پڑا اور کہا کہ یا امیرالمومنین میں معاف کرتا ہوں۔

معافی کا نام سن کر حضرت عمر بہت خوش ہوئے۔ پھر مسلمانوں نے اس آدمی کو بہت سا انعام دیا۔ اتنا کہ وہ پکار اُٹھا کہ "اطمینان اسلامی حکومت کے اندر ہے"۔

اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔ ایک گورنر حضرت عیاض بن غنمؓ کے بارے میں سنا کہ وہ باریک اور ملائم کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے گھر کے دروازے پر دربان (سنتری) رہتا ہے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضؓ کو بھیجا وہ مصر گئے اور وہاں سے حضرت عیاض کو اسی حال میں پکڑ کر لائے۔ حضرت عمر رضؓ نے ان کو سمجھایا کہ پیارے بھائی! تم نبیؐ کے پیارے صحابی ہو اگر تم ذرا بھی عیش کی طرف جھکو گے تو ٹھیک نہیں اور پھر تمہارے باپ کا نام غنم اس لیے تھا کہ وہ بکریاں چُگانے والے تھے۔ اچھا جاؤ بکریاں چُگاؤ۔ حضرت عیاض نے بکریاں چگائیں اور اللہ سے توبہ کی تو پھر ان کو گورنری پر بھیجا۔

لیجئے۔ چلتے چلتے ایک لفظ کے معنی بھی معلوم ہو گئے یعنی غنم

کے معنی بکری۔

اوپر ہم نے بہت تھوڑے واقعات بیان کیے ہیں۔ بتانا یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رض دین دار اور خدا سے ڈرنے والوں ہی کو بڑے بڑے عہدے دیتے تھے اور پھر ان کی نگرانی بھی کرتے رہتے تھے، اسی طرح دوسرے بڑے عہدے دار یعنی قاضی (جج)، وزیر خزانہ (بیت المال کا ناظم) سپہ سالار، میر منشی وغیرہ بھی ایسے ہی لوگوں کو بناتے تھے جو دین دار تھے، چنانچہ مشہور قاضی شریح حضرت عمر رض ہی کے زمانے میں ہوئے ہیں۔ مشہور سپہ سالار ابو عبیدہ بن جراح رض، سعد بن وقاص رض، عمرو بن العاص رض۔ نعمان بن مقرن رض، مثنیٰ شیبانی رض اور بیت المال کے ناظم حضرت ابو عبیدہ رض اور حضرت عبداللہ بن مسعود رض میر منشی بھی خوب پرکھ کر رکھے۔ حضرت عمر رض کی اس جانچ پرکھ کے سلسلہ میں ایک مثال سنیے :۔

حضرت عمر رض کی خلافت سے بہت پہلے کی بات ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے (یعنی زندہ تھے) ایک بار حضور کے پاس کہیں سے خط آیا۔ حضور لکھے پڑھے نہیں تھے۔ آپ نے کہا کہ کون اس خط کا جواب لکھ سکتا ہے؟ ایک صحابی کی زبان سے نکلا "حضور! میں"۔ یہ صحابی تھے حضرت عبداللہ بن ارقم رض۔ وہ جواب

لکھ کر لائے تو حضورؐ نے بہت پسند کیا۔ بس یہ بات حضرت عمرؓ کو یاد رہ گئی۔ جب آپ خلیفہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن ارقمؓ کو اسلامی حکومت کا میر منشی بنادیا۔ آپ سمجھے کیوں؟ دو باتیں ان میں دیکھیں، ایک تو یہ کہ انھوں نے بڑا اچھا جواب لکھا اور پھر حضورؐ نے جواب کو پسند بھی کیا۔ بھلا حضرت عمرؓ ایسے شخص کو پسند کیوں نہ کرتے جسے حضورؐ نے پسند کیا ہو۔ اس طرح حضرت عمرؓ جس شخص میں جو قابلیت دیکھتے اس کی قدر کرتے۔ اور اس میں وہ عمر کا کبھی کم خیال کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی عمر ۱۲، ۱۳ برس کی تھی لیکن وہ بہت سمجھ دار تھے تو ان کو بڑے بڑے صحابہ کے درمیان بٹھاتے تھے اور جب وہ کوئی اچھی بات کہتے تو شاباشی دیتے اور ان کا دل بڑھاتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کی خلافت کے زمانے میں عدالتوں کا انتظام بھی بہت اچھا تھا۔ عدالتوں سے بڑا اچھا انصاف کیا جاتا تھا۔ کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا۔ سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ عدالت سے بہت جلد فیصلہ ہوتا تھا اور کسی پر کوئی دباؤ نہ ڈالا جاتا تھا۔ عدالت کے قاضی بڑے دین دار اور خدا سے ڈرنے والے لوگ مقرر کیے جاتے تھے جو بالکل صحیح فیصلہ کرتے۔ نہ کسی بڑے آدمی کا دباؤ مانتے

اور نہ روپیہ پیسے کے لالچ سے غلط فیصلہ کرتے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ ایسے اچھے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قاضی بناتے تھے اور ان کو بڑی بڑی تنخواہیں دیتے تھے۔ قاضیوں کے مقرر کرنے میں بالکل وہی طریقہ کام میں لاتے تھے جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔ اور جس پر حضرت ابو بکر رضؓ بھی عمل کرتے تھے۔ قاضی مقرر کرتے وقت اس کی جانچ کرتے جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اور وہ قرآن کو سمجھتا اور اس پر عمل بھی کرتا تھا اُسے قاضی بناتے تھے۔ اس کے بعد اس کی نگرانی بھی کرتے رہتے تھے۔ موقع موقع پر ہدایات بھی دیتے رہتے تھے۔

ایک بار ایک مشہور صحابی حضرت اُبی بن کعبؓ سے خود خلیفہ کو مقدمہ لڑنا پڑا۔ حضرت عمر رضؓ حضرت اُبی بن کعبؓ کے ساتھ مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابت رضؓ کی کچہری میں گئے۔ حضرت زیدؓ نے خلیفہ کو دیکھا تو ادب کے خیال سے تعظیم کو اُٹھے۔ حضرت عمر رضؓ نے ٹوکا کہ اے زید! یہ تم نے انصاف کے خلاف کیا۔ اس کے بعد جب مقدمہ شروع ہوا تو حضرت عمر رضؓ سے قسم لی جانے لگی تو پھر حضرت زید رضؓ نے کہا کہ خلیفہ سے قسم نہ لی جائے تو پھر ٹوکا کہ یہ تم نے دوسری ناانصافی کی۔

اس ٹوکنے کا مطلب یہ تھا کہ عدالت میں ہر شخص برابر انصاف

کا حق دار ہے۔

قاضیوں کی عقل کی جانچ کے لیے بھی ہم ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ قاضیوں کی جانچ کس طرح کرتے تھے اور جو شخص ان کی جانچ میں پورا اترتا تھا اس کا کتنا خیال رکھتے تھے

واقعہ یوں ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے گھوڑا خریدا۔ پھر گھوڑے کو پرکھنے کے لیئے ایک شہسوار کو دیا، شہسوار گھوڑے پر سوار ہوا اور اُسے دوڑایا۔ دوڑانے میں گھوڑا چوٹ کھا کر داغی ہوگیا حضرت عمرؓ نے گھوڑا واپس کرنا چاہا تو بیچنے والے نے واپس لینے سے انکار کر دیا کہ اب گھوڑا داغی ہوگیا۔ اس پر بات بڑھی اور حضرت شریحؓ کے پاس دونوں فیصلہ کرانے گئے۔ حضرت شریح نے کہا کہ خریدنے سے پہلے یہ شرط ہوگئی ہو اور مالک کی اجازت سے گھوڑا دوڑایا گیا ہو تو گھوڑا واپس ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ مقدمہ ہار گئے۔ لیکن حضرت شریح رضؓ کے اس بے لاگ فیصلے سے اتنا خوش ہوئے کہ اُسی وقت اُن کو کوفہ کا قاضی بنا دیا۔

اوپر ہم نے صرف دو واقعے لکھے ہیں۔ ایسے بہت سے واقعے ہیں جو پڑھنے کے لایق ہیں، اب آپ خود ہی سمجھ لیجیے کہ جس حکومت میں ایسے قاضی ہوں اس حکومت میں رعایا کو کیسا انصاف مل سکتا ہے۔ اسی لیے

مشہور ہے کہ حضرت عمر رض کی خلافت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ یعنی کوئی زبردست کمزور کو دبا نہیں سکتا تھا۔ اس بارے میں حضرت عمر رض نہ اپنی پرواکرتے، نہ اپنی اولاد کی اور نہ کسی بڑے سے بڑے شخص کی چاہے وہ گھر کا نواب ہی ہو۔ اس سلسلے میں بھی ایک واقعہ سُن لیجئے۔

جبلّہ غسّانی ایک عیسائی بادشاہ تھا۔ وہ مسلمان ہوکر مدینہ آیا۔ پھر وہ حضرت عمر رض کے ساتھ حج کرنے گیا۔ جبلّہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اور بہت سے لوگ طواف کر رہے تھے جبلّہ کا جُبّہ لمبا تھا اور وہ زمین سے لگ رہا تھا۔ ایک غریب آدمی کا پیر اس پر پڑ گیا۔ جبلّہ کو جھٹکا لگا۔ اُس نے غصّے میں اس غریب آدمی کے ایسا تھپّڑ مارا کہ اس کی آنکھ زخمی ہوگئی، اس نے مقدمہ دائر کر دیا تو جبلّہ نے حضرت عمر رض سے شکایت کی کہ ایک غریب آدمی ایک بادشاہ پر مقدمہ دائر کیسے کر سکتا ہے۔

حضرت عمر رض نے جواب دیا کہ اسلامی عدالت میں سب پر مقدمہ قائم ہو سکتا ہے اب تمہارے لیئے خیریت اسی میں ہے کہ اُسے راضی کرلو ورنہ پورا پورا انصاف ہوگا۔

اسی طرح ایک بار حضرت عمر رض کے ایک مشہور گورنر نے ایک غیر مسلم

کو کوڑا مار دیا۔ اس نے عدالت میں رپٹ لکھوائی تو گورنر صاحب کو اُسے راضی کرنا پڑا۔ اس طرح کے بہت سے مقدمے کتابوں میں لکھے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضؓ کی خلافت میں رعایا کو بڑا اطمینان تھا حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں بہت سے قاضی تھے۔ ان قاضیوں میں سب سے زیادہ مشہور قاضی (جج) یہ تھے۔

حضرت زید بن ثابت رضؓ ، یہ بزرگ پیارے نبیؐ کے ایسے پیارے صحابی تھے کہ آپ پر جب قرآن نازل ہوتا تو آپؐ حضرت زید ہی سے لکھواتے تھے۔ وہ کئی زبانیں جانتے تھے اور بہت قابل اور دین دار بزرگ تھے، یہ مدینے کے قاضی تھے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضؓ ، یہ وہ بزرگ صحابی تھے جنہوں نے پیارے نبیؐ کے زمانے میں بہت جلد پورا قرآن یاد کر لیا تھا حضرت عمر رضؓ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ یہ فلسطین کے قاضی تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ ، بہت قابل اور بزرگ صحابہ میں سے تھے اور بہت پہلے حضورؐ پر ایمان لائے تھے اور اسلام کی راہ میں بڑی تکلیفیں سہی تھیں یہ کوفہ کے قاضی تھے۔

قاضی شریح رحؒ صحابی تو نہ تھے مگر بہت ہی سمجھ دار اور دین دار آدمی تھے۔ یہ سمجھ داری میں مشہور تھے۔ حضرت عبداللہ بن

معود رضی اللہ عنہ کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ
ز جیسے بڑے صحابی ان کو عرب کا سب سے بڑا قاضی مانتے تھے۔ حضرت
ریح رہ تقریباً نصف صدی یعنی لگ بھگ پچاس برس قاضی رہے۔
اب زیادہ کس کس کا حال لکھا جائے۔ مختصر یہ کہ ان ہی بزرگوں کی
ح حضرت سلمان بن ربیعہ، جمیل بن معمر، ابو مریم، عبدالرحمن بن ربیعہ،
ران بن حصین بھی بڑے قاضیوں میں سے تھے۔ حضرت شریح اور
نرت سلمان کی تنخواہ پانچسو درھم ماہانہ یعنی لگ بھگ سوا سو روپیہ تھی
اُس زمانے کے لیے بہت بڑی تنخواہ سمجھی جاتی تھی۔
حضرت عمر رض کے قاضیوں کے فیصلے کتابوں میں لکھے ہیں ان میں
ی نصیحت بھی ہے اور وہ نہایت دلچسپ اور سمجھ بڑھانے والے بھی ہیں

بیت المال

بیت المال کے معنی ہیں وہ عمارت جس میں سرکاری آمدنی
ہو (یعنی خزانہ) پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب ا
ں سے مال اور اسباب آتا تو آپ اُسے اُسی وقت لوگوں میں
نٹ دیا کرتے تھے اس لیے اس وقت بیت المال کی ضرورت ہی
یں پڑی۔ آپ کے بعد خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

نے بھی اپنی خلافت میں کوئی بیت المال نہیں بنایا، لیکن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ خلیفہ ہوئے تو اسلامی حکومت کا پھیلاؤ دُور دُور تک ہو گیا۔ بڑے بڑے ملک فتح ہوئے اور ان ملکوں سے بھی آمدنی ہونے لگی۔ زیادہ سے زیادہ مال مدینے میں آنے لگا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ صوبہ بحرین کے عامل (گورنر) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ نے پانچ لاکھ کی رقم بھیجی۔ اسی طرح دوسرے صوبوں سے رقمیں آنے لگیں تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے صحابہ رضؓ سے رائے لی اور ایک مکان کو بیت المال بنا کر اسی میں سرکاری مال رکھنے لگے۔ اور اس کا نگراں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن ارقم رضؓ کو بنایا۔ حضرت عبداللہ بن ارقم رضؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اُن کے ذمّے یہ بھی تھا کہ بیت المال میں جو رقم اور سامان آئے اور جو خرچ ہو اُسے ایک رجسٹر میں لکھتے جائیں۔ حضرت عمر رضؓ نے ان کی مدد کے لیے دو اور صحابہ مقرر کیے۔ یہ تینوں اُن صحابہ رضؓ میں سے تھے جو امانت داری اور دیانت داری میں بہت مشہور تھے۔ یہ بیت المال (خزانہ) تو مدینے میں بنایا گیا۔ اس کے علاوہ ہر صوبے میں بھی بیت المال قائم کیے۔ ہر صوبے کی آمدنی پہلے اسی صوبہ کے بیت المال میں جمع ہوتی۔ پھر ضرورت کے لائق رکھ کر باقی مدینے میں بھیجدی جاتی۔ حضرت عمر رضؓ نے ہر جگہ خزانے کی حفاظت کے لیے سپاہی بھی مقرر کیے

اس بیت المال میں محصول (خراج) کے علاوہ زکوٰۃ کی رقمیں بھی جمع ہوتی تھیں۔

بیت المال میں آئی ہوئی رقم کو حضرت عمرؓ بڑی احتیاط سے خرچ کرتے تھے۔ ایک پیسہ بھی غلط طریقے سے نہ خرچ کرتے تھے۔ ایسی بات پر خرچ کرتے جس سے اسلامی حکومت اور رعایا کو فائدہ ہوتا۔ یہ تو سب لوگ جانتے ہی ہیں کہ عرب کا ملک ریگستان ہی ریگستان ہے۔ اس ریگستان میں حضرت عمرؓ نے بہت سی نہریں نکلوائیں۔ ان نہروں سے لوگوں کو پانی لینے میں آسانی ہوگئی۔ جگہ جگہ چھاؤنیاں قائم کیں۔ ان چھاؤنیوں میں فوج رہتی، اور یہ فوج رعایا کی حفاظت کرتی ان چھاؤنیوں سے کئی فائدے ہوئے لوٹ مار کرنے والوں کو ڈر پیدا ہوا اور انھوں نے لوٹ مار چھوڑ دی۔ اب تجارتی قافلے بے کھٹکے آتے جاتے۔ اس طرح تجارت میں بڑی ترقی ہوئی۔ چھاؤنیوں سے دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اگر دشمن اسلامی حکومت کے اندر کہیں حملہ کرتا تو ان چھاؤنیوں سے فوراً اتنے سپاہی مقابلے کے لیے بھیج دیے جاتے۔ جو دشمن کو روکتے اس کے بعد اور مجاہدین (اللہ کی راہ میں لڑنے والے) بھیجے جاتے۔ ان چھاؤنیوں کے ڈر سے دشمنوں کو اسلامی حکومت میں گھسنے کی ہمت نہ پڑتی۔

حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے باہر سے جو لوگ مہمان کے طور پر

آتے تھے ان کے ٹھہرنے کے لیے کوئی خاص مکان نہ تھا۔ یہ مہمان یا تو مسجد نبوی میں ٹھہرتے یا پھر صحابہ دو دو چار چار چھ چھ مہمانوں کو اپنے گھر لے جاتے، حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں سرکاری مہمان خانے بنوائے۔ مدینہ میں بھی اور دوسرے صوبوں میں بھی۔ اب جو مہمان آتے سرکاری مہمان خانوں میں ٹھہرائے جاتے اور مہمان خانوں کے انتظام کرنے والے وہ بزرگ صحابہ بنائے گئے جو مہمانوں کی خاطرداری میں مشہور تھے۔

اس طرح کے کام حضرت عمرؓ نے اور بہت سے کیے۔ جب آپ بڑے ہوں گے اور بڑی بڑی کتابیں پڑھیں گے تو آپ اچھی طرح سمجھ لیں گے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے خلیفہ ہو کر کیسے بڑے بڑے کام کیے۔ ہم تو ان کی وہ باتیں بتانا چاہتے ہیں جن میں آپ کی دلچسپی کی باتیں ہیں۔ سنیے ایک بڑی نصیحت اور دلچسپی کی بات۔

ایک بار حضرت عمر فاروق رضؓ نے کچھ مسلمانوں کو بادشاہ مقوقس کے پاس بھیجا۔ مقوقس حضرت عمرؓ اور دوسرے مسلمانوں سے میل جول رکھتا یہ بات سب کو معلوم تھی۔ اب دیکھیے مسلمان مصر کے لیے چلے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کچھ عطر تحفے کے طور پر مقوقس کی بیگم کے لیے بھیجا۔ وہاں عطر بہت پسند کیا گیا۔ بیگم کے دل میں

اس برتاؤ کا بڑا اچھا اثر ہوا اس نے شکریہ ادا کیا۔ محبت بھرا خط لکھا اور ساتھ ہی بہت قیمتی تحفے (موتی) بھیجے۔ مصر کی ملکہ کے تحفے مدینہ میں آئے تو حضرت عمر رضؓ کو حال معلوم ہوا۔ آپ نے یہ کیا کہ یہ سارے تحفے بیت المال میں جمع کروا دیئے اور ان میں اتنے اپنی بیوی کے پاس بھجوا دیئے۔ جتنے عطر کے بدلے مناسب سمجھے۔ بیوی نے شکایت کی کہ یہ تحفے میرے نام ہیں اس لیے مجھے ملنا چاہیئں۔ جواب دیا "لیکن ان کے لانے والے سرکاری لوگ تھے اور یہ کہ یہ تحفے تم کو اس لیے ملے کہ تم خلیفہ کی بیوی ہو اور خلیفہ جس طرح تمہارا ہے اسی طرح سارے مسلمانوں کا ہے"۔ بیوی یہ سُن کر چُپ ہو گئیں۔ یہ بیوی تھیں "ام کلثوم" حضرت علی رضؓ کی بیٹی۔ حضرت علیؓ نے یہ سُنا تو مسکرائے، اور حضرت عمر رضؓ کے فیصلے سے خوش ہوئے۔

یہ واقعہ ہم نے آپ کو اس لیے بتایا کہ آپ جان لیں کہ حضرت عمر رضؓ بیت المال کے معاملے میں کیسی احتیاط برتتے تھے۔ اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔

حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں ایسے بہت سے لوگ موجود تھے جنہوں نے اسلام کے لیے اپنی جانیں لڑائی تھیں اور اب بھی ہر وقت اسلام پر قربان ہونے کے لیے تیار رہتے تھے۔ ان لوگوں کے لیے حضرت عمر رضؓ نے

بیت المال سے وظیفے مقرر کیے۔ جب آپ ہر ایک کا وظیفہ مقرر کرنے لگے تو صحابہ رضؓ سے رائے لی کہ پہلے کس کے نام سے وظیفہ شروع ہونا چاہیئے۔ کچھ صحابہ رضؓ نے رائے دی کہ آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔ سب سے پہلے آپ کا نام لکھا جانا چاہیئے لیکن حضرت عمر رضؓ نے کہا " نہیں میں تو ان لوگوں سے شروع کروں گا جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب رہے "۔ یہ بات سُن کر لوگ اس لیے بہت خوش ہوئے کہ حضرت عمر رضؓ کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کس درجہ محبت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے رشتے سے وظیفے دینا شروع کیے۔ حضورؐ کے رشتے سے سب سے پہلے حق امہات المومنین[1] کو پہنچتا تھا۔ اس لیے رجسٹر میں سب سے پہلے ان ہی کا نام لکھا گیا اور ان کے نام کے سامنے بارہ بارہ ہزار درہم لکھے گئے۔ یہ رقم سارے وظیفوں میں سب سے زیادہ تھی۔ امہات المومنین کے بعد پیارے نبیؐ کے خاندان کے دوسرے بزرگوں کو وظیفے دیئے گئے۔ اس طرح خود حضرت عمر رضؓ کے خاندان کا نام پانچ خاندانوں کے بعد آیا لیکن حضرت عمر رضؓ خوش تھے کہ حضورؐ کے گھرانے والوں کو سب سے پہلے وظیفہ دیا گیا۔

---

[1] امہات المومنین، یعنی مسلمانوں کی مائیں۔ یہ لقب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہم مسلمانوں کی مائیں ہی ہیں

اس سلسلے میں ایک مزے دار اور نصیحت والی بات سنیے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہ رضؓ کو بیٹے کی طرح مانتے تھے۔ ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ انھیں بیٹا بھی بنا لیا تھا لیکن جب اللہ کا حکم آیا کہ پرائے شخص کا بیٹا، اصلی بیٹے کی طرح نہیں ہو سکتا تو پھر وہ منھ بولے تو نہیں رہے تھے لیکن حضورؐ کو ان سے محبت اسی طرح رہی۔ حضرت زید رضؓ کے بیٹے حضرت اُسامہ رضؓ کو بھی حضورؐ بہت چاہتے تھے۔ انہی حضرت اُسامہ رضؓ کا وظیفہ حضرت عمر رضؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضؓ سے زیادہ مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ وہ صحابی تھے کہ ان کی نیکیوں کی تعریف پیارے حضورؐ خود فرمایا کرتے تھے۔ انھوں نے شکایت کی کہ اُسامہ رضؓ کا وظیفہ مجھ سے زیادہ کیوں رکھا گیا تو جواب دیا "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ رضؓ کو تجھ سے اور اسامہ رضؓ کے باپ کو تیرے باپ سے (یعنی مجھ سے) زیادہ چاہتے تھے" دیکھا آپ نے حضورؐ کی محبت کتنی زیادہ تھی حضرت عمر رضؓ کے دل میں۔ حضورؐ کی محبت کے آگے وہ کسی کی محبت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ جب اس طرح سارے وظیفے مقرر ہو چکے تو پھر دوسروں کے نام لکھے گئے۔ ان میں سب سے پہلے ان لوگوں کے نام تھے۔ جو حضورؐ کے ساتھ ہو کر بدر کے میدان میں کافروں سے لڑے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی رقم ایسے بچوں کو دینا شروع کی تھی جن کا دودھ مائیں چھڑا چکی ہوں۔ وظیفے کے لالچ میں مائیں پورے دو برس بھی دودھ نہ پلائیں اور اس سے پہلے دودھ چھڑا دینے کی کوشش کریں تاکہ بچوں کا وظیفہ حاصل کرلیں۔ ایک بار حضرت عمر رضؓ نے ایک ایسی ہی عورت کو دیکھا۔ اس کا بچہ رو رہا تھا اور وہ اسے دودھ نہیں پلا رہی تھی، آپ نے اُسے ڈانٹا کہ بچے کو دودھ کیوں نہیں پلاتی۔ اس نے جواب دیا " بھائی! تم جانتے نہیں، ہمارے خلیفہ نے اعلان کیا ہے کہ جن بچوں کا دودھ چھوٹ چکا ہو، انھیں وظیفہ دیا جائے۔ اسی لیے میں بچے کی عادت چھڑا رہی ہوں"

وہ عورت حضرت عمر رضؓ کو پہچانتی نہیں تھی۔ لیکن خلیفہ پر اس بات کا بڑا اثر ہوا۔ آپ نے دل میں کہا کہ اے عمر! نہ جانے کتنے بچے اسی طرح روتے ہوں گے اور ماؤں کے دودھ کو ترس رہے ہوں گے۔ یہ سوچ کر جلدی جلدی واپس مدینہ آئے اور حکم دے دیا کہ جس دن بچہ پیدا ہو اُسی دن سے اُسے وظیفہ دیا جائے۔

دین پھیلانا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے خلافت کا کام بڑے اچھے طریقے سے کیا، انھوں نے بڑے بڑے کام کیے لیکن سب سے بڑا کام جو انھوں نے کیا وہ یہ کہ اللہ کے دین کو خوب پھیلایا۔ نئے نئے ملک فتح ہوئے اور وہ اسلامی حکومت میں شامل کیے گئے۔ ساتھ ہی ایسا انتظام کیا کہ بہت سے لوگ خوشی خوشی مسلمان ہو گئے۔ زبردستی کسی کو مسلمان کرنا حضرت عمر بالکل پسند نہ کرتے تھے۔ حکم تھا کہ غیر مسلموں کو اسلام کی خوبیاں سمجھائی جائیں۔ مسلمان اسلام کا سچا نمونہ بنیں یعنی اللہ کے حکموں پر اس طرح چلیں جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، سمجھایا اور خود نمونہ دے کر سکھایا ہے، ہمیشہ اچھے کام کریں۔ نماز دل لگا کر پڑھیں۔ سچ بولیں۔ وعدہ پورا کریں۔ کسی کو دھوکہ نہ دیں، دشمنوں سے لڑنا پڑے تو ان کے بچوں، بوڑھوں، اور ان کی عورتوں کو نہ ستائیں۔ حضرت سعد بن وقاص رض کو ایران کی فوجوں سے لڑنے بھیجا تو سمجھا دیا کہ لڑنے سے پہلے دشمن کو اسلام کی

خوبیاں سمجھائیں ۔اسلامی لشکر کا سردار ایسے شخص کو بناتے جو دین کی باتیں اچھی طرح جانتا ہوتا ۔ پھر جب کوئی ملک فتح ہوتا تو وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ ایسا اچھا برتاؤ کرتے کہ جو لوگ دشمن ہوتے وہ دوست بن جاتے ۔پھر وہ اسلام کو سمجھتے تو مسلمان ہو جاتے ۔ اس کی بہت سی مثالیں حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں ملتی ہیں ۔ کچھ واقعات نیچے لکھے جاتے ہیں :۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے ایران فتح کرنے کے لیے حضرت سعد بن وقاص رضؓ کو بھیجا تو ایرانیوں سے بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ ان لڑائیوں میں ایک ایرانی سردار ہرمزان نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا ۔ اس نے بار بار مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ دھوکہ دے کر بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا ۔آخر ایک سخت لڑائی کے بعد وہ پکڑا گیا ۔ اُسے قید کر کے حضرت عمر رضؓ کے پاس بھیجا گیا ۔حضرت عمر رضؓ اس کی شرارتوں کے بارے میں سُن چکے تھے ۔ دل میں سوچ لیا تھا کہ جیسے ہی ہرمزان مدینے میں آئیگا اسے قتل کرنیکا حکم دیدیا جائیگا۔ وہ آیا حضرت عمرؓ نے اسے قتل کرنیکا حکم دیدیا۔ ہرمزان بڑا سمجھ دار آدمی تھا ۔ وہ جانتا تھا کہ جب مسلمان کسی سے وعدہ کرتے ہیں ۔ تو اُسے ضرور پورا کرتے ہیں ، اور وعدے کا پورا کرنا ، ان کے مذہب میں واجب ہے تو بس اُس نے اپنے بچنے کی تدبیر سوچ لی ۔اپنے قتل

کا حکم سُنا تو بولا۔" میں پیاسا ہوں مجھے پانی پلا دیجیے"۔ حضرت عمرؓ نے پانی منگا دیا۔ اس نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور کہا" میں چاہتا ہوں کہ جب تک یہ پانی نہ پی لوں آپ مجھے قتل نہ ہونے دیں"

حضرت عمرؓ نے کہا" ہاں یہ پانی تم پی لو۔ اس کے پینے سے پہلے تم کو قتل نہیں کیا جائے گا"۔ یہ سنتے ہی ہرمزان نے وہ پانی پھینک دیا اور کہا کہ اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا" کیوں نہیں قتل کر سکتے؟" اس نے جواب دیا جس پانی کے پینے کا وعدہ تھا وہ تو زمین کے اندر جا چکا اور آپ نے وعدہ کیا ہے کہ اس پانی کے پینے سے پہلے قتل نہ کریں گے۔ آپ یہ پانی زمین سے نکال دیجئے اور مجھے پلا دیجئے تو قتل کیجئے"۔

یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ سوچ میں پڑ گئے۔ اُنھوں نے ہرمزان کو ڈانٹا کہ تو نے دھوکہ دیا لیکن دوسرے صحابہؓ نے کہا کہ سچ مچ آپ یہی وعدہ کر چکے ہیں اور وعدہ پورا کرنا واجب ہے۔ آپ اسلامی قانون سے اب اس کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ ہرمزان کی اس چالاکی پر مسکرا دیے اور حکم دیا کہ اسے چھوڑ دو۔

ہرمزان چھوڑ دیا گیا اور سرکاری مہمان بنا لیا گیا۔ چھوٹ کر ہرمزان نے غسل کیا۔ اس کے بعد آ کر کہا کہ میں اب اپنی خوشی سے مسلمان ہوتا ہوں کیونکہ

جو مذہب ایسے اچھے انسان بناتا ہے یں اس مذہب کے سچا ہونے میں کوئی شک نہیں سمجھتا۔ ہرمزان نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا: "اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لایق نہیں اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)۔

ہرمزان کے مسلمان ہونے سے حضرت عمر رضؓ بہت خوش ہوئے اس کو اپنے پاس ٹھہرالیا اور جب کوئی ایسی بات سامنے آتی جس میں لوگوں سے رائے لینا ہوتی تو ہرمزان سے بھی رائے لیتے۔

ایران کی لڑائیوں میں قادسیہ کی لڑائی بہت مشہور ہے۔ ایرانیوں کی فوج کا افسر رستم تھا اور اسلامی لشکر کے سردار حضرت سعد بن وقاص رضؓ تھے۔ سعد بن وقاص رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کے حکم کے مطابق حضرت مغیرہ رضؓ کو رستم کے پاس بھیجا۔ رستم نے سُنا کہ مغیرہ رضؓ ملنے آرہے ہیں تو اس نے دربار سجانے کا حکم دیا۔ مخمل کے گدّے بچھائے گئے۔ سونے چاندی کی کرسیاں۔ موتیوں سے سجا ہوا تخت اور طرح طرح کے سامان سے دربار سجایا گیا۔ دربار کے تمام لوگ سونے کے کنگن اور ریشم اور اطلس کے لباس پہن کر ٹھاٹ سے بیٹھے۔ مغیرہ رضؓ پہنچے تو ان کو ایرانیوں نے دیکھا وہ مسکرا دیئے۔ حضرت مغیرہ رضؓ کے کپڑے سادہ تھے۔ ان کے

پاس تلوار تو تھی لیکن میان نہیں تھی ۔ تلوار پر اُنھوں نے کپڑا لپیٹ لیا تھا۔ دوسرے ہتھیار ایسے ہی تھے ۔ حضرت مغیرہ رضؓ ان کے مسکرانے کا مطلب سمجھ گئے۔ وہ کچھ نہ بولے ۔ سیدھے بڑھتے ہوئے رستم کے تخت کے پاس پہنچے ۔ اس نے سونے کی کرسی پیش کی ۔ حضرت مغیرہ رضؓ نے سونے کی کرسی پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مردوں کے لیے سونا استعمال کرنا حرام قرار دیا ہے ۔

یہ سُن کر رستم نے ریشم اور کمخواب کے گدّے پر بیٹھنے کو کہا تو بھی وہی جواب ملا - اب رستم نے کہا کہ "آپ ہمارے مہمان ہیں ۔ آپ بتائیں کہ ہم آپ کو کہاں بٹھائیں "۔ حضرت مغیرہ رضؓ نے جواب دیا کہ ہمارے رسولؐ نے یہ بھی بتایا ہے کہ انسان ہونے کی نسبت سے سارے انسان برابر ہیں ۔ انسان کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان اس طرح بیٹھے جیسے وہ لوگوں کا خدا ہے ۔ ہمارا سردار ہم میں اس طرح بیٹھتا ہے کہ لوگ فرق نہیں کر سکتے ۔

حضرت مغیرہ رضؓ کی یہ بات سُن کر رستم بہت شرمایا ۔ بات یہ تھی کہ اس کا تخت سارے لوگوں سے بلندی پر بچھا تھا اور وہ اس پر اس طرح بیٹھا تھا جیسے کہ خدا ہی ہو ۔ لوگ جب اس کے تخت کے پاس جاتے تو سجدہ کرتے ۔ حضرت مغیرہ رضؓ نے سجدہ کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

حضرت مغیرہ رضؓ کی باتوں سے رستم تو شرمایا ہی تھا۔ اس کے دربار میں جو اچھے دل کے لوگ تھے۔ انھوں نے مغیرہ رضؓ کی تعریف کی۔ رستم نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا پھر کہا کہ ابھی کل کی بات ہے کہ تم لوگ ہمارے رعایا تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ آج تم ہم سے لڑنے آئے ہو۔ تمہارے پاس ہتھیار بھی ٹھیک سے نہیں ہیں۔ حضرت مغیرہ رضؓ نے جواب دیا کہ :-

"یہ سچ ہے کہ ہم گمراہ تھے، مُردار کھاتے تھے۔ آپس میں لڑتے مرتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے لیکن خدا نے ہمارے اندر ایک رسول بھیجا۔ اوّل اوّل تو ہم نے اس کا کہنا نہیں مانا۔ لیکن پھر اس کی باتیں دل میں اثر کرنے لگیں۔ ہم نے اللہ کے دین کو سمجھا اور مسلمان ہو گئے۔ ہم نے ساری برائیاں چھوڑ دیں اور اب اسی نبیؐ کے دوسرے خلیفہ کے حکم سے یہاں آئے ہیں اور آپ سے کہتے ہیں کہ آپ لوگ بھی اس سچے دین اسلام کو قبول کرلیں اور ان باتوں کو چھوڑ دیں جو انسان کو انسان نہیں رہنے دیتیں"۔

حضرت مغیرہ رضؓ نے اسی طرح اور باتیں کہیں۔ رستم نے کہا کہ تم بہت اچھی تقریر کرنا جانتے ہو لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم تمہارا کہنا مان لیں جبکہ تمہارے پاس تلوار تو ہے لیکن میان نہیں ہے۔

رستم سے یہ سنا تو حضرت مغیرہ رضؓ نے تلوار کے اوپر کا کپڑا الگ کیا

اور بولے "تم میان دیکھنا چاہتے ہو۔ حالانکہ اصل چیز تلوار ہے۔" یہ کہہ کر تلوار کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا تو ایرانیوں کے سامنے بجلی سی کوند گئی۔ تھوڑی دیر اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر رستم نے حضرت مغیرہ رضؓ کی باتیں ماننے سے انکار کر دیا۔

اس طرح جب اسلامی لشکر کا دوسری فوجوں سے سامنا ہوا تو لڑائی سے پہلے مسلمان دشمن فوج کے سردار سے جا کر ملے اور انھیں اسلام کی خوبیاں سمجھائیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ دشمن کی طرف سے لوگ آتے۔

ایک بار شام کے ملک میں اسلامی لشکر سے عیسائیوں کی لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ اسلامی لشکر کے افسر حضرت ابو عبیدہ رضؓ تھے۔ عیسائی سردار نے اپنا ایک نہایت قابل افسر ان کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان سے صلح کی بات کرے۔ جارج جب اسلامی لشکر میں پہنچا۔ اس وقت مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ اذان کے بعد مسلمانوں نے نماز شروع کر دی۔ جارج اسلامی عبادت کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مسلمانوں سے پوچھا "تمہارا سردار کون ہے؟" لوگوں نے حضرت ابو عبیدہ رضؓ کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے حضرت ابو عبیدہ رضؓ کو سادہ لباس پہنے اور زمین پر بیٹھے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس نے اسلام کے بارے میں کچھ باتیں پوچھیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے اسے اچھی طرح سمجھایا، وہ مسلمان ہو گیا۔

اُس نے مسلمان ہونے کے بعد کہا کہ اب میں واپس نہیں جاؤنگا
یہیں مسلمانوں کے ساتھ رہوں گا۔ لیکن حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے فرمایا
کہ تم عیسائیوں کی طرف سے بھیجے ہوئے آئے ہو۔ تمہارا یہاں رُکنا
ٹھیک نہیں۔ کل ہم اپنا آدمی عیسائیوں کے سردار کے پاس بھیجیں گے
تم اُس کے ساتھ چلے آنا۔

شام ہی کی لڑائیوں میں ایک لڑائی کا واقعہ یوں ہے کہ مسلمانوں
نے عیسائیوں کا مشہور شہر حمص فتح کر لیا۔ حمص میں عیسائی رہتے تھے
اب جو ٹیکس حمص سے عیسائی بادشاہ کو جاتا تھا وہ مسلمانوں نے وصول
کیا۔ لیکن چند ہی دنوں میں عیسائی اتنا بڑا لشکر لے کر آئے کہ حضرت
ابوعبیدہ رضؓ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس شہر کو چھوڑ دیں اور لڑنے کے لیے
دوسری جگہ جا کر ٹھہریں۔ تو جب حمص سے واپس ہوئے تو جتنا روپیہ شہر
سے وصول کیا تھا۔ وہ سب واپس کر دیا اور کہہ دیا کہ یہ روپیہ ہم نے
تم سے اس لیے لیا تھا کہ شہر اور شہر والوں کے لیے ہی خرچ ہوگا۔
اب جبکہ ہم یہاں سے جاتے ہیں تو کیوں لے جائیں۔

یہ سُنکر حمص کے عیسائی مسلمانوں کو دعائیں دینے لگے اور
کہنے لگے کہ خدا تم کو ہم پر حاکم بنائے۔

پھر جب جہاں جہاں مسلمانوں کی جیت ہوئی اور وہاں اسلام

حکومت کے مطابق انتظام ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ اسلام کیسا برکت والا مذہب ہے ۔ یہ دیکھ کر سارے کے سارے ملک مسلمان ہو گئے ۔ اس بارے میں بڑی بڑی کتابوں میں بہت سے واقعات ملتے ہیں جن کو ہم چھوڑتے ہیں ۔

جس جگہ کے لوگ مسلمان ہو جاتے ۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن کے درس کا انتظام فرماتے تھے ۔ اچھے سے اچھے قاری اور قرآن سکھانے والے بھیجے جاتے ۔ صحابہ رضؓ میں پانچ بزرگ ایسے تھے جو سب سے اچھے قاری مانے جاتے تھے ۔ یہ پانچوں بزرگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد تھے ، اور سب حافظ تھے ۔ ان میں حضرت ابو ایوب انصاری بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور حضرت ابی بن کعب رضؓ بیمار تھے ۔ ان دونوں کو تو باہر جانے کا موقع نہ ملا ، باقی تین بزرگ حضرت معاذ بن جبیل رضؓ عبادہ بن صامت رضؓ اور ابو الدرداء رضؓ کو شام کی طرف بھیجدیا ۔ ان بزرگوں نے وہاں قرآن خوب پھیلایا ۔ ہزاروں نومسلموں نے ان سے قرآن سیکھا ۔ ایک بار گنا گیا تو حضرت ابوالدرداء کے شاگرد ایک ہزار چھ سو نکلے ۔

حضرت عمر رضؓ نے جس طرح قرآن پھیلایا اسی طرح روزہ نماز وغیرہ کے قاعدے بتانے کے لیے بھی لوگ مقرر کیے ۔ لین دین شادی

بیاہ وغیرہ کے بارے میں بتانے والے مقرر کیے۔ اس طرح جو شخص مسلمان ہو جاتا وہ اسلام کی ساری باتیں معلوم کر لیتا تھا۔ حکم تھا کہ دین کی جو باتیں سُنو اس پر عمل کرو۔

کچھ خاص باتیں

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینے چلے گئے تو مکّے کے کافروں نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مدینے پر چڑھائی کر دی۔ حضورؐ نے سُنا تو پیارے صحابہ رضؓ کو ساتھ لے کر روکنے کے لیے بڑھے۔ بدر کے مقام پر کافروں سے لڑائی ہوئی۔ بدر کی لڑائی میں بہت سے کافر مارے گئے اور بہت سے قید ہوئے۔ ان قیدیوں کے بارے میں سوچا جانے لگا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے صحابہ رضؓ سے رائے لی۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے رائے دی کہ یہ سب اپنے ہی بھائی برادر ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے اور اس کے بدلے کچھ رقم (فدیہ) لے لی جائے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضؓ سے رائے لی۔ انھوں نے کہا کہ دین کے معاملے

میں بھائی برادری کا خیال نہیں کرنا چاہیئے ۔ میری رائے ہے کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے ۔

سب سے رائے لینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا —— قیدیوں کو چھوڑنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آیتیں اُتریں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے ہی ٹھیک تھی ۔ (دیکھیئے سورۂ انفال آیت ۶۷ ، ۶۸ ، ۶۹)

حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو بُلایا اور آیتیں سُنائیں ۔ پھر فرمایا کہ قرآن تو ہمارے گھر (یعنی ہم پر) نازل ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ کے دل میں پہلے سے اللہ تعالےٰ ڈال دیتا ہے ۔ حضرت عمرؓ کی یہی سوجھ بوجھ دیکھ کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے ۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جس راستے سے عمر گزرتے ہیں اس راستے سے شیطان بھاگ جاتا ہے

پیارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی سوجھ بوجھ کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ صرف اوپر والے واقعے ہی سے ثابت نہیں ہوتا اس کی اور بہت سی مثالیں ہیں ۔ مثلاً جب مسلمان مکہ سے ہجرت کرکے مدینے چلے گئے تو حضرت عمرؓ کو بار بار یہ خیال آتا تھا کہ مسلمان عورتوں کو پردہ کرنا چاہیئے ۔ انھوں نے حضورؐ سے کئی بار

کہا بھی۔ آخر اللہ تعالےٰ نے پردے کا حکم اتارا۔ اور سنیئے :-

مدینے میں ایک منافق تھا اس کا نام عبداللہ بن اُبی تھا۔ عبداللہ بن اُبی منافق ہی نہیں بلکہ منافقوں کا سردار تھا۔ زبان سے تو اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا تھا یعنی کہتا تھا کہ میں مسلمان ہوں مگر دل میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ یہ بات سب کو معلوم تھی لیکن اس کے ایک سمجھدار بیٹے جن کا نام بھی حضرت عبداللہ تھا وہ پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے ساتھیوں میں سے تھے۔ عبداللہ بن ابی مرا تو بیٹے نے پیارے رسولؐ سے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے کہا۔ پیارے نبیؐ رحم دل اور مروّت دار آدمی تھے۔ آپؐ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھا دی۔ حضرت عمرؓ نے تعجب کے ساتھ کہا " یارسول اللہؐ! آپ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی ؟ " پیارے نبیؐ چپ رہے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے نبیؐ کے پاس حکم بھیجا کہ منافق کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھانا چاہیئے تھا۔ حضورؐ نے یہ حکم بھی حضرت عمرؓ کو سُنایا۔

اسی طرح کی اور بھی مثالیں ہیں۔ جب پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینے میں آگئے تو یہ سوچا جانے لگا کہ نمازوں کے وقت مسلمانوں کو کیسے جمع کیا جایا کرے۔ کسی نے کہا کہ گھنٹی بجائی جایا کرے۔ کسی نے کہا ناقوس (سنکھ) پھونکا جایا کرے۔ مطلب یہ کہ جو جس کی سمجھ میں

آتا رائے دیتا۔ حضرت عمرؓ نے اذان دینے کی رائے دی۔ ان کے رائے دینے کے بعد ایک اور پیارے صحابی آگئے۔ انھوں نے آکر کہا کہ حضرت عمرؓ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں نے خواب میں اذان سُنی ہے اس کے بعد انھوں نے اذان کے بول سُنائے۔ پیارے نبیؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا۔

حضرت عمرؓ کے پیارے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ دین داری اور سمجھ داری میں ایسے اچھے تھے کہ پیارے نبیؐ نے انکی تعریف کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے والد (عمرؓ) کسی بات کے بارے میں جو کچھ سوچتے تھے وہی ہوتا تھا۔

اس بارے میں کتابوں کے اندر بہت سی باتیں لکھی ہیں لیکن ہم ان کو چھوڑتے ہیں صرف ایک دل چسپ بات اور لکھتے ہیں۔ وہ مزیدار بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایرانیوں سے ایک بہت بڑی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں لشکر اسلام کے سپہ سالار پیارے نبیؐ کے ماموں اور مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ ایرانیوں کی فوج بہت زیادہ تھی مسلمانوں کا لشکر بہت کم تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ مدد کے لیے فوج بھیجیے۔ عمر فاروقؓ نے چار مجاہد بھیجے اور لکھ دیا کہ میں نے چار ہزار کا لشکر بھیجا ہے ان کے

علاوہ بعد میں دوسرا لشکر بھیجوں گا۔

یہ چاروں مجاہد ایران پہنچے۔ انہوں نے خط سعد بن ابی وقاص رضؓ کو دیا۔ اُنھوں نے خط پڑھا تو پوچھا "چار ہزار کا لشکر یہی چار آدمی ہیں؟" ان چاروں مجاہدوں میں معدی کرب ایک مجاہد تھے۔ ان کو سپہ سالار کی بات لگ گئی وہ اسی وقت ایرانیوں کے لشکر کی طرف چلے۔ ایک طرف ایک ہزار کا لشکر ڈیرا ڈالے پڑا تھا۔ انھوں نے پوچھا۔ یہ لشکر کیسا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ہمارے سردار رستم کا چُنا ہوا لشکر ہے۔ معدی کرب نے پھر پوچھا اور تمہارا سردار کہاں ہے۔ بتایا کہ وہ سامنے! اُنھوں نے اُدھر دیکھا۔ وہاں ایک نہایت عمدہ گھوڑا بندھا دیکھا تو اُسی طرف چل دیئے۔ جاکر گھوڑا کھولا۔ لے کر چلے اور پکارے۔ "میں ہوں معدی کرب تم میں ہے کوئی جو مجھے روک سکے"۔ یہ سُن کر پورا ایک ہزار کا لشکر دوڑ پڑا۔ سب نے ہلّہ بول دیا۔ معدی کرب نے بھی تلوار نکالی۔ لڑتے بھڑتے اپنے لشکر کے پاس آگئے۔ مسلمانوں نے دیکھا تو مدد کے لیے بڑھے۔ اُنھیں دیکھ کر ایرانی واپس چلے گئے۔ معدی کرب نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہارے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ان کے لئے کافی تھا۔ اس کے بعد گھوڑا سعد بن ابی وقاصؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ لوگ سمجھ گئے کہ حضرت عمر رضؓ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے کہ چاروں مجاہدوں میں ہر

ایک، ہزار ہزار سپاہیوں کے برابر ہے ۔

اللہ تعالےٰ نے اس سوجھ بوجھ کے ساتھ ان کو زبان وقلم کا مالک بھی بنایا تھا یعنی وہ بڑی اچھی تقریر بھی کرتے تھے اور قلم سے جو بات لکھتے تھے ۔ وہ بہترین طریقے سے لکھتے تھے ۔ اس بات کو سارے صحابہؓ مانتے تھے ۔ ایک بار ایک صاحب نے خلافت کے بارے میں ایسی بات کہی جس سے جھگڑا ہو جانے کا اندیشہ تھا ۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو اعلان کرا دیا کہ جمعہ کو اس بارے میں تقریر کروں گا ۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے سُنا تو جمعہ کو منبر کے پاس جا کر بیٹھے اور ایک صاحب سے کہا "آج عمرؓ ایسی تقریر کریں گے کہ اس کا جواب نہیں"۔

سچ مچ حضرت عمرؓ نے وہ تقریر ایسی زوردار کی کہ بات سب کی سمجھ میں آگئی اور جھگڑا پیدا ہونے کا اندیشہ جاتا رہا ۔ بہت دنوں تک ان کی اس تقریر کو لوگوں نے یاد رکھا ۔ اسی طرح ان کی تحریر بھی بڑی زوردار ہوتی تھی ۔

حضرت عمر فاروقؓ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان تمام معاملوں میں خوب سوچ سمجھ کر بات کیا کریں ۔ اس بارے میں جب صحابہؓ کے پاس بیٹھتے تو کوئی بات چھیڑ دیتے ۔ لوگ آزادی کے ساتھ اس بات کے بارے میں کہتے سُنتے ۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت عمرؓ قرآن کی کسی آیت کا مطلب

پوچھ بیٹھتے اور صحابہؓ غور کر کے جواب دیتے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسی محفلوں میں کیسے کیسے قابل لوگ شریک ہوتے ہوں گے۔ لیکن حضرت عمرؓ اس محفل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی بٹھلاتے تھے۔ جو بڑی عمر کے نہ تھے بلکہ نوجوان تھے۔ بڑوں نے اعتراض کیا کہ حضرت! آپ ایسی محفلوں میں بچوں کو کیوں بلا کر بٹھا لیتے ہیں۔ یہ "بچوں" والی بات لوگوں نے حضرت "عبداللہ بن عباس رضؓ" کے بارے میں کہی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ یہ "بچہ" کیسا قابل ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ دین کی بہت سی باتوں میں حضرت عمرؓ کے شاگرد تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ذہین دیکھا تو ان محفلوں میں بیٹھنے کی اجازت دیدی۔ پھر جب بحث چھڑتی تو ان سے بھی پوچھا جاتا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جواب دینے کھڑے ہوتے تو کم عمری کی وجہ سے جھجکتے۔ حضرت عمرؓ اُن کا حوصلہ بڑھاتے۔ وہ جواب دیتے تو لوگوں کو معلوم ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، آدمی کو خوب پہچانتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ دو عبداللہ (عبداللہ بن عباس رضؓ اور عبداللہ بن عمرؓ) قرآن و حدیث کے ایسے عالم فاضل گزرے ہیں کہ ان کے زمانے میں ان کے برابر کوئی ایسا نہ تھا۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن عباس رضؓ حضرت عمرؓ کے شاگرد اور دوسرے عبداللہ بن عمرؓ ان کے پیارے بیٹے۔ دونوں

کو خوب ہی تربیت دی۔ تیسرے ایک اور صاحب تھے حضرت نافع رحمؒ
وہ بھی بہت مشہور ہیں وہ حضرت عمر رضؓ کے غلام تھے۔ یہ تینوں بہت
ہی نامی عالم گزرے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کے بارے میں یہ پڑھ کر یہ نہ سمجھنا
چاہیے کہ دوسرے ذہین اور ہونہار بچوں پر ان کی نظر نہیں تھی وہ دوسرے
ذہین بچوں کو دیکھتے تو اُن میں جو خوبی ہوتی اُسے اُبھارتے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ ان کے زمانے میں بچے تھے۔ وہ بڑے
نڈر تھے۔ حضرت عمر رضؓ ان کی اس خوبی کو اُبھارا کرتے تھے۔ ایک بار وہ
ایسے بچوں کی طرف گئے جن میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ بھی تھے۔
دوسرے بچے حضرت عمر رضؓ کو دیکھ کر ایک طرف ہو گئے اور کھیل ختم کر دیا
لیکن عبداللہ بن زبیر رضؓ نہ ہٹے۔ حضرت عمر رضؓ ان کے پاس گئے، (ڈانٹ کر
ر دکھانے کے لیے ڈانٹا) بولے "بچے تو راستے سے کیوں نہ ہٹا؟" انھوں
نے بھی نڈر ہو کر جواب دیا۔ "راستہ اتنا تنگ نہ تھا کہ آپ نکل نہ سکتے۔"
عبداللہ بن زبیر کی یہ باتیں دیکھتے تو فرمایا کرتے جیسا دودھ ویسا پوت۔[1]

---

[1] حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے نواسے تھے حواری رسول حضرت زبیرؓ کے بیٹے تھے۔ ماں کا نام حضرت اسمار تھا۔ اسمار حضرت صفیہؓ کی بہو تھیں جو حضرت حمزہ رضؓ کی بہن اور خود نہایت بہادر خاتون اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔

یہی عبداللہ بن زبیر رض ایک بار سفر میں آپ کے ساتھ تھے۔ یہ کمسن تھے اور اپنے ساتھ کے دوسرے بڑے لڑکوں کے ساتھ چہلیں کرتے جاتے تھے۔ راستے میں جھاڑیاں پڑیں۔ اُن کے پھل توڑ لاتے اور انھیں اچھالتے ہوئے چلتے؛ حضرت عمر رض اُن کی شوخی دیکھتے اور صرف اتنا کہتے۔
" دیکھو کبھی اونٹ بھڑکنے نہ پائیں "۔

سوچنے کی بات ہے۔ یہ حضرت عمر رض وہی عمر رض ہیں جن کے بارے میں لوگوں نے حضرت ابوبکر رض سے کہا تھا کہ آپ ایسے شخص کو خلیفہ بنائے جاتے ہیں جو بہت غصہ ور ہے اور حضرت ابوبکر رض نے جواب دیا تھا۔
" ہاں جب خلافت کا بوجھ پڑے گا تو عمر رض کا مزاج ایسا نہ رہے گا "۔
کیسی سچی بات نکلی۔ ہُوا بھی ایسا ہی۔ خلیفہ ہونے کے بعد دن بہ دن نرم ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ بچوں کی شرارتیں اور شوخیاں بھی برداشت کرتے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس وقت بچے تھے۔ ایک دن جمعہ کو حضرت عمر رض منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ حسین رض اُدھر آ نکلے۔ اُنھوں نے منبر پر اپنے پیارے نانا کو خطبہ دیتے دیکھا تھا۔ بچے تو تھے ہی آکر بولے۔
" آپ میرے نانا کی جگہ کیوں بیٹھے؟ "۔ حضرت عمر رض مسکرا دیئے۔ لیکن حضرت علی رض بیٹے کے بچپنے پر گھبرا گئے۔ حضرت عمر رض ان کی گھبراہٹ

تاڑ گئے اور کہا "کوئی بات نہیں بچپن ہے"۔

اس واقعے میں جہاں حسین رض کے بچپنے کی بات ظاہر ہوتی ہے وہاں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رض پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں اور رشتہ داروں، یہاں تک کہ بچوں تک کی بیحد عزت کرتے تھے۔

خلیفہ ہونے کے بعد مزاج میں ایسی نرمی آگئی تھی کہ بڑی سے بڑی بات سہہ جاتے تھے۔ حضرت عمر رض نے خلیفہ ہونے پر مشہور سپہ سالار حضرت خالد رض کو اس عہدے سے الگ کر دیا۔ حضرت خالد رض کے گھرانے کے ایک شخص نے بھرے مجمع میں ڈانٹ کر کہا "عمر رض! تو نے خدا کی تلوار کو میان میں کر دیا"۔ اس کے اس غصے پر صرف یہ کہا کہ "تم کو اپنے بھائی کی وجہ سے غصہ آ گیا"۔

اسی طرح حضرت عمر رض ایک بار تقریر کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ عورتوں کے مہر کی رقم سرکاری طور پر مقرر ہو جانا چاہیئے۔ اس پر ایک عورت نے ڈانٹ دیا۔ "عورتوں کے جس حق کے بارے میں اللہ اور اللہ کے رسول ؐ نے رقم مقرر نہیں کی تو اس پر تو پابندی لگانے والا کون ہوتا ہے؟" اس پر فرمایا کہ عمر سے زیادہ تو یہ بڑھیا دین جانتی ہے۔

ایک بار تقریر کرتے کرتے فرمایا "مسلمانو! اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم کیا کرو گے؟" ایک شخص نے تلوار نکال کر کہا "میں تجھے اس کی نوک

سے سیدھا کر دوں گا "۔ حضرت اس وقت بھی غصہ پی گئے۔ بولے اس قوم میں جب تک اس نوجوان جیسے لوگ باقی رہیں گے یہ قوم زندہ رہیگی

حضرت عمرؓ کبھی کبھی ایسی باتیں کرتے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے غرور اور غصے کو دبانے کی مشق کرتے ہیں۔ ایک روز خطبہ دیتے دیتے فرمانے لگے " میں بچپن میں بکریاں چرایا کرتا تھا اور اگر سستی کرتا تو میرا باپ مجھے پیٹتا تھا"۔ لوگوں نے سُنا تو آپس میں کہنے لگے " اس بات کے کہنے کی کیا ضرورت تھی "۔ حضرت عمرؓ نے سُنا تو بتایا کہ شیطان ورغلاتا ہے کہ اے عمرؓ! اب تو تم خلیفہ ہو۔ اس وقت بھی شیطان نے یہی کہا تو میں نے یوں اس کا گلا دبا دیا۔

ایک بار حضرت حسینؓ کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ حضرت عمرؓ کے ایک بیٹے کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ کھیل ہی کھیل میں کچھ اَن بَن ہو گئی۔ حضرت حسنؓ کی زبان سے نکل گیا کہ تو اور تیرا باپ دونوں میرے نانا کے غلام ہیں"۔

بیٹے نے گھر آکر باپ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے جاکر حضرت علیؓ سے کہا۔ حضرت علیؓ نے حسنؓ کو بُلایا اور کہا کہ " یوں کہا ہے؟" وہ چُپ کھڑے رہے تو حضرت علیؓ حضرت عمرؓ سے کہنے لگے " بچہ ہے بے سمجھ اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے "

حضرت عمر رضؓ نے حضرت علی رضؓ اور حضرت حسن رضؓ کو ساتھ لیا۔ مسجد نبوی میں پہنچے وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت حسن رضؓ سے کہا "بیٹا! تم نے مجھے اپنے نانا کا غلام کہا ہے۔ تو یہ لکھ دو" یہ لفظ لکھ دیئے گئے۔ حضرت عمر رضؓ نے ان لفظوں کو سینے سے لگا یا اور کہا "دیکھو! قیامت میں میرا معاملہ میرے رب کے سامنے پیش ہو تو تم یہی گواہی دینا"۔

اب حضرت علی رضؓ سمجھے کہ یہ سارا قصہ حضرت عمر رضؓ نے کیوں چھیڑا اور کیوں مسلمانوں کے درمیان لائے۔

آپ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ کیا بات ہوئی۔ سچی بات یہی ہے کہ حضرت عمر رضؓ کو حضرت حسن رضؓ کے نانا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر فخر ہوا اور اسلامی عقیدے کے مطابق جو پیارے نبیؐ کا غلام ہو جائے حضورؐ ہی کے کہنے پر چلے۔ اس سے بڑا مسلمان کون ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضؓ حضرت حسن رضؓ کی اس بات سے خفا ہونے کے بدلے خوش ہوئے۔

ایک اور واقعہ سنیئے، اس سے معلوم ہو گا کہ حضرت عمر رضؓ ان لوگوں کو کتنا عزیز رکھتے تھے، جن کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم عزیز رکھتے تھے، چاہے وہ غلام ہی ہوں۔ حضرت زید اور حضرت اسامہ بن زید کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں اب کچھ اور لوگوں کے بارے میں پڑھیئے۔

ایک بار کچھ صحابہؓ حضرت عمر رضؓ کے گھر بیٹھے تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ آپ لوگ جو بات سب سے زیادہ چاہتے ہوں بیان کریں۔ حضرت عمر رضؓ کے کہنے سے ایک صاحب نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے اُحد (پہاڑ) کے برابر سونا دے اور میں وہ سب اللہ کی راہ میں خیرات کردوں"۔ کسی نے کہا "اللہ تعالےٰ مجھے دین کا بڑا عالم بنائے تاکہ میں خوب دین پھیلاؤں"۔ ایک اور بزرگ نے کہا کہ "میں جہاد کروں اور شہید ہو جاؤں تاکہ خدا مجھ سے آخرت میں میرے کاموں کا حساب نہ لے"، اور اس طرح سب نے اپنی اپنی خواہش بیان کی آخر میں حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ "میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرے گھر کو سلمان فارسی رضؓ، صہیب رومیؓ اور بلال حبشی رضؓ جیسے لوگوں سے بھر دے اور میں اُن کے درمیان بیٹھوں"۔

جن بزرگوں کا نام حضرت عمر رضؓ نے لیا، یہ سب پیارے نبیؐ کو بہت عزیز تھے اور صحابہؓ میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ سلمان فارسیؓ کی عزت حضورؐ اتنی کرتے کہ راتوں کو ان سے مشورہ کرتے۔ صہیب رومی رضؓ کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ روم کا پہلا شخص ہے جو مسلمان ہوا اور حضرت بلال رضؓ تو موذن ہی تھے، آپ کے گھر کے انتظام کرنے والے تھے۔

شہادت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص تھا
ں کا نام فیروز تھا۔ فیروز پارسی مذہب کا ماننے والا تھا۔ اور حضرت
یرہ بن شعبہ رض کا غلام تھا۔ اس کو مسلمانوں سے بڑا بیر تھا۔ وہ سب
ے زیادہ حضرت عمر فاروق رض سے خفا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ
روز فارس کا رہنے والا تھا اور فارس حضرت عمر فاروق رض کے زمانے
ں فتح ہوا تھا۔ یہی قومی تعصب اس کے اندر تھا۔ وہ گھات میں رہتا
موقع ملے تو خلیفہ دوم کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ آخر ایک دن وہ
ہی کر گذرا جو اس کے دل میں تھا۔

حضرت عمر فاروق رض صبح کی نماز (نماز فجر) پڑھا رہے تھے۔ جماعت
سے نماز ہو رہی تھی۔ سارے نمازی بڑی توجہ اور پورے دھیان کے
اتھ جماعت میں شریک تھے۔ اچانک فیروز خنجر لے کر آیا۔ اور آتے
ی حضرت عمر رض پر وار کرنے لگا۔ اس نے چھ وار کیے۔ ایک بار اس
ا خنجر حضرت عمر فاروق رض کی ناف کے نیچے لگا۔ اس کے لگتے ہی آپ

نے ایک مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کو پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا تاکہ وہ نماز پڑھائیں اور خود گر پڑے ۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے جلدی جلدی نماز ختم کی ۔

فیروز نے کچھ دوسرے مسلمانوں پر بھی وار کیے ۔ انھیں زخم بھی آئے لیکن پھر وہ پکڑ لیا گیا جیسے ہی اُسے پکڑا گیا اس نے وہی خنجر اپنے مار لیا اور گر کر مر گیا ۔ مسلمان حضرت عمر رضؓ کو اٹھا کر گھر لے گئے ۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا "مجھے کس نے قتل کرنے کی کوشش کی ؟ بتایا گیا فیروز نے ۔ یہ سُن کر بولے ، اللہ کا شکر ہے کہ مجھے کسی مسلمان نے نہیں قتل کیا بلکہ کافر نے کیا" ۔

اس بات چیت کے بعد دوا علاج کی دوڑ بھاگ شروع ہو گئی حکیم آیا ۔ اس نے دوا دی لیکن دوا نے کام نہیں کیا ۔ سب آپ کی زندگی سے نا امید ہو گئے ۔ آپ سے کہنے لگے کہ جس طرح حضرت ابو بکر رضؓ نے اپنی زندگی میں خلیفہ چُن لیا تھا آپ بھی بتا جائیے کہ آپ کے بعد ہم کسے خلیفہ بنائیں ؟

حضرت عمر رضؓ کو بھی اس کی بڑی فکر تھی ۔ تمام صحابہ میں وہ ان صحابہ رضؓ کو سب سے بہتر سمجھتے تھے :-

(۱) حضرت علی رضؓ (۲) حضرت عثمان رضؓ (۳) حضرت عبدالرحمٰن

بن عوف رض (۴) حضرت سعد بن وقاص رض (۵) حضرت زبیر رض (۶) حضرت طلحہ رض ۔ حضرت عمر رض نے مسلمانوں سے کہا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بنا لینا ۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ رض بھی تو بہت قابل آدمی ہیں ۔ بڑے متقی ہیں ۔ رسول اللہ ؐ نے ان کی تعریف فرمائی ہے ، انھیں خلیفہ بنایا جائے ۔

یہ سن کر فرمایا کہ میرے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ ہرگز نہ بنایا جائے ۔ یہ بات خلیفہ دوم نے اس لیے فرمائی تھی کہ کہیں ان کے بعد ان کے ان کے بیٹے ہی کو خلافت سونپ دیں اور اسلام میں بادشاہت کے طریقے پر خلافت بیٹے کو مل جائے خلیفہ نے یہ بھی نصیحت کی کہ جو شخص میرے بعد خلیفہ ہو ، اس کو چاہیے کہ وہ مسلم اور غیر مسلم سب کے حق ادا کرتا رہے ۔ خدا اور اس کے رسول ؐ کی طرف سے جو ذمہ داریاں خلیفہ پر ہیں ان کو پورا کرتا رہے ۔ جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہیں اگر کوئی ان سے لڑے تو ان کے دشمنوں سے لڑا جائے ۔ اور ان کو جو حق دیا گیا ہے اس حق کا پورا پورا دھیان رکھے

اس طرح کی نصیحتیں کر کے اپنے بیٹے عبداللہ رض کو بلایا اور کہا کہ مجھ پر جو قرض ہو اسے میرا مکان بیچ کر ادا کر دینا ، پھر فرمایا کہ جاؤ حضرت عائشہ رض سے میری طرف سے کہو کہ میری قبر بھی

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنانے کی اجازت دے دیں۔

حضرت عمرؓ نے یہ اجازت اس لیے مانگی کہ حضورؐ حضرت عائشہؓ کے حجرے ہی میں دفن کیے گئے تھے اور جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تھا تو حضرت کے داہنی طرف انھیں دفن کیا گیا تھا۔ بائیں طرف جگہ خالی تھی یہ حضرت عائشہؓ نے اپنے لیے رکھی تھی لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جاکر اجازت مانگی تو ام المومنینؓ نے اجازت دیدی اور پھر حضرت عمرؓ کو حضورؐ کے پاس ہی دفن کر دیا گیا۔ اس طرح ۱۰ برس ۶ مہینے خلافت کا کام کر کے خلیفہ دوم زمین کے اندر جا سوئے۔ اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے آمین!

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

خاندان، پیشہ اور مزاج

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا۔ حضرت عثمان رض مکے کے مشہور خاندان بنو امیہ کے سب سے اچھے آدمی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بچپن میں ہی پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا۔ اس وقت بہت کم لوگ پڑھے لکھے ہوتے تھے اس لیے پڑھے لکھے لوگوں کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ پڑھے لکھے ہونے سے حضرت عثمان رض کو لوگ مانتے ہی تھے پھر یہ کہ جب وہ بڑے ہوئے اور انھوں نے تجارت شروع کی تو اللہ نے ان کی تجارت میں بڑی برکت دی۔ وہ تھوڑے ہی دنوں میں مکے کے بہت بڑے مال دار آدمی ہو گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت زیادہ مال دار ہو گئے تو

اُن کی اور زیادہ عزت ہونے لگی۔ مال دار لوگوں میں کچھ بُرائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مال دار آدمی بڑا کنجوس ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کو دیتا نہیں بلکہ دوسروں سے لینے کی فکر میں رہتا ہے۔ مال دار آدمی بڑا مغرور ہوتا ہے۔ وہ اپنے سے کم مال والوں اور غریبوں کو اپنے سے چھوٹا آدمی سمجھنے لگتا ہے اور انھیں اپنے کہنے پر چلانے کی کوشش کرتا ہے ایسی ہی کچھ اور بُرائیاں مال دار لوگوں میں ہوتی ہیں لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں یہ بُرائیاں نہیں تھیں۔ وہ بڑے نرم دل کے تھے۔ غریبوں کے دُکھ کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اور اپنے پیسے سے دوسروں کی مدد کیا کرتے تھے۔ اُنھیں غرور بھی نہ تھا۔ وہ سب کی عزت کرتے تھے اُس زمانے میں لوگ شراب پینا بُرا نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کبھی شراب نہیں پی۔ ایک اچھائی تو اُن میں سب سے زیادہ تھی۔ وہ بڑے شرمیلے تھے۔ بے شرمی کی باتوں کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ دیکھا آپ نے! کیسے اچھے اور شریف آدمی تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

مسلمان ہونا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دوستوں میں تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں دین اسلام پھیلانا شروع کیا تو حضرت

ابوبکر رض نے حضرت عثمان رض کو اسلام کی خوبیاں سمجھائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مسلمان ہو گئے۔ اُنھوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دُشمن اُنہی کے خاندان کے لوگ ہیں۔ وہ لوگ جانیں گے تو کیا کہیں گے۔

حضرت عثمان رض کے مسلمان ہونے کے بعد ان کے خاندان والوں نے سنا تو اُن کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ ان کو بڑی شرم آئی کہ ان کے گھرانے کا ایک پڑھا لکھا اور مال دار اور جوان آدمی نبی صلی اللہ کا طرف دار ہو گیا۔ ان سب نے حضرت عثمان رض کو بہت ستایا حضرت عثمان رض تو سچے دل سے مسلمان ہوئے تھے۔ وہ اپنے اسلام پر جمے رہے۔

شادی

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رض کا ایمان اتنا مضبوط دیکھا تو اپنی پیاری بیٹی رُقیہ رض کی شادی ان کے ساتھ کر دی۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت رقیہ رض کا انتقال ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم رض کا نکاح حضرت عثمان رض سے کر دیا۔

حضرت عثمان رض کے گھرانے والوں نے دیکھا کہ حضورؐ عثمان رض پر بہت مہربان ہیں تو انھوں نے ان پر اتنا زیادہ ظلم کرنا اور ستانا

شروع کر دیا کہ برداشت سے باہر ہو گیا۔ دوسرے مسلمانوں پر بھی اسی طرح کے ظلم ہو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو رائے دی کہ وہ حبش چلے جائیں۔ یہ حکم پا کر حضرت عثمان رضؓ حضرت ام کلثوم رضؓ کو لے کر حبشہ کی طرف چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد سُنا کہ مکّہ کے سب ہی لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سُن کر مکّہ واپس چلے آئے لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ اب کیا کرتے۔ وہ مکّہ ہی میں پھر رہنے لگے اور گھر والوں کے ظلم سہتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور رحؐ کے پاس حکم آیا کہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں آپؐ نے یہ حکم مسلمانوں کو سُنایا۔ مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے لگے۔ حضرت عثمان رضؓ بھی مکّے سے مدینہ ہجرت کر گئے۔ پھر جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی مدینے میں آ گئے تو تن من دھن سے حضورؐ کا ساتھ دینے میں لگ گئے اور پھر عمر بھر اللہ کے دین کو پھیلانے میں لگے رہے۔

دین کی خدمت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی بڑے اچھے آدمی تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد ان کی نیکیاں اور اچھائیاں بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ اب ان کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت بڑھ گئی۔ دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہو گیا۔ وہ ہر وقت آخرت کے حساب کتاب سے

ڈرنے لگے ۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بہت مال دار بنایا تھا۔ لیکن ان کو مال سے محبت نہیں تھی۔ وہ اپنے مال سے غریبوں اور رشتہ داروں کی مدد کیا کرتے تھے۔ اب وہ اپنا مال اسلام پر نچھاور کرنے لگے۔ مدینے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد بنائی تھی۔ وہ مسجد چھوٹی تھی۔ حضرت عثمان رضہ نے اپنے پیسے سے اُسے خوب بڑھا دیا۔ مدینہ کے پاس ایک جگہ پانی بہت کم تھا اور وہاں مسلمانوں کو دشمن یہودی اپنے کنوئیں سے پانی نہیں لینے دیتے تھے۔ حضرت عثمان رضہ نے اپنے پیسے سے وہاں کنواں خریدا اور مسلمانوں کو دے دیا۔ مسلمانوں کی دشمنوں سے لڑائیاں ہوئیں تو لڑائیوں کا زیادہ تر خرچ حضرت عثمان رضہ اٹھاتے ایک لڑائی میں تو پوری فوج کا تہائی خرچ اپنے ذمے لے لیا۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرنے لگے۔ دو لاکھ کی ایک رقم اپنے خاندان کے غریبوں کے لیے الگ کر دی تھی۔ جس سے اُن کے گھر والے فائدہ اٹھاتے تھے۔

یہ تو ہم بتا ہی چکے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بچپن ہی سے بڑے شرمیلے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد تو اور زیادہ شرمیلے ہو گئے۔ وہ کبھی ننگے ہو کر نہیں نہاتے تھے۔ بدن کا جو حصہ چھپانا اسلام میں فرض ہے حضرت عثمان رضہ کے بدن کا وہ حصہ کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضہ کی ان خوبیوں کی وجہ سے

ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

ایک بار نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے قریش سے صلح کرنے کے لیے ان کو بھیجا۔ وہ مکہ گئے تو کافروں نے اُنھیں قید کر دیا۔ خبر یہ اُڑی کہ حضرت عثمان رض کو شہید کر دیا گیا۔ اس خبر سے حضور م کو اتنا دُکھ ہوا کہ آپ نے بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا۔ تمام صحابہ رض بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لیے تیار ہو گئے لیکن پھر خبر ملی کہ وہ خیریت سے ہیں تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا ارادہ بدل دیا

ایک بار حضورم صحابہ رض کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اس وقت حضورم کا گھٹنا ذرا ذرا دکھائی دے رہا تھا۔ اتنے میں سُنا کہ عثمان رضی اللہ عنہ آرہے ہیں۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھٹ گھٹنہ چُھپا لیا۔ صحابہ رض نے پوچھا " حضورم نے اب تک نہیں چھپایا اب کیوں چُھپا لیا؟" فرمایا " عثمان رض آرہے ہیں۔ ان کی حیا سے تو فرشتے بھی شرماتے ہیں۔"

اس طرح حضرت عثمان رض نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے رہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے رہتے ان کے اندر وہ تمام اسلامی خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں جو ایک مسلمان میں ہونا چاہئیں اللہ کا ڈر، رسول سے محبت، نماز کا شوق، قرآن کی تلاوت، نرم دلی

صبر و شکر، فیاضی اور خیرات اور اسی طرح کی ساری اچھائیاں ان کے اندر جمع ہوگئیں۔ کیسے اچھے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ،

ایک لطیفہ ایک بار مدینہ میں قحط پڑا۔ وہاں کی سب سے بڑی خوراک کھجور تھی۔ وہ اس سال پیدا نہیں ہوئی۔ اس کی تجارت بھی نہ ہوسکی تو باہر سے بھی مال آنا بند ہوگیا۔ اب تو لوگ پریشان ہونے لگے۔ بھوکوں مرنے کی نوبت آگئی۔ اس زمانے میں حضرت عثمان رضہ نے باہر کے ملکوں سے بہت زیادہ غلہ منگایا۔ مدینے میں یہ خبر پھیلی تو غلے کی تاجر غلّہ خریدنے دوڑ پڑے اور دونے تگنے منافع پر غلہ مانگنے لگے۔ حضرت عثمان رضہ نے جواب دیا کہ مجھے اس سے زیادہ منافع مل رہا ہے۔ اب تو تاجر بہت حیران ہوئے۔ یہ خبر حضرت ابوبکر رضہ کو کی گئی۔ حضرت ابوبکر رضہ اس وقت خلیفہ تھے۔ انھوں نے آکر کہا کہ "اے عثمان! تم رسول اللہ ص کے داماد اور صحابی ہو تم کو پیسے کا لالچ نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ کے بندے بھوکوں مر رہے ہیں اور تم ہو کہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانا چاہتے ہو۔ تم بتاؤ کہ تم کو سب سے زیادہ منافع کون دے رہا ہے؟"

حضرت عثمان رضہ نے جواب دیا۔ "اللہ سب سے زیادہ منافع دینے والا ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ یہ غلہ بیچ دیا۔ آپ خلیفہ

ہیں آپ یہ غلہ لے جایئے اور اللہ کے بندوں کو بانٹ دیجئے"
یہ سُنکر لوگ خوش ہوگئے اور کہنے لگے "بے شک عثمان رض نے اس بار تجارت میں خوب نفع کمایا"۔

خلافت کا کام

یہی وجہ تھی کہ اس وقت کے سارے مسلمان حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کے بعد ان کو سب سے بڑا صحابی مانتے تھے اور اسی لیے حضرت عمر رض کے بعد انہی کو خلیفہ بنایا گیا۔

حضرت عثمان رض نے خلافت کا کام بڑے اچھے طریقے سے کیا وہ مال دار آدمی تھے۔ اس لیے تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ خدا کے واسطے ہی خلافت کا کام کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں بڑے بڑے ملک فتح ہوئے۔ پورا ایران اسلامی حکومت میں آیا۔ ایران کا بادشاہ یزدگرد انہی کے زمانہ میں مارا گیا۔ غزنی اور کابل کا ملک بھی فتح ہوا۔ پچھم کی طرف ایک بڑا ملک تونس بھی اسلامی حکومت کے تحت آگیا۔ حضرت عثمان رض کے زمانے میں سمندری لڑائیوں کے لیے بحری بیڑہ بھی بنایا گیا اور وہ بہت کامیابی کے ساتھ سمندری ڈاکوؤں کا مقابلہ کرتا رہا۔ اسی بیڑہ کے سپاہیوں نے قبرص کا جزیرہ عیسائیوں سے چھین لیا اور اندلس پر بھی حملہ آور ہوا۔

حضرت عثمان رضؓ نے رعایا کے آرام کے لیئے بہت سے پُل بنوائے۔ سڑکیں بنوائیں، مؤذنوں (اذان دینے والوں) کی تنخواہیں مقرر کیں۔ کیسے اچھے تھے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

ایسے اچھے اور نرم دل خلیفہ کو کچھ فسادیوں نے شہید کر دیا۔ مسلمانوں کو آپ کی شہادت سے بڑا افسوس ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ برس خلافت کا کام کیا۔ یعنی ۲۴ھ سے ۳۵ھ تک۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو۔ آمین

حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ مکہ کے مشہور خاندان قریش کے ہاشمی گھرانے سے تھے۔ وہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا ابو طالب کے بیٹے تھے۔ اس رشتے سے وہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ حضور بچپن ہی سے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہتے تھے۔ جب آپ کی شادی حضرت خدیجہ رض سے ہوگئی تو آپ انہی کے ساتھ رہنے لگے۔ پھر جب حضرت علی رض پانچ سال کے ہوئے تو حضور نے ان کو بھی اپنے ساتھ رکھ لیا۔ اس طرح حضرت علی رض کو بچپن ہی سے حضور کے ساتھ رہنے کا موقع مل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت اچھا ذہن دیا تھا۔ وہ بچپن ہی سے حضور سے بہت محبت کرنے لگے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضور کو نبی بنایا تو اس وقت حضرت علی رض دس برس سے کم ہی تھے۔ لیکن جیسے ہی حضور نے اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا۔ حضرت علی رض نے سنتے ہی آپ کو نبی مان لیا اور مسلمان

ہو گئے۔

کچھ دنوں کے بعد حضورؐ نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا۔ ہاشمی گھرانے کے مردوں کو بلا لاؤ۔ حضرت علی رضؓ سب کو بلا لائے تو ان سب کی خاطر داری کا انتظام انہی کو سونپا گیا۔ حضرت علی رضؓ اس وقت بارہ تیرہ برس کے نوجوان ہی تھے۔ لیکن انھوں نے بڑا اچھا انتظام کیا۔ سب کو کھانا کھلایا اس کے بعد حضورؐ نے ایک تقریر فرمائی۔ آپؐ نے اللہ کا دین پھیلانے کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے بعد پوچھا کہ اس کام میں کون میرا ساتھ دیتا ہے؟

اس موقع پر کوئی بھی ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوا تو حضرت علی رضؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ صحیح ہے کہ میں سب سے چھوٹی عمر کا ہوں۔ دُبلا پتلا ہوں اور میری آنکھیں بھی آئی ہوئی ہیں پھر بھی میں آپ کا ساتھ دوں گا۔

حضرت علی رضؓ کی اس بات پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ ایک نوجوان کی یہ ہمت! سچی بات یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ نے بارہ برس کی عمر میں یہ جو کچھ کہا، عمر بھر اس کو نبھایا۔ آگے چل کر مکہ کے قریش، عرب کے مشرکین اور یہودیوں سے بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ ان ساری لڑائیوں میں حضرت علی رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

اور ہر لڑائی میں بہادری سے لڑے۔ بڑے بڑے کٹھن موقعوں پر حضورؐ کا ساتھ دیا۔ جب حضورؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مدینہ ہجرت فرما گئے تو حضرت علی رضؓ کو گھر میں اپنی جگہ سُلایا اور فرمایا کہ جتنے لوگوں کی امانتیں میرے پاس رکھی ہیں اُنھیں واپس کردینا اس کے بعد خود بھی مدینے چلے آنا۔

حضرت علی رضؓ خطرے کو سمجھ رہے تھے۔ ہجرت کی رات میں کافروں نے حضورؐ کا گھیر لیا تھا اور طے یہ کیا تھا کہ صبح ہوتے ہی گھر میں داخل ہوکر (توبہ توبہ) حضورؐ کو قتل کردیں گے۔ اس خطرناک موقع پر حضرت علی رضؓ حضورؐ کی جگہ چادر اوڑھ کر سو گئے۔ اور اس کی پرواہ نہیں کی کہ کہیں حضورؐ کے دھوکے میں لوگ انہی کو نہ قتل کردیں۔

ہجرت کے بعد جب حضرت علی رضؓ مدینے پہنچے تو حضورؐ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی اُن سے کردی۔ حضرت علی رضؓ مدینے میں بھی حضورؐ ہی کے ساتھ رہتے تھے۔ شادی کے بعد الگ رہنے لگے۔ حالت یہ تھی کہ گھر میں بہت ہی غربت کا عالم تھا۔ حضورؐ نے ان کی غریبی کا خیال نہ کیا بلکہ یہ دیکھا کہ وہ ایک بہت ہی اچھے مسلمان اور دین دار شخص ہیں۔ حضورؐ نے پیاری بیٹی کو سمجھایا کہ میں نے تمہاری شادی ایسے شخص سے کی جو میری نظر میں بہت اچھا اور مجھے

بہت پیارا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضؓ کے کئی اولادیں ہوئیں۔ اُن میں سے حضرت حسن رضؓ اور حضرت حسین رضؓ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت علی رضؓ کے پاس کوئی جائداد نہیں تھی وہ محنت مزدوری کرکے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ محنت مزدوری کرکے جو کچھ کما کر لاتے اس کا بڑا حصہ خیرات میں نکل جاتا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ کل آمدنی خیرات کرتے اور گھر میں آتے تو خالی ہاتھ ہوتے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ بی بی فاطمہ رضؓ کھانا تیار کرتیں۔ سب مل کر کھانا کھانے بیٹھتے اور دروازے پر فقیر صدا لگاتا تو کھانا اُسے دیدیا جاتا اور گھر کے لوگ بھوکے سو رہتے۔ بھوکے سونے والوں میں بچے بھی ہوتے۔ گھر میں بچوں کو ایسی باتیں سکھائی جاتیں کہ وہ بھوکے ہونے کی شکایت نہ کرتے اور دوسروں کو دے کر وہ بھی خوش رہتے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضؓ کبھی مالدار نہ ہوسکے۔ گھر میں ہمیشہ غریبی ہی رہی۔ بی بی فاطمہ رضؓ گھر کا کام خود کرتیں۔ باہر سے پانی بھر کر لاتیں۔ چکی پیستیں۔ کھانا پکاتیں۔ حضرت علی رضؓ یہ سب دیکھتے۔ اُنھیں ترس بھی آتا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ نبیؐ کے پاس باہر سے بہت سا مال غنیمت

آگیا۔ حضرت علی رضؓ نے گھر آکر بی بی فاطمہ رضؓ سے کہا کہ اس موقع پر جاکر حضورؐ سے کہیے کہ ایک لونڈی دے دیں۔ یہ لونڈی گھر کے کاموں میں مدد کرے گی۔

حضرت علی رضؓ کے کہنے سے بی بی فاطمہ رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئیں لیکن شرم کے مارے کچھ نہ کہہ سکیں۔ خاموشی سے واپس چلی آئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضؓ تھے تو غریب لیکن گھر کے سارے لوگ بڑے عزت دار تھے۔ کسی سے کچھ مانگنا پسند نہ کرتے تھے۔

مدینہ آنے کے بعد کافروں سے حضورؐ کو بڑی سخت جنگیں لڑنی پڑیں۔ سب سے پہلی لڑائی بدر کے میدان میں ہوئی۔ اس لڑائی میں دشمن کے بڑے بڑے بہادروں کو حضرت علی رضؓ نے مار گرایا پھر اُحد کی جنگ ہوئی تو اس میں بھی بڑی بے جگری سے لڑے۔ اسی طرح خندق کی لڑائی ہوئی تو عرب کے مشہور بہادر عمر بن عبدود کا سامنا کیا۔ وہ ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا لیکن حضرت علی رضؓ کی تلوار سے نہ بچ سکا۔ پھر جب خیبر پر حضورؐ نے فوج کشی کی تو یہ قلعہ حضرت علی رضؓ نے بڑھ کر فتح کیا۔ اس طرح جتنی لڑائیاں لڑی گئیں۔ حضرت علی رضؓ نے سب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہمیشہ اپنے دشمن پر فتح حاصل کی

کسی سے کبھی نہیں ہارے۔

یہ تو تھی حضرت علی رض کی بہادری اور حضورؐ پر جان نچھاور کرنے کی کیفیت۔ دین دار ہونے کے اعتبار سے بھی ان کا مقام بہت اونچا تھا۔ قرآن اور حدیث کی باتوں کو ایسی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ بڑے بڑے لوگ اُن سے مشورہ کرتے۔ حضورؐ کے بعد جب حضرت ابوبکر رض خلیفہ ہوئے تو وہ بھی اُن سے مشورہ کرتے تھے۔ حضرت عمر رض جو دوسرے خلیفہ تھے اور خود بہت سمجھ دار آدمی تھے۔ وہ بھی اُن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رض نے اُن کی خوبیوں کو دیکھ کر جن چھ بزرگوں کو خلیفہ بنانے کے لیے کہا تھا ان میں حضرت علیؓ کا نام تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رض کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے اُن کو اپنا خلیفہ چُنا۔

حضرت علی رض نے خلیفہ ہونے کے بعد اسی طرح اسلامی حکومت کا کام کیا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سکھا اور سمجھا گئے تھے۔ قرآن و سنت کے موافق ہی سارے کام کیے۔ نہ تو کسی سے دب کر کوئی کام کیا اور نہ کسی لالچ میں آکر انصاف کے خلاف کوئی بات کی۔ نمونے کے طور پر نیچے ہم صرف تین واقعات لکھتے ہیں۔

(۱) ایک بار حضرت علی رض کے بھائی عقیل ان کے پاس آئے

اور اپنی ضرورت کے لیۓ کچھ روپے مانگے۔ حضرت علی رض نے بھائی کو جواب دیا کہ بیت المال میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے اور وہ اللہ کے مستحق بندوں کے لیے ہے۔ میں اللہ کی امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔ میرے پاس اپنا مال کچھ نہیں ہے جس میں سے دوں۔

یہ کہہ کر خالی ہاتھ بھائی کو واپس کر دیا۔ عقیل حضرت علی رض سے ناراض ہو گئے اور مدینے سے شام کی طرف چلے گئے اور پھر وہیں رہنے لگے۔

(۲) ایک بار حضرت علی رض کی زرہ گم ہو گئی۔ وہ زرہ ایک یہودی کے پاس نکلی۔ اس سے طلب کی گئی تو اس نے اپنی بتائی۔ حضرت علی رض نے اسلامی عدالت میں دعویٰ کر دیا۔ اس وقت مدینے کی اسلامی عدالت کے قاضی شریح رح تھے۔ قاضی شریح رح نے حضرت علی رض سے گواہ مانگے۔ انہوں نے گواہی میں اپنے بیٹے حسنؓ اور غلام عنبر کو پیش کیا۔ قاضی شریحؒ نے یہ گواہیاں رد کر دیں اور کہا کہ ان میں سے ایک بیٹا اور دوسرا غلام ہے کوئی اور گواہی لاؤ۔

حضرت علی رض دوسری گواہیاں پیش نہ کر سکے۔ تو زرہ یہودی کو دے دی گئی۔

یہ انصاف دیکھ کر یہودی کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس نے کہا کہ اسلام کی عدالت میں خلیفہ ایک عام آدمی کے برابر کھڑا کیا جاتا ہے۔

اور فیصلہ کرنے میں کسی کی طرفداری نہیں کی جاتی ہے۔ یہ کہہ کر یہودی مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے کہا کہ یہ زرہ حضرت علی رضہ ہی کی ہے لیکن پھر حضرت علی رضہ نے زرہ اسی کے پاس رہنے دی اور عدالت سے چلے آئے۔

(۳) ایک بار کچھ لوگ گرفتار کر کے حضرت علی رضہ کے سامنے لائے گئے۔ الزام یہ تھا کہ یہ لوگ آپ کو گالیاں دیتے ہیں اور آپ کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے باغی ہو جائیں اس لیے اُن کو قید کر دینا چاہیئے۔

حضرت علی رضہ نے جواب دیا کہ جب تک یہ لوگ جرم نہ کریں میں ان کو سزا نہیں دے سکتا۔ رہ گئی گالیاں دینے اور مجھے بُرا کہنے کی بات تو میں ان باتوں کا جواب نہیں دیتا۔ تم چاہو تو گالیوں کے بدلے اُنھیں گالیاں دو۔ مگر گالیاں بکنا خدا کو پسند نہیں ہے۔

اس جواب کے بعد وہ سب قیدی چھوڑ دیئے گئے۔ اس طرح پانچ برس سے کچھ کم حضرت علی رضہ نے خلافت کا کام کیا خلیفہ ہونے کے بعد آپ کو ایک مشکل کا اور سامنا کرنا پڑا لیکن اُنھوں نے ہر مشکل کو جھیلا اور اللہ کے راستے سے نہ ہٹے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسے اچھے خلیفہ کے کچھ لوگ مخالف ہو گئے اور انھوں نے بہت سے لوگوں

اپنا طرف دار بنا لیا اس کے بعد حضرت علی رضؓ سے لڑے مگر جو لوگ جانتے تھے کہ حضرت علی رضؓ ہی حق پر ہیں انھوں نے ان لڑنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ ان لڑائیوں میں حضرت علیؓ ہی جیتے اور انھوں نے ہارنے والوں کو معاف کر دیا وہ سب بھی مسلمان تھے۔

ایسے اچھے خلیفہ کو ایک ظالم نے رمضان جیسے مبارک مہینے میں اس وقت شہید کر دیا جب کہ آپ فجر کی نماز کے لیے مسجد جا رہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح ۴۰ھ میں اسلام کا چوتھا خلیفہ اس دُنیا سے اُٹھ گیا پھر کوئی ایسا خلیفہ نہ ہو سکا جسے مسلمان اس طرح کا خلیفہ کہہ سکیں۔ جیسے حضرات ابوبکر رضؓ، عمرؓ، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ چاروں پیارے خلیفہ خلفائے راشدین کہلاتے ہیں۔ خلفائے راشدین کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے بنائے ہوئے قاعدے کے مطابق خلافت کا کام ٹھیک کرنے والے۔ ان سب نے مل کر تیس برس خلافت کا کام کیا۔ اللہ ان سب پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ہمیں ان کی پیروی کی توفیق بخشے۔ آمین۔

خلافت راشدہ کی خاص باتیں

(۱) خلافت راشدہ کی پہلی خاص بات یہ تھی کہ تمام مسلمان کسی دباؤ اور لالچ کے بغیر اپنے میں سے سب سے اچھے مسلمان کو اسلامی حکومت کا کام کرنے کے لیے چُن لیتے تھے۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کو اسی طرح خلیفہ چُنا گیا تھا۔

(۲) اگر کوئی خلیفۂ راشد سمجھدار مسلمانوں سے مشورہ کر کے اپنی زندگی ہی میں کسی کو خلیفہ چُن دیتا تھا یعنی یہ کہہ دیتا تھا کہ میرے بعد ان کو خلیفہ بنانا تو سارے مسلمان اس کے بعد اسکے چُنے ہوئے شخص کو خلیفہ مان لیتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے بارے میں اسی طرح وصیت فرمائی تھی۔

(۳) اگر کوئی خلیفہ اپنی زندگی میں کئی آدمیوں کے نام بتا کر

یہ کہہ دیتا تھا کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا لینا تو مسلمان اُن ہی میں سے ایک کو خلیفہ چُن لیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں چھ بزرگوں کے نام بتا دیئے تھے مسلمانوں نے ان ہی میں سے حضرت عثمان رضؓ کو خلیفہ چُنا تھا۔

نوٹ۔ خلفائے راشدین کی اولاد میں بڑے اچھے اور قابل لوگ ہوئے لیکن اُنھوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ اپنی جگہ اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو اپنی زندگی میں خلیفہ چُن دیتے اور کہہ جاتے کہ میرے بعد میرے اس بیٹے کو خلیفہ بنانا۔ کچھ لوگوں نے حضرت عمر رضؓ کو یہ رائے دی تھی کہ آپ کے فرزند حضرت عبداللہ بہت ہی سمجھدار اچھے اور سچے مسلمان ہیں آپ اپنے بعد اُن کو خلیفہ چُن دیں لیکن حضرت عمر رضؓ نے اس رائے کو پسند نہیں کیا بلکہ فرمادیا کہ میرے بعد میری اولاد میں سے کسی کو خلیفہ ہرگز نہ بنایا جائے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ بزرگ خلافت راشدہ (اسلامی حکومت) کو بادشاہت نہیں سمجھتے تھے کہ باپ کے بعد بیٹا اس کی جگہ تخت پر بیٹھے۔ یہ بزرگ اسلامی حکومت کو اللہ کی امانت سمجھتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ محبت میں آکر اپنے ہی قابل بیٹے کو خلیفہ بنا جائیں اور اس سے زیادہ اچھا سچا اور قابل مسلمان موجود ہو اور اس طرح امانت میں خیانت

ہو جائے۔

کچھ لوگوں نے حضرت علی رضؓ سے پوچھا "کیا ہم آپ کے بعد آپ کے پیارے بیٹے حضرت حسنؓ کو خلیفہ بنالیں؟" فرمایا " میں نہ تم کو اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں۔ تم لوگ خود اچھی طرح سمجھ سکتے ہو" ایک اور شخص نے اسی طرح کی بات کہی تو فرمایا " میں مسلمانوں کو اسی حالت میں چھوڑوں گا جس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا

(۴) خلافت راشدہ کے چاروں خلیفہ (حضرت ابو بکر رضؓ حضرت عمر رضؓ، حضرت عثمان رضؓ، حضرت علی رضؓ) سمجھ دار لوگوں کے مشورے سے اسلامی حکومت کا کام کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو جمع کر بات ان کے سامنے رکھتے اور سب سے پہلے یہ سوچتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟۔ اگر قرآن میں اس بات کے بارے میں حکم مل جاتا تو سب اسی کو مان لیتے۔ اگر قرآن میں صاف صاف حکم نہ ملتا تو یہ معلوم کرتے کہ پیارے رسولؐ نے اس بات کے کرنے کے لیے کیا فرمایا ہے یا کرکے دکھایا ہے؟۔ اگر پیارے رسولؐ کی زندگی میں ایسی بات نہ ملتی تو پھر سب مل کر سوچتے اور پھر جو سب کی رائے ہوتی۔ خلیفہ وہی کرتا تھا۔

(۵) پیارے رسولؐ کے چاروں پیارے خلیفہؓ (خلفائے راشدین) بیت المال

(اسلامی خزانے) کو اللہ اور اللہ کے بندوں کا مال سمجھتے تھے۔ اس مال میں سے ضرورت سے زیادہ مال لینے سے ڈرتے تھے۔ اپنا خرچ عام آدمی کے خرچ کے برابر لیتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے تو مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میں نے بیت المال سے جو کچھ لیا ہے، میرے بعد میرا مکان اور جائداد بیچ کر واپس کر دیا جائے۔ حضرت عثمانؓ بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ایک بار ایک پیارے صحابی حضرت سلمان فارسیؓ سے پوچھا "میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟"۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ اگر آپ ایک پیسہ بھی ناجائز طریقے سے لیں گے تو آپ بادشاہ کہلائیں گے پھر آپ خلیفہ نہیں ہو سکتے۔

(۶) اسلامی حکومت کا کام قرآن و سنت اور اچھے سچے اور سمجھ دار مسلمانوں کے فیصلوں کے مطابق کیا جاتا تھا۔

(۷) اسلامی عدالت میں اسلامی قانون کے آگے خلیفہ اور ایک عام آدمی برابر مانا جاتا تھا۔ انصاف سب کے لیے برابر تھا۔ کسی کی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔

(۸) غیر مسلم لوگوں سے تعصب نہیں ہوتا تھا۔ کسی کو مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے ستایا نہیں جاتا تھا۔ غیر مسلموں کو اپنے مذہب کے بارے میں پوری آزادی تھی۔

⑨ اگر خلیفہ غلط کام کرنے کا ارادہ کرتا تو ہر شخص اُسے روک اور ٹوک سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک بڑھیا نے ڈانٹ دیا تھا اور حضرت عمر رضؓ نے اُس کی رائے مان لی تھی۔

پیارے ساتھی رضی

قابلِ غور

تحریک اسلامی کے شجرِ سایہ دار کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن پیارے ساتھیوں نے اپنا خون پسینہ بہا کر سینچا تھا۔ اگلے صفحات میں انہی کا ولولہ انگیز تذکرہ ہے۔ ان بزرگوں نے اللہ کو خوش کرنے کی غرض سے تحریکِ اسلامی کو پروان چڑھانے کے لئے جو قربانیاں دیں، وہ آج ہم سے بھی کچھ مطالبہ کرتی ہیں یہ بات ہمیں بھولنا نہیں چاہیئے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ

مکے سے کچھ فاصلے پر ایک نخلستان[1] تھا۔ اس نخلستان میں غفاری خاندان کے کچھ لوگ رہا کرتے تھے۔ یہ خاندان ٹھیک اس راستے پر آباد تھا جہاں سے ہو کر مکے والے تجارت کے لیے آیا جایا کرتے تھے۔

اس خاندان میں دو بھائی تھے۔ ایک کا نام انیس اور دوسرے کا ابوذر تھا۔ ابوذر بڑے بہادر آدمی تھے۔ اکیلے اور تن تنہا بہت سے آدمیوں سے مقابلہ کر بیٹھتے تھے اور مار کر بھگا دیتے تھے۔ سوداگر لوگ تو اس طرف سے نکلا ہی کرتے تھے۔ ابوذر کبھی کبھی اکیلے سوداگروں کے پورے قافلے (گروہ) کو لوٹ لیا کرتے تھے۔

---

[1] نخلستان، ریگستان کے اندر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کچھ چشمے جاری کر دیتا ہے جن کی بدولت وہ جگہ ہری بھری ہو جاتی ہے۔ ایسی جگہ پر کھجوریں خوب اگتی ہیں نخل کے معنی کھجور اور ستان کے معنی جگہ۔ نخلستان کے معنی کھجوروں والی جگہ۔

ابوذر کی یہ حالت زیادہ دنوں تک نہیں رہی۔ تھوڑے ہی دنوں میں لوٹ مار سے نفرت ہوگئی۔ ڈاکہ مارنے سے توبہ کرلی۔ دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہوگیا۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ اس وقت عرب میں لوگ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، مگر ابوذر بتوں کو بالکل بے کار سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے۔ یہ پتھر کے بُت نہ تو بول سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سُن سکتے ہیں، نہ اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں، تو اُن کی پوجا سے کیا فائدہ؟ یہ دوسروں کی مدد کیا کرسکتے ہیں؟ پوجا اور عبادت تو بس اللہ کی کرنا چاہیے جس نے سب کچھ پیدا کیا اور جو سب کو روزی دینے والا ہے اور جس کے حکم پر دنیا کی ہر چیز کام کر رہی ہے۔ تو بس ابوذر اللہ کے سوا کسی اور کو الٰہ (عبادت کے لائق) نہیں سمجھتے تھے اور خدا ہی کی عبادت کرتے تھے، مگر کس طرح؟ —— یہ بات انھیں خود نہیں معلوم تھی۔ اور بھلا معلوم کیسے ہوتی؟ اللہ نے انھیں نبی تو بنایا نہیں تھا جو اپنے فرشتے جبریل کے ذریعے انھیں بتاتا، نہ دوسرے نبیوں سے ان کو دین کی ٹھیک ٹھیک باتیں معلوم ہو سکی تھیں۔ اور بھلا معلوم بھی کیسے ہوتیں؟ سیکڑوں برس سے عرب میں اللہ تعالےٰ نے کوئی نبی بھی نہیں بھیجا تھا۔ کسی کو دین کی خبر ہی نہیں تھی، تو ابوذر بے چارے کیا کرتے؟ بس جیسے جی چاہتا اللہ کو یاد کرلیتے۔ جس طرف جی چاہتا

منھ کرکے کھڑے ہوجاتے' اور جس طرح سمجھ میں آتا نماز پڑھ لیتے مگر اس بات سے ابوذر کو اطمینان نہیں تھا۔ وہ خدا سے دُعا کرتے تھے کہ اللہ کی عبادت کا ٹھیک ٹھیک طریقہ معلوم ہوجائے

اب اللہ کی مہربانی دیکھیے۔ اللہ تو بڑا مہربان ہے' وہ اپنے بندے کی ضرور سنتا ہے۔ ایک دن ایک آدمی نے کہا۔" ابوذر اللہ تعالےٰ نے مکّے میں ایک نبی پیدا کیا ہے' وہ اللہ کی عبادت کا ٹھیک طریقہ بتاتا ہے' اور تمہاری طرح لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ[1] کہتا ہے" یہ سننا تھا کہ ابوذر نے اپنے بھائی انیس سے کہا۔" بھائی ذرا اُن کے پاس جاؤ اور معلوم کرو۔ وہ نبی کیا کہتا ہے؟" انیس مکّے گئے' وہاں وہ ایک دن رہے۔ لوٹ کر آئے تو بتایا کہ" خدا کی قسم! وہ شخص (محمدؐ) اچھی باتیں سکھاتا ہے' اور بُری باتوں سے منع کرتا ہے۔" ابوذر نے پوچھا۔" اُس نے خدا کی عبادت کا طریقہ کیا بتایا؟" اب انیس چپ ——— ابوذر نے پھر پوچھا۔" اچھا خدا نے اس شخص (محمدؐ) پر فرشتے کے ذریعے جو کتاب اتاری ہے اُس میں سے کچھ سناؤ" ——— انیس اب بھی چپ ———

بھائی انیس نے مکّے جاکر اچھی طرح پوچھا نہ تھا' اس لیے زیادہ

---

[1] اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

کچھ بتا نہ سکے۔ ابوذر کے تو دل سے لگی تھی۔ بھائی کی باتوں سے اطمینان نہ ہوا تو خود چل پڑے، مکّے پہنچے، مگر مشکل یہ تھی کہ محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پہچانتے نہیں تھے اور یہ بھی سُنا تھا کہ مکّے والے محمد صلّے اللہ علیہ وسلّم سے کسی پردیسی کو ملنے نہیں دیتے۔ اب کیا ہو؟ بے چارے کعبے میں جا ٹھیرے۔ دو ایک دن میں جو کھانا تھا ختم ہو گیا۔ اب صرف زمزم کا پانی پی کر رہنے لگے۔ نہ کسی نے انھیں پوچھا، نہ انھوں نے کسی سے کچھ کہا۔ اتفاق سے ایک دن حضرت علیؓ اُن کے پاس سے ہو کر نکلے۔ انھیں دیکھا، پوچھا۔ "تم مسافر معلوم ہوتے ہو؟" جواب دیا۔ "جی ہاں۔"

حضرت علیؓ مسافر جان کر ابوذر کو اپنے گھر لے گئے۔ کھانا کھلایا، آرام سے رات بھر گھر پر رکھا، دوسرے دن رخصت کیا ابوذر پھر کعبے میں آ بیٹھے۔ اتفاق کی بات حضرت علیؓ پھر اس طرف جا نکلے۔ پوچھا۔ "تم کو ابھی کہیں ٹھکانا نہیں ملا؟" جواب دیا "نہیں۔" حضرت علیؓ پھر گھر لے گئے۔ راستے میں پوچھا۔ "بھائی یہاں کیسے آنا ہوا؟" ابوذر نے کہا۔ "اگر کسی کو بتاؤ نہیں تو میں کہوں۔" حضرت علیؓ نے کہا۔ "اطمینان رکھو، شوق سے دل کی بات بتاؤ میں کسی سے نہ کہوں گا۔"

اب ابوذر نے دل کی بات کہی۔ بولے "یہاں کوئی شخص اپنے کو نبی کہتا ہے، میں اس سے ملنے آیا ہوں۔" حضرت علیؓ خوش ہو کر بولے "بھائی ابوذر! تم نیکی کا راستہ پا گئے۔ اچھا میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اب راستے میں بات نہ کرنا۔ کوئی تمھاری بات نہ جانے، جس مکان میں جاؤں تم بھی میرے ساتھ چلے آنا۔" ابوذر نے کہا "بہت اچھا۔" اور پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ جاتے ہی پوچھا "یا رسول اللہ! بتائیے آپ اپنے دین کے بارے میں کیا بتاتے ہیں؟" پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی سب باتیں سمجھائیں۔ اللہ کی عبادت کا ٹھیک طریقہ بتایا، قرآن سنایا، ابوذر دیر تک حضورؐ سے باتیں کرتے رہے۔ جب اچھی طرح سمجھ میں آگیا تو مسلمان ہو گئے۔ کلمہ پڑھ لیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔")

ابوذر مسلمان ہو گئے تو پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا "اچھا، تم اب اپنے گھر جاؤ۔" حضرت ابوذر غفاریؓ کو اب تاب کہاں تھی، بہادر آدمی تو تھے ہی پہلے ہی کسی سے دبتے نہیں تھے، اب تو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں رہا۔ بولے "خدا کی قسم! میں اپنے

اسلام کو چھپا نہیں سکتا، ابھی لوگوں کے سامنے پکار پکار کر کہوں گا۔"
یہ کہہ کر کعبے میں گئے، مکے کے قریش کعبے میں جمع تھے۔ اُن کو پکار کر کہا۔
"قریشیو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق
نہیں، اور محمدؐ اُس کے بندے اور رسول ہیں۔"

ابوذرؓ کی زبان سے یہ سُننا تھا کہ قریش آپے سے باہر ہو گئے
اور سب حضرت ابوذر غفاریؓ پر ٹوٹ پڑے۔ ابوذرؓ تھے تو
اکیلے اور بہادر بھی تھے، چاہتے تو بہت سے لوگوں کو پیٹ دیتے
مگر سوچا، نہ جانے پیارے رسولؐ اس وقت مقابلے کو پسند نہ
کریں۔ بس یہ سوچ کر چپ رہے، پھر تو قریش نے جی بھر کے پیٹا۔
مارتے مارتے بے دم کر دیا۔

پیارے رسولؐ کے چچا حضرت عباسؓ اس وقت تک مسلمان
نہ ہوئے تھے مگر دل سے اسلام کے طرف دار تھے۔ ابوذرؓ کو
بے دردی کے ساتھ پٹتے دیکھا تو دوڑے، قریش کو ہٹایا اور ڈرایا
کہ "تم لوگ ایک غفاری جوان کی جان لینا چاہتے ہو، سوچو تو
جب تم تجارت کے لیے جاتے ہو تو غفاری خاندان کے راستے سے
نکلتے ہو، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ غفاری لوگ ابوذر کا بدلہ تم سے نہ لیں
گے؟ سب تم کو لوٹ لیں گے اور تمھارا راستہ بند کر دیں گے۔"

حضرت عباسؓ نے اس طرح ڈرایا تو قریش ہٹ گئے۔ مگر حضرت ابوذرؓ پھر بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے رہے قریش کو پھر تاؤ آیا، پھر جھپٹے، مگر حضرت عباسؓ نے بر روک دیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

اس کے بعد ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے اپنے گھر گئے اور سب کو دین کی باتیں سمجھانے لگے غفاری لوگ بڑے سمجھ دار تھے۔ دھیرے دھیرے سب مسلمان ہو گئے پھر پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم مکے سے مدینے ہجرت فرما گئے تو حضرت ابوذرؓ بھی مدینے جا پہنچے اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھیوں میں شامل ہو گئے۔

ایک بار پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کافروں سے لڑنے کے لیے نکلے، ابوذرؓ بھی ساتھ تھے۔ نہ جانے کیا بات ہوئی۔ ابوذرؓ کا اونٹ سست پڑ گیا۔ ابوذرؓ اسے جھڑکتے رہے اور ہنکانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر بھائی اونٹ بھی تو اونٹ ہی ہے، بڑا ضدی ہوتا ہے، کسی طرح نہ چلا۔ اب ابوذرؓ نے یہ کیا کہ اپنا سب سامان اونٹ پر سے اتارا، اپنی پیٹھ پر لادا۔ ابوذرؓ بڑے طاقتور تھے۔ اچھا تو لدے پھندے اسلامی لشکر کے پیچھے پیچھے پیدل

ہی چل دیے۔ مسلمان یہ سمجھے کہ ابوذرؓ لوٹ گئے۔ پیارے رسولؐ سے کہا۔ "حضورؐ! ابوذرؓ لوٹ گئے۔" آپؐ نے فرمایا "غم نہ کرو، اس کی نیت اچھی ہے۔ خدا جلد تم سے ملا دے گا۔"

اب سنیے، پیارے رسولؐ کچھ دور چل کر ٹھہر گئے، پڑاؤ ڈال دیا۔ بہت دیر کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ کوئی پیچھے سے آ رہا ہے۔ پیارے رسولؐ سے آکر کہا۔ "یا رسول اللہ! وہ راستے پر کوئی آ رہا ہے۔" پیارے رسولؐ نے فرمایا۔ "اللہ ابوذر پر رحم کرے، وہ اکیلے چلتے ہیں، وہ جب مریں گے تو اکیلے ہوں گے اور قیامت کے دن بھی اکیلے اٹھیں گے۔"

پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات کبھی غلط نہیں ہوئی۔ بھلا غلط کیسے ہوتی، اللہ کے رسول تھے۔ آپؐ غلط بات کیسے کہتے۔ دیکھیے یہ بات کس طرح ٹھیک نکلی؟

پیارے رسولؐ جب اللہ کو پیارے ہوئے تو حضرت ابوذرؓ مدینے سے نکل کر "ربذہ" نامی ایک سنسان جگہ رہنے لگے۔ وہاں بیمار ہوئے، دوا علاج وہاں کون کرتا۔ بیوی رونے لگیں۔ پوچھا کیوں روتی ہو؟" ان بے چاری نے کہا۔ "تم اس سنسان جگہ پر رہنے والے ہو، یہاں میرے اور تمہارے ان چلیتروں کے سوا اور

کچھ نہیں۔ ہے۔ تمھیں کفن کہاں سے ملے گا؟" بیوی کی یہ بات سنی تو حضرت ابوذرؓ بولے :۔

"رونا بند کرو۔ میں تمھیں پیارے رسولؐ کی ایک بات سناتا ہوں۔ میں نے اپنے دوست محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم میں سے ایک شخص سنسان جگہ میں مرے گا، اور اس کی موت کے وقت وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچ جائے گی جن لوگوں کے درمیان میرے دوست محمدؐ نے یہ بات کہی تھی، ان میں سے سب بستی میں مر چکے ہیں، اب اکیلا میں ہی رہ گیا ہوں۔ اس لیے یہ بچ وہ میں ہی ہوں۔ اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں نے تم سے جھوٹ کہا ہے اور نہ کہنے والے (محمدؐ) نے۔ تم راستے پر جا کر دیکھو، مدد کے لیے لوگ ضرور آرہے ہوں گے۔" یہ سنکر بیوی نے کہا :۔

"حاجی لوگ بھی تو جا چکے اور راستہ چلنے والے مسافر جا چکے۔"

ابوذرؓ نے پھر کہا: "دیکھو تو!"

شوہر کے کہنے سے بیوی اٹھیں۔ دوڑ کر ایک ٹیلے پر چڑھ گئیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر شوہر کے پاس آئیں، اُن کی دیکھ بھال کی، پھر دوسرے ٹیلے پر پہنچیں، اور پھر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ وہ بار بار آکر شوہر کو دیکھتیں اور دوڑ دوڑ کر لوگوں کا راستہ تکتیں۔ ایک بار

جا کر دیکھا تو کچھ سوار آتے دکھائی دیے۔ اشارے سے اُن کو بلایا وہ لوگ جھپٹ کر آئے اور پوچھا "یہ بیمار بزرگ کون ہیں؟ بیوی نے کہا کہ یہ ابوذرؓ ہیں، پیارے رسولؐ کے مشہور صحابی۔"

ابوذرؓ کا نام سنا تو وہ لوگ محبت اور ادب سے اُن کے پاس گئے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ حضرت ابوذرؓ سے فرمایا تھا، وہ سب انھوں نے لوگوں کو سنایا اور پھر نصیحتیں کیں۔ اس کے بعد اسی جگہ انتقال فرمایا تو ان لوگوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کا کفن دفن کیا۔ اللہ کی رحمت ہو پیارے رسولؐ کے پیارے ساتھی حضرت ابوذر غفاریؓ پر۔

پیارے رسولؐ نے ان ہی کے بارے میں فرمایا ہے: "آسمان سے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذرؓ سے زیادہ سچّا کوئی نہیں ہے۔"

حضرت خالد بن سعیدؓ

پیارے رسولؐ کے پیارے ساتھیوں میں دو خالد بہت مشہور ہوئے۔ ایک خالد بن ولیدؓ (ولید کے بیٹے خالدؓ) دوسرے خالد بن سعیدؓ (سعید کے بیٹے خالد) سعید کے بیٹے خالدؓ کا حال نیچے لکھا جاتا ہے:۔

خالد بن سعیدؓ مکے کے ایک بڑے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج بہت کم تھا۔ لیکن خالد بن سعیدؓ نے اپنی محنت اور شوق کے بَل بوتے پر اچھا خاصا پڑھ لیا تھا۔ بڑے ہوئے تو ایک دن خواب میں دیکھا کہ ایک غار ہے، غار میں آگ بھری ہے آگ جل رہی ہے، شعلے اُٹھ رہے ہیں، اور یہ اسی کے کنارے کھڑے ہیں، اور اُن کے والد اُن کو اس آگ میں ڈھکیل رہے ہیں۔ لیکن پیارے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن کا گلا پکڑے روک رہے ہیں اور غار میں گرنے نہیں دیتے۔

یہ خواب دیکھا تو گھبرا کر جاگ اٹھے۔ بولے۔ "خدا کی قسم یہ خواب بالکل سچا ہے۔" خالد بن سعیدؓ سمجھ گئے کہ یہ آگ جہنم کی آگ ہے پیارے رسولؐ کا کہنا مان کر ہی ہم اس سے بچ سکتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ سے دوستی تھی۔ فوراً اُن کے پاس گئے۔ خواب کا حال سُنایا وہ بھی سمجھ گئے۔ کہا۔ "تمھارا خواب بالکل سچا ہے۔ وہ آگ سچ مچ جہنم کی آگ ہے۔ تمھارے باپ مسلمان نہ ہوں گے۔ وہ تم کو بھی مسلمان بننے سے روکیں گے اور اپنے ساتھ جہنم کی طرف لے جانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن پیارے رسولؐ تم کو جہنم سے بچالیں گے۔ خدا کی قسم تم ایک نہ ایک دن ضرور مسلمان ہوگے۔ اس لیے میری رائے ہے کہ تم ابھی مسلمان ہو جاؤ۔"

حضرت ابو بکرؓ کے کہنے سے خالد بن سعیدؓ پیارے رسولؐ کے پاس پہنچے۔ پوچھا "آپ کیا بات سب کو بتاتے ہیں؟" پیارے رسولؐ نے فرمایا۔ "میں کہتا ہوں کہ صرف ایک خدا کو پوجو۔ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے، وہی ساری ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے، وہی مالک ہے، اسی کا حکم مانو۔ اگر کوئی خدا کے حکم کے خلاف حکم دے تو حکم نہ مانو۔ اور مجھ کو اللہ کا رسول جانو۔ بتوں کی پوجا چھوڑ دو یہ بُت بے جان ہیں، بہرے ہیں، گونگے ہیں۔ یہ بت تو نہیں سمجھتے کہ

کون ان کی پوجا کر رہا ہے۔ جو میرا کہا مانے گا، وہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے گا۔"

پیارے رسول ؐ کی زبان سے سنا تو خالد بن سعیدؓ نے فوراً مان لیا اور کلمہ پڑھ لیا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ محمد اللہ کے رسول ہیں۔) مسلمان ہو گئے۔ تو دوسروں کو بھی مسلمان بنانے کی کوشش کرنے لگے۔ باپ کو خبر ہوئی تو وہ بہت خفا ہوا۔ اُن کے بھائیوں کو بھیجا کہ پکڑ لائیں۔ وہ خالد بن سعیدؓ کو پکڑ لے گئے۔ باپ نے کہا: "اسلام چھوڑ دو۔ خالد نے کہا چاہے جان جائے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نہیں چھوڑ سکتا۔" یہ جواب سنکر باپ بہت جھلایا، ڈانٹا اور دھمکانا شروع کیا خالدؓ ذرا بھی نہیں ڈرے، تو مارنا شروع کیا۔ اور ایسا ایسا مارا کہ سر پر پڑتے پڑتے لکڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ جب مارتے ... تھک گئے تو باپ نے پھر کہا: "تم دیکھتے ہو؟ کہ محمد سب لوگوں سے جھگڑ رہے ہیں۔ بتوں کی برائیاں بیان کرتے ہیں، باپ دادا کی رسموں کو برا کہتے ہیں اور تم ہو کہ ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہو؟" خالدؓ پر بری طرح مار پڑی۔ بے حد پیٹے گئے۔ اس کے بعد باپ سے یہ سُنا تو بھی خالدؓ نے وہی جواب دیا کہ خدا کی قسم محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ

جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔ میں ہمیشہ اُن کے ساتھ رہوں گا۔" بیٹے کی زبان سے یہ سنا تو باپ نے قید کر کے بند کر دیا۔ اور لوگوں سے کہہ دیا کہ "کوئی ان سے ذرا بھی نہ بولے۔" بے چارے خالدؓ یہ تکلیفیں برابر جھیلتے رہے ــــ ایک دن موقع مل گیا تو گھر سے بھاگ نکلے اور اِدھر اُدھر کہیں چھُپ گئے۔ اس کے بعد جب پیارے رسول نے مسلمانوں سے کہا کہ حبش کے ملک میں چلے جاؤ۔ تو خالد بن سعیدؓ بھی حبش چلے گئے۔ آخر میں جب سارے مسلمانوں کو مدینے چلے جانے کا حکم ہوا تو یہ مدینے جا پہنچے اور پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہیں رہنے لگے۔

حضرت خالد بن سعیدؓ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو جیسا کرتے دیکھتے ویسا ہی خود بھی کرتے۔ پیارے رسولؐ جو حکم دیتے اسے فوراً بجا لاتے اور جس طرح پیارے رسولؐ بتاتے اسی طرح کرتے۔ پیارے رسولؐ ان کی اس بات سے بہت خوش تھے۔ یہ سمجھدار بھی بہت تھے۔ پیارے رسولؐ نے بڑے بڑے کام ان کے سپرد کیے اور سارے کام انھوں نے بڑی اچھی طرح کیے۔ بہت سی لڑائیوں میں کافروں سے لڑے اور اُن کو ہرایا۔ ان کو شوق تھا کہ ہم اللہ کی راہ میں جان دیں اللہ نے یہ مراد ان کی پوری کر دی۔ کس طرح؟ یہ سننے کے لائق ہے:۔

ایک جگہ رومیوں سے لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ اسی زمانے میں خالد بن سعیدؓ نے ام حکیمؓ نامی ایک مسلمان عورت سے شادی کی ۔ یہ مسلمان عورت بہت بہادر تھی۔ اب دیکھیے دوسرے دن رومیوں سے لڑائی ہوئی، تو بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ خالدؓ کو اللہ کی راہ میں جان نچھاور کرنے کا شوق تو تھا ہی، بیوی سے کہا۔ میرا دل کہتا ہے کہ میں اس لڑائی میں شہید ہوں گا ۔"

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہونے والی بات مومن کے دل میں پہلے سے ڈال دیتا ہے۔

وہ گھر سے نکلے، بڑی بہادری سے لڑے اور اللہ کے راستے میں شہید ہوئے۔ ان کی نئی بیوی ام حکیمؓ جو بیاہ کا جوڑا پہنے ہوئے تھیں شہادت کی خبر پائی ۔ وہ تو بڑی بہادر تھیں۔ جاہل عورتوں کی طرح روئی پیٹی نہیں، ان کو اپنے خدا پر بھروسہ تھا۔ فوراً تلوار سونت لی اور بڑی بہادری سے کافروں کا مقابلہ کیا، شوہر کے بدلے ستّر رومیوں کو قتل کیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

حضرت سعدؓ رشتے میں پیارے رسولؐ کے ماموں تھے۔ عمر میں بیس بائیس سال چھوٹے تھے۔ مگر نہایت سمجھ دار، جوشیلے اور بہادر آدمی تھے۔ ابھی انیس برس کے جوان ہی تھے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا دین پھیلاتے دیکھا۔ اسلام کی تعلیم دیتے سنا، پیارے رسولؐ کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بہت نیک ہیں۔ نہ کسی سے لڑتے ہیں، نہ کسی سے جھگڑتے ہیں، نہ کسی پر بگڑتے ہیں۔ کسی کی کوئی چیز بے پوچھے کام میں نہیں لاتے۔ کمزوروں اور غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔ کسی کو ستاتے نہیں۔ اگر کوئی آپ سے شرارت یا غلطی کرتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ کوئی کتنا ہی لالچ دے یا ڈرائے یا دھمکائے مگر جھوٹ اور غلط بات زبان سے نہیں نکالتے۔ ایسی ہی اچھی باتوں کی وجہ سے آپ صادق اور امین کہے جاتے

پھر جب پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلّم نے یہ بتانا شروع کیا کہ اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کے آگے سر جھکایا جائے چاہے وہ کوئی بڑے سے بڑا دیوتا ہو یا بادشاہ اللہ نے سب کچھ بنایا ہے وہی سب کا مالک اور حاکم ہو سکتا ہے اور سچ مچ وہی مالک ہے' اسی کا حکم ماننا چاہیے۔ اس نے انسان کو دنیا کی تمام چیزوں سے بڑھ کر بنایا ہے۔ اور ساری چیزیں انسان ہی کے لیے بنائی گئی ہیں ان چیزوں کو اللہ کی مرضی کے مطابق کام میں لانا چاہیے۔ آخرت میں اللہ تعالےٰ ان کے متعلق پوچھے گا' جو اللہ کی مرضی کے مطابق ساری چیزوں کو کام میں لائے گا' اس سے اللہ خوش ہوگا اور جنت دے گا۔ اور جو اللہ کی مرضی کے خلاف کرے گا وہ دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ انسان کو کسی کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا نہ ہونا چاہیے نہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے کسی بات کے لیے گڑگڑانا چاہیے۔ اللہ ہی ساری ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے' جو کچھ مانگنا ہو' اللہ ہی سے مانگنا چاہیے ——— تو پھر کیا ہوا

تو پھر یہ ہوا کہ حضرت سعدؓ سمجھ گئے کہ یہ ساری باتیں ٹھیک ہیں اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم سچ مچ اللہ کی طرف سے یہ ساری باتیں کہتے ہیں۔ بس پھر کیا تھا' سعدؓ جھٹ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے' اُن

کے ساتھ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ اس وقت تک پانچ چھ آدمی ہی مسلمان ہوئے تھے۔ ان سب کے مسلمان ہونے کا حال مکے کے دوسرے لوگوں کو معلوم نہ تھا، مگر حضرت سعدؓ کی ماں کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ بیٹے نے باپ دادا کا مذہب چھوڑ دیا ہے۔ بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی پوجا سے انکار کر دیا ہے، اور اب اسی راہ پر چلے گا جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بتاتے ہیں، تو وہ بیٹے پر بہت خفا ہوئیں، بہت روئی پیٹیں، چیخی چلائیں، غصے کے مارے بولنا اور کھانا پینا چھوڑ دیا۔

حضرت سعدؓ کو اپنی ماں سے بہت محبت تھی، ان کا یہ حال دیکھا تو بہت پریشان ہوئے، ماں کو منانے کی کوشش کی، مگر انھوں نے کہا: "اسلام چھوڑ دو، اور اپنے باپ دادا کے دین پر چلو تو میں مانوں گی، ورنہ نہیں" حضرت سعدؓ بڑی مشکل میں پڑ گئے۔ ایک طرف اللہ کی خوشی اور اللہ کے رسول کا حکم، دوسری طرف ماں کی خوشی اور مرضی۔ اس موقع پر سعدؓ نے یہ کیا کہ اسلام کو تو نہ چھوڑا۔ باقی ہر طرح ماں کی خدمت میں لگے رہے۔ ایک مومن بیٹے کو یہی کرنا چاہیے۔ اگر ماں باپ یا کوئی بزرگ اللہ اور رسول کے خلاف حکم دیں تو نہ ماننا چاہیے۔ لیکن ہر طرح ان کی عزت اور خدمت کرتے رہنا چاہیے۔

اس طرح حضرت سعدؓ رہتے رہے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے اس پر عمل کرتے اور ان کی خدمت بھی کرتے، اور اسلام کی باتیں دوسروں کو بھی بتاتے۔ دھیرے دھیرے لوگ بھی اسلام قبول کرنے لگے۔ اب تو مکے کے ناسمجھ لوگوں کو بہت بُرا لگا۔ وہ مسلمانوں کو پریشان کرنے لگے۔ اگر کہیں مسلمانوں کو اللہ کی عبادت کرتے دیکھتے، تو شرارت کرتے۔ غل اور شور مچاتے۔ ان کا مذاق اڑاتے۔ مسلمان اُن کے ڈر سے چھُپ چھُپ کر اللہ کی عبادت کرتے۔

ایک دن حضرت سعدؓ ایک گھاٹی میں اللہ کی عبادت کر رہے تھے۔ کچھ اور مسلمان بھی ساتھ تھے۔ اچانک مکے کے کچھ کافر ادھر آ گئے شرارت کرنے لگے۔ کسی نے ڈھیلا پھینکا، کسی نے شور اور غل مچایا، کسی نے تالیاں پیٹیں اور کسی نے ہنسی اڑائی۔ یہ بے ہودہ حرکتیں حضرت سعدؓ کو بہت بری لگیں۔ سعدؓ تو بڑے جوشیلے تھے، اور نوجوان بھی اس وقت انھیں سچ مچ جوش آگیا۔ اونٹ کی ایک موٹی سی ہڈی پڑی تھی اسے اٹھا کر ایک شریر کے جو ماری تو اس کا سر کھل گیا۔ خون بہنے لگا۔

کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اسلام کی طرف سے حضرت سعدؓ ہی نے کافروں کو ان کی شرارت کا مزہ چکھایا۔ لیکن بھائی اس سے ہوا یہ کہ

کافر اور زیادہ غصے ہو گئے۔ مسلمانوں کو جہاں اکیلا پا جاتے تو ناک میں دم کر دیتے۔ پکڑ کر مارتے، پیٹتے۔ طرح طرح کی تکلیفیں دیتے۔ ان کا روزگار چوپٹ کر دیا۔ لین دین اور بات چیت بند کر دی۔ کمزور مسلمان تو بے چارے بہت ہی پٹتے۔ سعد جیسے بہادر آدمی بھی کافروں کے ظلم سے نہ بچے۔ ماں تو ان سے ناراض ہی تھیں، پھر کون ساتھ دیتا۔ بے چارے یہ بھی ظلم سہتے رہے، جاتے کہاں۔ مکے ہی میں رہتے رہے۔ مگر پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا دین پھیلاتے رہے۔ کیسے بہادر تھے حضرت سعدؓ۔ (اللہ ان سے راضی ہو گیا۔)

جب مکے میں کافروں نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا اور اللہ کا نام لینا مشکل کر دیا تو پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے پیارے ساتھیوں کو حکم دیا کہ مدینے چلے جائیں۔ تمام مسلمان ایک ایک دو دو کر کے مکے سے ہٹے، کافروں سے کٹے اور مدینے چل دیے۔ حضرت سعدؓ نے بھی گھر بار چھوڑا۔ وطن سے منہ موڑا، ستانے والوں سے ناتہ توڑا، اور خالی ہاتھ اللہ کا نام لے کر مدینے جا پہنچے۔ مدینے کے بہت سے لوگوں نے پہلے سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لٹے پٹے آنے والے بھائیوں کو انھوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، ہر طرح ان کا ساتھ دیا۔ سگے بھائی کی طرح رکھا۔ انھوں نے پیارے

رسولؐ کو بھی بلا لیا۔ اب جو مکے والوں نے سنا کہ مسلمان مدینے میں آرام سے رہنے لگے اور وہاں اسلام بہت زیادہ پھیل گیا ہے تو وہ بہت جھنجلائے۔ لڑائی کی ٹھانی۔ مسلمانوں نے بہت ٹالا، پر کافروں نے ایک نہ مانی۔ تو پھر پیارے رسولؐ نے یہ کیا کہ دس دس، بیس بیس، پچاس پچاس مسلمانوں کی ٹولیاں بنائیں۔ انھیں بہت سی باتیں سمجھائیں اور مکے کے لوگوں کی ٹوہ لگانے، اِدھر اُدھر بھیجا ساٹھ ستر آدمیوں کی ایک ٹولی کے ساتھ حضرت سعدؓ بھی گئے۔ ایک جگہ مکے والوں کے ایک بڑے گروہ سے مڈبھیڑ ہوگئی مسلمانوں کو تو ٹوہ لینا تھی۔ اس لیے لڑائی تو نہ ہوئی۔ لیکن حضرت سعدؓ تو بڑے جوشیلے تھے اور نوجوان بھی، انھوں نے ایک تیر چلا ہی دیا۔ اسی طرح سعدؓ مسلمانوں کے ساتھ کافروں کا حال معلوم کرنے کے لیے کئی بار بھیجے گئے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں اور کافروں میں بدر کے مقام پر بڑی سخت جنگ ہوئی۔

بدر کی لڑائی میں حضرت سعدؓ بڑی بہادری سے لڑے۔ سعید بن العاص ایک زبردست کافر بڑی تیزی اور بہادری سے لڑ رہا تھا۔ حضرت سعدؓ نے اسے تاکا اور لپک کر ایسا وار کیا کہ وہ ڈھیر ہوگیا۔ پیارے رسولؐ بہت خوش ہوئے اور سعید بن العاص

کی تلوار جو بہت عمدہ تھی، انعام میں حضرت سعدؓ کو دی۔

بدر کے بعد اُحد کی مقام پر پھر کافروں سے لڑائی ہوئی۔

اُحد کی لڑائی میں کافروں نے دھوکے سے بھی کام لیا۔ پیچھے سے حملہ بول دیا۔ کچھ مسلمانوں سے ایک غلطی بھی ہوگئی۔ اس لیے تھوڑی دیر دشمن کا بڑا زور رہا۔ جس مسلمان کو جہاں پایا گھیر لیا۔ اس اچانک حملے میں پیارے رسولؐ کے پاس صرف دو تین ساتھی رہ گئے۔ ان میں حضرت سعدؓ بھی تھے۔ سعدؓ جوشیلے اور بہادر تو بچپن سے تھے۔ تیر کا نشانہ خوب لگاتے تھے۔ بڑے جوش سے لڑے۔ جان پر کھیل کر پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ جھنڈ کے جھنڈ کافر جب پیارے رسولؐ پر حملہ کرتے، تو حضرت سعدؓ تیر پر تیر چلاتے، کوئی تیر خالی نہ جاتا، ایک نہ ایک کافر ضرور مارا جاتا۔ جب ان کے پاس تیر ختم ہوگئے تو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس سے تیر دیتے اور فرماتے "شاباش سعد! تیر چلائے جاؤ۔

حضرت سعدؓ تیر چلاتے رہے، کافروں کو بھگاتے رہے، مگر بھائی وہ تو بہت تھے، یہاں تیر بھی ختم ہوگئے، اب کیا ہو —— پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ تیر چلاتے رہو۔ سعدؓ نے اِدھر اُدھر دیکھا، ایک بغیر پھل کا تیر پڑا تھا، اسی کو اٹھالیا، کمان

میں جوڑا، کافروں کی طرف موڑا۔ ایک کافر بڑی تیزی سے لڑتا چلا آرہا تھا، اس پر زنانے سے تیر چھوڑا۔ اس صفائی سے مارا کہ اس کے ماتھے پر پڑا، وہ الٹ گیا۔ ایسی چوٹ لگی کہ بوکھلا گیا۔ بھاگا تو اس کا تہمد کھل گیا۔ ارے بھائی وہ تو ایسا ڈرا کہ تہمد بھی نہ سنبھال سکا۔ ننگا ہی بھاگا۔ اس کی بھگدڑ اور سعدؓ کی یہ نشانہ بازی دیکھی تو پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔

اسی طرح ایک اور زبردست کافر کے ایسا ہی تیر مارا کہ اس کی حلق پر پڑا کتے کی طرح زبان باہر نکل آئی اور وہیں تڑپنے لگا اور مر گیا۔ حضرت سعدؓ اسی طرح بڑی بہادری کے ساتھ آخر تک لڑے۔

اسی طرح تمام لڑائیوں میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہر لڑائی میں ایسی بہادری سے لڑے کہ پیارے رسولؐ خوش ہو گئے۔ جس سے پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم خوش ہو جائیں، اس سے اللہ بھی خوش ہو جاتا ہے۔ پھر جس سے اللہ خوش ہو جائے اس کا کہنا ہی کیا! اللہ اور رسولؐ کی خوشی ہی تو مسلمان کے لیے سب کچھ ہے۔

اچھا تو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ سے بہت خوش تھے

تھے۔ ایک بار حضرت سعدؓ بیمار پڑے۔ بچنے کی کوئی امید نہ تھی، تو پیارے رسولؐ نے ان کے اچھے ہونے کی دعا کی۔ پھر فرمایا:۔

"اے سعد! تم اس وقت تک نہ مروگے جب تک ایک قوم (کافروں) کو نقصان، اور ایک قوم (مسلمانوں) کو نفع نہ پہنچ لے۔"

بھلا پیارے رسولؐ کی بات غلط ہوئی ہے؟ اب سنیے یہ بات کس طرح ٹھیک نکلی؟

پیارے رسولؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں بڑی زبردست لڑائیاں ہوئیں، جن میں ایران کی لڑائیاں بہت مشہور ہیں۔ اس وقت ایران کی حکومت بہت زبردست تھی۔ ایرانیوں کو اپنی حکومت اور طاقت پر بڑا غرور تھا۔ وہ گھمنڈ کے مارے کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے۔ بڑھ کر عربوں پر چڑھ دوڑتے اور مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچاتے۔ حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے انھیں سزا دینے کی ٹھان لی۔ بہت بڑی حکومت سے مقابلہ تھا۔ اس لیے بہت بڑا لشکر اکٹھا کیا، مگر سوچ میں تھے کہ اتنی بڑی حکومت سے ٹکر لینا ہے، اتنی بڑی فوج کو سنبھالنا ہے۔ اب اس کا افسر کسے بنائیں؟ کوئی آدمی سمجھ میں نہ آیا تو اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیا۔ مشورے

سے کام کرنا تو بہت اچھا ہوتا ہے۔ اللہ میاں نے قرآن میں حکم دیا ہے کہ آپس میں مشورہ کر لیا کرو۔ پیارے رسول بھی مشورہ کرتے تھے، تو پھر حضرت عمر فاروق مشورہ کیوں نہ کرتے؟ انھوں نے ایک جگہ سب کو جمع کیا۔ سارا حال کہا۔ سب دیر تک سوچتے رہے۔ اللہ میاں بھی اپنے بندوں کی مدد خوب کرتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمن کے دل میں ڈال دیا وہ بولے: "میں نے پالیا" حضرت عمر نے پوچھا "کون؟" وہ بولے: "سعد بن ابی وقاص"

تمام مسلمان سعد بن ابی وقاص کا نام سنکر خوش ہوگئے۔ چاروں طرف سے "ٹھیک ٹھیک" کی آوازیں آنے لگیں۔ حضرت عمر نے حضرت سعد کو سپہ سالار (تمام فوج کا افسر) بنایا۔ بہت سی نصیحتیں کیں اور اللہ کا نام لے کر ایران کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ خبر ایرانیوں کو ہوئی۔ انھوں نے مسلمانوں کے لشکر سے بھی بڑا لشکر تیار کیا۔ بہت زیادہ سامان اکٹھا کیا۔ بڑے بڑے بہادروں کو لڑائی میں شامل کیا۔ اب ادھر سے وہ چڑھے، ادھر سے یہ بڑھے۔ قدم قدم پر گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں طرف کا ہر سپاہی خوب لڑا۔ حضرت سعد کے پاس لشکر ایرانیوں سے بہت کم تھا۔ مگر مسلمانوں کو اس کا کیا غم تھا۔ حضرت سعد پیارے رسول کی زندگی میں بڑی بڑی لڑائیاں

لڑ چکے تھے۔ وہ تو دل میں ٹھان چکے تھے کہ جان جائے یا رہے، اللہ کی خوشی حاصل کرنا اور اسلام کے نام کو اونچا کرنا ہے۔ پھر بھلا ایسے مسلمان کے سامنے کم زیادہ کا کیا سوال؟ اللہ کی مہربانی چاہیے۔ حضرت سعدؓ کو پورا بھروسہ تھا۔ اللہ نے بھی اپنے بندوں کی مدد کی حضرت سعدؓ نے بڑے قاعدے سے فوج کو لڑایا۔ شہر پر شہر اور قلعے پر قلعے فتح کرتے چلے گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے مسلمانوں کی فتح کا حال سنا تو اللہ کا شکر ادا کیا۔ اور ایران کے بادشاہ نے اپنی فوج کی ہار کی خبر پائی تو وہ بہت گھبرایا۔ اب اس نے ملک بھر کی فوجوں کو ایک جگہ جمع کیا، اور مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ اس فوج میں ہزاروں ہاتھی بھیجے جن پر لوہے کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں، اور ان کی سونڈیں لوہے کی موٹی موٹی لاٹیں تھیں۔ ایران کا سب سے مشہور بہادر رستم اس فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس نے ہاتھیوں کی قطار آگے جمائی۔ یہ کالے کالے پہاڑ کے پہاڑ ہاتھی، پھر لوہے سے ڈھکے ہوئے اور لوہے کی موٹی موٹی لاٹ سونڈیں تھامے، جھومتے ہوئے آگے بڑھے تو عربوں کے گھوڑے بدک گئے۔ کسی طرح قابو میں ہی نہ آتے تھے۔ مسلمان لاکھ سنبھالتے مگر کھلبلی مچ گئی۔ حضرت سعدؓ سوچ میں پڑ گئے۔ ایک مشکل یہ بھی تھی کہ حضرت سعدؓ کے پیر میں بے حد درد تھا۔ وہ

درد کے مارے اٹھ بیٹھ نہ سکتے تھے۔ مگر وہ گھبرائے نہیں، جگہ جگہ اپنے افسروں کو مقرر کیا تھا۔ ایک مناسب جگہ اونچے مقام پر خود بیٹھ گئے اور وہیں سے فوج کو لڑانے لگے۔ ہاتھیوں کی کالی آندھی اور اپنے گھوڑوں کا بدکنا اور اپنی فوج کی کھلبلی دیکھی تو کچھ بہادروں کو حکم دیا کہ گھوڑوں سے کود پڑو، اور ہاتھیوں کی آنکھ کا نشانہ بنالو۔ اس وقت مسلمان بھی اپنے افسر کا حکم دل سے مانتے تھے۔ حکم ملتے ہی وہ گھوڑوں سے کود پڑے۔ جان پر کھیل گئے۔ ہاتھیوں کی آنکھوں کو تاک تاک کر تیر مارے۔ بڑھ بڑھ کر برچھوں اور نیزوں کے وار کیے۔ جب مسلمان اس طرح اللہ کے لیے جان پر کھیل جاتا ہے تو اللہ ضرور اپنے بندے کی مدد کرتا ہے۔ اب ہوا یہ کہ بہادر مسلمانوں نے بہت سے ہاتھیوں کو اندھا کر دیا۔ ہاتھیوں کی آنکھیں پھوٹیں تو وہ زور سے چنگھاڑے اور زخم کھا کر جو پیچھے مڑے تو پھر وہ بھلا کس سے رُکتے۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھیوں نے آگے کے بڑے ہاتھیوں کو واپس ہٹتے دیکھا تو وہ بھی پلٹ پڑے اور بھاگنے والوں کے پیچھے ہولیے۔ اب تو مسلمان کود کر پھر گھوڑوں پر سوار ہولیے اور ریل کر حملہ کیا تو ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے رستم دیر تک ڈٹا رہا لیکن کب تک؟ فوج کو جو بھاگتے دیکھا تو وہ

بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ ہلال نامی ایک مسلمان نے اسے دیکھ لیا، وہ پیچھے دوڑا۔ رستم گھوڑے سمیت دریا میں کود پڑا۔ ہلال نے وہاں بھی نہ چھوڑا، لپک کر قتل کر دیا۔

اس لڑائی کے بعد ایرانیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ حضرت سعدؓ نے تھوڑے ہی دنوں میں سارا ایران فتح کر لیا۔ ایران کا بادشاہ چین کو بھاگ گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی اس کامیابی سے بہت خوش ہوئے۔ حضرت سعدؓ ہی کو اس علاقے کا گورنر جنرل بنا دیا۔

حضرت سعدؓ نے ملک کا انتظام بھی بڑی ہوشیاری سے کیا۔ جگہ جگہ شہر بسائے، چھاؤنیاں قائم کیں اور اسلام کے قاعدے سے ملک کا انتظام کیا تو اب ایرانیوں کو معلوم ہوا کہ اسلام تو اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ غیر مسلموں کو اتنا آرام ملا کہ اس سے پہلے کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ اب وہ سمجھ گئے کہ اسلام کی باتوں کو برا سمجھنا بے وقوفی ہے۔ پھر ان پر اسلام کا ایسا اثر ہوا کہ سب مسلمان ہو گئے۔

حضرت سعدؓ اتنے بہادر، جوشیلے اور قابل آدمی تھے۔ مگر ان میں گھمنڈ ذرا نہ تھا۔ پیارے رسولؐ کی ایک ایک بات کی نقل کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ اللہ کی خوشی کے لیے بہت مصیبتیں بھی جھیلیں، دکھ بھی

سہے، شروع شروع میں جب مسلمان ہوئے تو بھوک کی تکلیفیں بھی اٹھائیں یہ حالت بھی ہو گئی تھی کہ پیڑ کے پتے کھا کھا کر پیارے رسول ؐ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے' اور بڑی بہادری سے لڑتے تھے۔ اُن کے مسلمان ہونے سے ماں خفا ہو گئیں۔ مگر وہی کیا جس میں اللہ و رسول ؐ کی مرضی پائی۔ پھر جب اللہ کے فضل سے ایران کے گورنر ہوئے تو بھی اللہ و رسول ؐ کی مرضی کے مطابق سارے کام کیے۔ آرام پاکر انسان دین کی باتوں سے سستی برتنے لگتا ہے' مگر حضرت سعدؓ ایسے نہ تھے۔ وہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ سادہ کھاتے اور پہنتے رہے۔ آخرت کی پکڑ سے ڈرتے رہتے تھے۔ رات کے پچھلے پہر ہمیشہ عبادت کرتے۔ دل بہت نرم تھا۔ زبان سے بری بات نہیں نکالتے تھے۔ اسی لیے ان کی دعاؤں میں بڑا اثر تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ ان کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ اسی لیے ایک بار ایک صاحب سے ایک بات کے لیے بات بڑھ گئی تو حضرت سعدؓ نے پریشان ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ ابھی کچھ نہ کہا تھا کہ وہ صاحب دوڑ کر پاس آئے اور بولے "ہاں ہاں سعدؓ! بد دعا نہ کرنا"۔ حضرت سعدؓ رک گئے۔

کیسے اچھے تھے حضرت سعدؓ! اے اللہ! ہم سب کو بھی پیارے رسول ؐ کے پیارے ساتھیوں جیسے کام کرنے کی ہمت دے۔

حضرت طلحہ رض

حضرت طلحہ رض کے والد کا نام عبید اللہ تھا۔ گھر کے لوگ تجارت کرتے تھے۔ یہی پیشہ حضرت طلحہ رض کا بھی تھا۔ مکّے سے دوسرے ملکوں میں مال لے جاتے، اور باہر کا مال مکّے میں لاتے۔ اس طرح لاکھوں کی تجارت کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی رشتہ بھی تھا۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ اسلام میں خاندان اور مال کی وجہ سے کوئی بزرگ اور شریف نہیں ہوتا اللہ اور رسول کے نزدیک سب سے شریف آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ میاں کی نافرمانی سے ڈرنے والا ہو۔ اللہ اور رسول نے جس کام کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہی کام کرتا ہو، اور جس بات سے منع کیا ہے اس سے بچتا ہو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ میں سب سے بڑی بات یہی تھی، وہ مسلمان ہونے کے بعد دین کو پھیلانے میں نہ اپنی جان کی پروا کرتے، اور نہ مال کی۔ ان کے مسلمان ہونے میں بھی اللہ میاں نے عجیب طریقے سے مدد فرمائی

سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی کہ اپنا تجارتی مال لے کر بصرہ گئے۔ وہاں ایک عیسائی عالم (پادری) سے ملاقات ہوئی۔ وہ خدا کی بھیجی ہوئی کتابیں (توریت، زبور، اور انجیل) اچھی طرح پڑھ چکا تھا اور انھیں سمجھتا بھی خوب تھا۔ اس نے بتایا کہ خدائی کتابیں پڑھنے کے بعد میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ تمہارے شہر میں اللہ کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم جو دین پھیلا رہے ہیں وہ حق ہے۔"

مکہ سے دور بصرے کے مقام پر ایک پادری سے یہ بات سنی تو زیادہ توجہ نہ دی، اپنا مال بیچنے کی فکر میں لگے رہے۔ مکہ واپس آئے تو اپنے دوست ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے، سفر کا حال کہا۔ پادری کی بات کا بھی ذکر کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہو ہی چکے تھے اور دین کی باتیں دوسروں تک پہنچانے میں رات دن لگے رہتے تھے، اپنے دوست طلحہ کی زبان سے یہ سنا تو سمجھایا کہ "جس اللہ نے یہ زمین اور آسمان بنایا۔ ہم کو اور تم کو پیدا کیا اور انسان بنایا، پھر ہماری زندگی کے لیے طرح طرح کا سامان پیدا کیا۔ ہوا، پانی، اناج، ترکاری، ترّیاں، جانور اور نہ جانے کیا کیا بغیر مانگے دیا تو پھر تم کو یہی چاہیے کہ اس مالک کا حق پہچانیں، اسی کو اپنا رب جانیں، عمر بھر اسی کا احسان مانیں، اس کے کبھی اور کے کہنے

پر نہ چلیں، اچھی باتوں کو پھیلائیں، برائیوں کو مٹائیں، سب کو اسی اللہ کے کہنے پر چلائیں۔

اے طلحہ! محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہی سب اچھی باتیں بتلاتے ہیں اور کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچ مچ اللہ کے رسول ہیں۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس طرح سمجھایا تو طلحہ کی سمجھ میں آگیا حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور اقرار کرلیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔"

حضرت طلحہؓ کے مسلمان ہونے کی خبر اُن کے بڑے بھائی نے سنی اور یہ بھی سنا کہ ابو بکرؓ کے سمجھانے سے طلحہؓ نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے۔ بس پھر کیا تھا، غصّے کے مارے کانپنے لگا۔ طلحہؓ اور ابو بکرؓ دونوں کو پکڑا، ایک مضبوط رسّی میں جکڑا اور لگا پیٹنے، وہ چاہتا یہ تھا کہ ڈر کر طلحہؓ اسلام کو چھوڑ دیں۔ مگر انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ محمد رسول اللہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب سچ ہے۔ ان کو چھوڑ کر میں کافر نہ ہوں گا، اور اپنی آخرت خراب نہ کروں گا۔ چاہے مجھے کوئی مار ہی کیوں نہ ڈالے۔

حضرت طلحہ تکلیفیں سہتے رہے مگر دین پر جمے رہے۔ پھر جب پیارے

رسولؐ مکّے سے ہجرت فرما گئے تو حضرت طلحہؓ بھی مکّے سے مدینے چلے گئے۔ لیکن مکّے کے کافروں کو چین کہاں؟ انھوں نے سُنا کہ مسلمان مدینے پہنچ کر بڑھتے اور طاقت پکڑتے جا رہے ہیں تو انھوں نے لڑائی کی ٹھانی۔ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں نے بھی اللہ کا نام لے کر مقابلہ کیا۔ ہر لڑائی میں مکے والوں کو ہرا دیا۔ اُحد کے مقام پر جو لڑائی ہوئی اس میں حضرت طلحہؓ ایسا جم کر لڑے کہ اپنے پرائے سب دنگ رہ گئے

بات یہ ہوئی کہ اس لڑائی میں مسلمان بہت کم تھے، بہت ہی کم اور دشمن زیادہ بہت ہی زیادہ ـــــ اس پر بھی دشمنوں نے دھوکے سے کام لیا۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ کئی سو کافروں نے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ مسلمان اس طرف سے بے کھٹکے تھے۔ اچانک پیچھے سے تلواریں برسنے لگیں تو گھبرا گئے۔ آگے پیچھے دونوں طرف سے بے کھٹکے تھے اور جو جہاں پھنس گیا وہیں لڑنے لگا۔

پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی سو کافروں نے گھیر لیا اور چاہا کہ (توبہ توبہ) قتل کر دیں۔ چاروں طرف سے تیر، تلوار اور نیزوں کے وار کرنے لگے۔ اس وقت بالکل اس طرح جیسے جلتے ہوئے چراغ کے آس پاس پتنگے چکر لگاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اکیلے حضرت طلحہؓ پیارے

رسولؐ کے گرد پھر رہے تھے۔ آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، ہر طرف سے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے۔ تیروں کی بوچھار کو ہتھیلی پر روکتے۔ کافر حضورؐ کو تلواریں مارتے تو طلحہؓ بیچ میں آ کر بچاتے، نیزوں کو سینوں پر روکتے اور جب کافروں کی بھیڑ زیادہ ہو جاتی تو جیسے شیر جھپٹتا ہے اسی طرح جھپٹ کر حملہ کرتے، اور کافروں کو دور تک بھگا دیتے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ ایک کافر نے پیارے رسولؐ پر تلوار ماری یہ تلوار پیارے رسولؐ کے پیارے ساتھی طلحہؓ نے اپنی انگلیوں پر روکی، انگلیاں کٹ گئیں، تو زبان سے نکلا "خوب، خوب"۔ (یعنی بڑا اچھا ہوا کہ پیارے رسولؐ کی حفاظت میں انگلیاں کام آئیں) حضرت طلحہؓ کی زبان سے خوب خوب سنا تو حضورؐ نے فرمایا: "اگر تم اس وقت بسم اللہ کہتے تو فرشتے تم کو اٹھا لے جاتے۔"

سیکڑوں کافروں کے اس ہلّے میں اکیلے طلحہؓ پیارے رسولؐ کی حفاظت دیر تک کرتے رہے اور پینترے بدل بدل کر اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔ زخمی ہوئے، تیر لگے، تلواریں کھائیں، نیزے سہے مگر پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت سے منھ نہ موڑا اور نہ کسی کافر کو پاس آنے دیا۔ پھر جب دوسرے مسلمان مدد کو آگئے

تو کافر بھاگے۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد لوگوں نے طلحہؓ کے جسم پر زخم آگنے تو ستر سے زیادہ تھے۔

آخر میں ایک بے دین کے تیر سے آپ کی شہادت تھی۔

یہ تو تھا دین کے لیے جان لڑانے کا حال۔ دین کے لیے مال نچھاور کرنے کی حالت یہ تھی کہ جب ضرورت ہوئی تو حضرت طلحہؓ نے خوشی خوشی ہزاروں لاکھوں لا کر پیارے رسولؐ کے قدموں میں ڈال دیے۔ صدقہ خیرات وغیرہ الگ سے دیتے۔ غریب غربا اور مسافروں کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔ کوئی مانگتا تو بھی دیتے اور بے مانگے بھی دیتے۔ لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کی شادیاں کرا دیتے تھے اور جو لوگ قرض دار ہوتے ان کا قرض اپنے پاس سے ادا کر دیتے تھے۔ کبھی کبھی پوری لڑائی کا خرچ اپنے پاس سے دیا اور تمام مسلمانوں کی دعوت بھی کی۔ ایک بار سات لاکھ کی رقم خدا کی راہ میں دے دی۔ ایک دن تین آدمی مسلمان ہوئے۔ وہ اپنے گھروں سے نکال دیے گئے۔ پیارے رسولؐ نے مسلمانوں سے فرمایا: "کون ان تینوں کو خرچ دے سکتا ہے؟" حضرت طلحہؓ نے جھٹ کہا: "یا رسول اللہ! میں"۔ اس کے بعد تینوں کو گھر لے گئے اور عمر بھر انھیں آرام سے رکھا۔

ایک بار بڑے مزے کی ایک بات ہوئی۔ گھر میں حضرت طلحہ رضؓ اُداس بیٹھے تھے۔ بیوی نے دیکھا، بولیں: "آپ اس قدر اُداس کیوں بیٹھے ہیں؟ کیا مجھ سے کوئی خطا ہو گئی ہے؟" آپ نے جواب دیا۔ "نہیں۔ تم بہت اچھی بیوی ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ میرے پاس چار لاکھ کی رقم جمع ہو گئی ہے۔ سوچتا ہوں کیا کروں؟ بیوی بھی تو طلحہ رضؓ کی بیوی تھیں، کہنے لگیں۔ "بانٹ دیجیے۔" یہ سننا تھا کہ خوش ہو گئے اور ساری رقم غریبوں میں تقسیم کر دی۔

سب جانتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلّم کی ایک ایک بات کو مانے۔ حضرت طلحہ رضؓ زندگی بھر وہی کرتے رہے جو پیارے رسولؐ کو کرتے دیکھا۔ اور جس بات سے اللہ و رسولؐ نے منع کیا ہے اسے کبھی کیا ہی نہیں۔ اللہ و رسولؐ کی بات ہمیشہ یاد رکھتے۔ بھول جاتے تو رنج ہوتا۔ اس بارے میں بھی ایک بار بڑے مزے کی بات ہوئی۔

ایک دن اُداس بیٹھے تھے، حضرت عمر رضؓ آنکلے۔ رنج میں دیکھا تو پوچھا: "کیوں اُداس ہو؟ کسی سے جھگڑا تو نہیں ہوا؟" جواب دیا۔ "نہیں، جھگڑا تو کسی سے نہیں ہوا ہے، میں نے پیارے رسولؐ کو فرماتے سُنا تھا کہ اگر کوئی بندہ مرتے وقت ایک بات زبان سے کہہ دے تو مرتے

وقت اسے تکلیف نہ ہوگی اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا۔ مجھے وہ بات یاد تھی، اس وقت بھول گیا ہوں۔" حضرت عمرؓ نے کہا۔ اس بات سے بڑھ کر اور کیا بات ہوسکتی ہے جس کا پیارے رسولؐ نے حکم دیا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔" حضرت طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی زبان سے سُنا تو خوشی سے اُچھل پڑے اور فرمایا۔ "ہاں، خدا کی قسم یہی وہ بات تھی۔"

جس بندے سے اللہ راضی ہوگیا ہو، جس سے اللہ کا رسولؐ خوش رہا ہو اُس کی خوبیاں کون بیان کرسکتا ہے، حضرت طلحہؓ بہادر تھے، مال دار تھے، مگر انھوں نے ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی، دین دار تھے، ایک اچھے مسلمان میں جو باتیں ہونی چاہییں وہ سب ان میں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں زندگی میں ہی جنتی ہونے کی خبر دے دی تھی۔ ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑی دولت اور کیا ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالےٰ سب کو ایسے ہی کام کرنے کی ہمت دے جن سے آخرت کی زندگی کامیاب ہو۔ آمین!

حضرت زبیرؓ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی (حضرت صفیہؓ) کے بیٹے تھے۔ اس رشتے سے حضرت زبیرؓ پیارے رسولؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ اس رشتے کو چھوڑ کر پیارے رسولؐ سے اور بھی کئی رشتے تھے۔ وہ حضورؐ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کے سگے بھتیجے تھے۔ حضورؐ کی دوسری بیوی حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی ان سے ہوئی تھی۔ ان سب رشتوں کے ساتھ ساتھ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زبیر ایک ہی خاندان سے تھے۔ لیکن اسلام میں خاندان اور رشتوں سے کسی کا رتبہ بڑا نہیں ہوتا۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ ابولہب حضورؐ کا سگا چچا تھا، مگر وہ حضورؐ کا دشمن اور کافر ہونے کی وجہ سے ذلیل اور جہنمی ہو گیا۔ حضرت زبیرؓ کا مرتبہ اسلام میں اس لیے بڑا ہوا کہ

وہ پیارے رسول صلّے اللہ علیہ وسلّم کے پیارے ساتھی تھے۔

ان کے بچپن کا حال بڑا دلچسپ ہے۔ والد مر چکے تھے، ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے ان کو پالا۔ وہ ان سے بچپن ہی میں بڑے مشکل مشکل کام ان سے لیتی تھیں۔ ایک بچے کو کٹھن کام کرتے دیکھ کر لوگ حضرت صفیہؓ سے شکایت کرتے کہ ارے کیسا بچے کو مار ڈالوگی؟" تو حضرت صفیہ کہتیں "میں اسے عقل مند بہادر اور نڈر بنا رہی ہوں۔"

ہوا بھی ایسا ہی۔ حضرت زبیرؓ بچپن ہی میں بڑے نڈر اور بہادر ہو گئے۔ ایک بار مکے کے ایک بڑے پہلوان سے کشتی ہو گئی۔ حضرت زبیرؓ نے ایسا ہاتھ مارا کہ وہ دھڑام سے زمین پر گرا اور اس کا ایک ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگ اسے لاد کر حضرت صفیہؓ کے پاس لے گئے اور شکایت کی تو انھوں نے جواب دیا۔ سچ کہو، تم نے میرے بیٹے کو کیسا پایا؟ بہادر یا بزدل؟ (ڈرپوک)

سولہ برس کی عمر میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان ہی دنوں ایک دن سنا کہ کافروں نے پیارے رسولؐ کو قید کر لیا ہے۔ حضرت زبیرؓ کو بڑا رنج ہوا غصے سے تلوار کھینچ لی حضورؐ کی تلاش میں چلے۔ گھر پر جا کر ملے۔ حضورؐ نے ننگی تلوار لیے دیکھا تو فرمایا۔

"زبیر! یہ غصہ کیسا؟ بولے "میں نے سنا تھا کہ آپ کو کافروں

نے قید کر لیا ہے، میں آپ کو چھڑانے نکلا تھا۔" اس چھوٹی سی عمر میں یہ بہادری اور محبت دیکھ کر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ پیارے رسولؐ کی طرفداری میں سب سے پہلے اسی بچے نے تلوار نکالی تھی۔

حضرت زبیرؓ کے مسلمان ہونے کی خبر ان کے چچا نے بھی سنی۔ چچا نے کہا: "اسلام چھوڑ دو، نہیں تو تم کو پیٹوں گا اور تمھارا کھانا بند کر دوں گا۔ حضرت زبیرؓ نے چچا کی بات نہ مانی۔ مانتے کیسے؟ کیا اسلام چھوڑ دیتے؟ اب چچا بہت غصے ہوا، مارا پیٹا، باندھ کر کھجور کی چٹائی میں لپیٹا۔ پھر آگ جلا کر اتنا دھواں پہنچایا کہ زبیر کا دم گھٹنے لگا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ "چچا جان! کچھ کرو، اب میں کافر نہیں ہو سکتا۔"

بڑے ہوئے تو بدر کے مقام پر مسلمانوں اور کافروں میں سب سے پہلی جنگ ہوئی۔ حضرت زبیرؓ تو بچپن سے بہادر اور پکے مسلمان تھے ہی، بڑی بہادری سے لڑے۔ جس طرف بڑھتے، کافر ڈر کر بھاگ جاتے۔ اسی جنگ میں ایک کافر پہلوان نے ایک ٹیلے پر پہنچ کر پکارا: "کون مسلمان میرا مقابلہ کرتا ہے؟" حضرت زبیرؓ یہ سنتے ہی جا کر اس سے لپٹ گئے۔ اب دونوں لڑھکتے ہوئے نیچے چلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے۔ فرمایا کہ ان دونوں میں جو زمین پر پہلے گرے گا

وہ قتل ہوگا۔ بھلا اللہ کے رسولؐ کی بات غلط کیسے ہوتی ہ کافر پہ
زمین پر پہلے گرا اور حضرت زبیرؓ نے اسے قتل کر دیا۔

اس کے بعد ایک اور پہلوان سامنے آیا، وہ سر سے پاؤں تک
لوہے کی زرہ پہنے تھا۔ صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں حضرت
زبیرؓ نے تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ پار ہوگیا، پھر جو کھینچا تو پھل ٹیڑھا
ہوگیا۔

اسی طرح خیبر کی لڑائی میں ایک بڑے لمبے تڑنگے اور موٹے تازے
کافر سے سامنا ہوا۔ اس نے بڑھ کر ایسا حملہ کیا کہ حضرت زبیرؓ
کی ماں حضرت صفیہؓ گھبرا گئیں۔ بولیں۔ "یا رسول اللہ! میرا بیٹا آج
مارا جائے گا"۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "نہیں، زبیر اسے مارے گا"۔ بھلا
اللہ کے رسولؐ کی بات کیسے غلط ہوتی۔ حضرت زبیرؓ نے اس کافر
کو بھی مار گرایا۔

اسی طرح ساری عمر پیارے رسولؐ اور اسلام کی محبت میں
بڑی بڑی لڑائیوں میں شریک ہوئے، اپنی جان کی پروا نہیں کی۔
ملک شام میں یرموک کے مقام پر جو لڑائی کافروں سے ہوئی اس
میں تو کمال ہی کر دیا۔ دشمن بہت تھے مسلمان کم تھے۔ پھر بھی خوب
لڑے۔ کچھ بہادروں نے حضرت زبیرؓ سے کہا۔ "آپ جدھر حملہ

کے گھسیں گے ہم آپ کا ساتھ دیں گے ‘‘ آپ نے جواب دیا۔ ’’ تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے ‘‘ یہ کہہ کر کافروں کی بھیڑ میں گھسے اور لڑتے ہوئے اِدھر سے اُدھر نکل گئے۔ پھر جو لوٹے تو کافروں نے بھیڑ لگا کر کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور گھیر لیا۔ ہزاروں نے ایک کو زخمی کو تو کر دیا مگر پکڑ نہ سکے۔ اس اکیلے نے بہتوں کو مار گرایا اور وہ واپس آگیا۔

اسی طرح ایک بار مصر کے قلعے میں اکیلے گھس گئے اور جا کر اندر سے دروازہ کھول دیا۔ سب لوگ ان کی یہ بہادری دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

حضرت زبیرؓ ہر وقت اسلام پر اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اللہ کا دین پھیلانے پر تلے رہتے تھے۔ نہ اپنی جان کی پروا کرتے، نہ مال کی۔ اس کے ساتھ ساتھ زندگی بھر وہی کام کیا جس کے کرنے کا اللہ اور اللہ کے رسول ؐ نے منع کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی ہی میں ان کے جنتی ہونے کی خبر دے دی۔ آخر میں ان کو شہادت کا درجہ ملا۔ ایک شخص نے نماز پڑھتے میں آپ کو شہید کر دیا۔ حضرت علیؓ نے سنا تو فرمایا۔ زبیرؓ کا قتل کرنے والا جہنمی ہے۔

حضرت طُلیب رضؓ

حضرت طُلیب رضی اللہ عنہ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی اروی رضؓ کے بیٹے تھے۔ ان دونوں نے مرتے دم تک پیارے رسولؐ کا ساتھ دیا اور اسلام کی بڑی خدمت کی۔

جب پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے میں دین پھیلانا شروع کیا تو حضرت طُلیب رضؓ تھوڑے ہی دنوں بعد مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہوتے ہی جھٹ ماں کے پاس گئے اور کہا۔ "اماں جان! میں مسلمان ہو گیا ہوں۔" وہ بھی بہت سمجھدار تھیں، پیارے رسولؐ کی پھوپھی تو تھیں ہی۔ پیارے رسولؐ سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ بیٹے کا مسلمان ہونا سنا تو بہت خوش ہوئیں۔ بولیں:۔

"بیٹا! بڑا اچھا کیا۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تمھارے ماموں کے بیٹے ہیں، تمھارا اُن سے دوہرا رشتہ ہو گیا۔ ایک خاندان کا رشتہ، دوسرے

دین کا۔ اب تم کو چاہیئے کہ ان کی مدد کرو بیٹا! میں عورت ذات ہوں کمزور، اگر مردوں جیسی طاقت ہوتی تو جو لوگ میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ستا رہے ہیں ان کو مزہ چکھا دیتی۔"

طلیب رض :۔ "اماں جان! تو پھر آپ بھی مسلمان ہو جائیے۔ دیکھیے آپ کے بھائی حمزہ رض مسلمان ہو گئے۔

ماں :۔ میں اپنی بہنوں کے مسلمان ہونے کا رستہ دیکھ رہی ہوں

طلیب :۔ آپ اپنی بہنوں کا رستہ کیوں دیکھ رہی ہیں۔

ماں :۔ میں سوچتی ہوں کہ دیکھوں وہ سب کیا کرتی ہیں۔"

طلیب :۔ ماں لیجیے، اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو؟"

ماں :۔ مسلمان کیسے نہ ہوں گی؟ پیارے رسول ؐ کی پھوپھی جو ہیں۔"

طلیب :۔ پھوپھی ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ آپ دیکھتی ہیں کہ ماموں جان (ابولہب) پیارے رسول ؐ کے سگے چچا ہیں، مگر کچھ نہیں سمجھتے، اس لئے پیارے رسول ؐ اور اُن کے پیارے ساتھیوں کو ستانے پر تلے ہوئے ہیں۔"

ماں :۔ لیکن میں تو دل میں ٹھان چکی ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں گی۔ دیر بس اتنی ہے کہ دوسری بہنیں مسلمان ہوں تو میں بھی مسلمان ہو جاؤں۔"

طلیب :۔ اماں جان موت کا کوئی ٹھیک نہیں، کب آجائے، اس

لیے آپ نیک کام میں دیر نہ کیجیے۔ آپ میرے ساتھ پیارے رسولؐ کے پاس چلیے، میری اماں جان! خدا کے واسطے ابھی چلیے۔

ماں:۔ اچھا یہ بات ہے تو لو میں یہیں اقرار کرتی ہوں' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔" اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔"

یہ دونوں مسلمان ہوئے تو کسی سے دب کر نہیں رہے۔ پیارے رسولؐ کے ساتھ ساتھ دین کی باتیں پھیلانے لگے۔ ملنے والوں کو سمجھانے لگے۔ دونوں ماں بیٹے ہر وقت پیارے رسولؐ اور مسلمانوں کی مدد کو تیار رہتے تھے۔ جہاں سنتے کہ مسلمانوں کو ستایا جا رہا ہے۔ بس جھٹ وہاں پہنچتے اور لڑ جھگڑ کر جس طرح بھی بن پڑتا کافروں کو روکتے اور بے چارے مسلمانوں کو بچاتے۔

ایک بار ایک بڑے خاندان کا آدمی عوف بن صبرہ سہمی پیارے رسولؐ کی شان میں بری باتیں کہہ رہا تھا۔ حضرت طلیبؓ نے سنا تو جوش آگیا۔ سہمی کو اونٹ کی ہڈی سے پیٹا۔ لوگوں نے حضرت اروی؂ سے شکایت کی تو انھوں نے خوشی منائی اور لوگوں کو ڈانٹ دیا۔

ایک بار مکہ والوں نے ایک شخص کو پیارے رسولؐ کو (توبہ توبہ) مار ڈالنے کے لیے بھیجا۔ حضرت طلیبؓ نے کہیں سن لیا۔ بس اس کے پاس پہنچے اور اسی کی تلوا

سے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت اروی رض نے یہ سنا تو بیٹے کو بہت شاباشی دی۔
غریب مسلمانوں کو تو مکّے کے کافر ستاتے تھے، مگر حضرت طلیب رض کا کوئی
کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔ حضرت طلیب رض اور اُن کی ماں، دونوں پیارے رسول ؐ کی
بھی مدد کرتے، مسلمانوں کی بھی مدد کرتے۔ کافروں کو برابر کا جواب دیتے۔ اور
تو اور ایک بار طلیب رض نے اپنے کافر ماموں ابولہب کو پیٹ دیا۔
ابولہب تھا تو پیارے رسول ؐ کا چچا، مگر تھا بڑا خراب آدمی۔ تمام ستانے
والوں کا مُنڈھ وہی تھا۔ ایک بار اس نے بہت سے مسلمانوں کو قید کر دیا۔ طلیب رض
نے سنا تو جھٹ اس کے گھر پہنچے۔ ابولہب کو مارنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کو چھڑا دیا۔
مکّے کے کافروں نے یہ دیکھا تو سب نے مل کر طلیب رض کو رسّی سے باندھ دیا۔ ابولہب
نے بھانجے کو کھول دیا اور پھر بہن سے شکایت کی۔ حضرت اروی رض نے جواب دیا۔
بھائی جان! میرے بیٹے طلیب رض کی زندگی کا سب سے اچھا دن وہی
ہے جس میں وہ محمد ؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کرے۔" بہن کا یہ جواب سنکر
ابولہب اپنا سا منہ لے کر واپس چلا گیا۔

ماں بیٹے دونوں پیارے رسول ؐ اور مسلمانوں کی مدد کرتے رہے
جان سے بھی اور مال سے بھی۔ جب پیارے رسول ؐ نے مسلمانوں کو مدینے
چلے جانے کا حکم دیا تو یہ دونوں بھی مدینے چلے گئے۔ حضرت طلیب رض ۲۵
سال کی عمر میں ایک لڑائی میں شہید ہوئے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ

حضرت مصعب بن عمیرؓ نہایت خوب صورت اور حسین و جمیل نوجوان تھے۔ آپ کے والد کا نام عمیر تھا چونکہ کھاتے پیتے اور مال دار تھے اس لیے اپنے لاڈلے بیٹے کو اچھے سے اچھا کھلاتے، اچھے سے اچھا پہناتے، بہترین تیل اور عطر استعمال کرنے کو دیتے۔ جس وقت مصعب بن عمیر زرق برق لباس میں عطر اور تیل لگائے ہوئے کسی طرف نکلتے تو راستہ مہک جاتا اور لوگ آپ کو دیر تک دیکھتے رہتے۔ گھر گھر اُن کے حُسن و جمال کا چرچا تھا کہ مصعب بن عمیر کو ان کے ماں باپ کس لاڈ پیار سے پال رہے تھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے! "مکے میں مصعب سے زیادہ کوئی کھاتا پیتا اور اچھا کپڑا پہننے والا نہیں اور ان سے زیادہ لاڈ پیار سے کوئی نہیں پالا گیا۔"

اس خوب صورتی کے ساتھ مال دار باپ کے شوقین بیٹے ہونے کی وجہ

سے ہر چھوٹا بڑا بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتا، مسلمان ہوئے تو اسلام میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کا مرتبہ بہت بلند کیا۔ لیکن اسلام میں اُن کے حسن وجمال، زیب وزینت اور مال کی وجہ سے بڑائی حاصل نہیں ہوئی بلکہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[1] کی بنیاد پر، اسلام قبول کرنے کے بعد جو تکلیفیں اور مصیبتیں آپ پر پڑیں، ان کی وجہ سے سارا حسن ختم ہو گیا اور آپ ماں باپ کے اس لاڈ پیار سے بھی محروم ہو گئے جو اس سے پہلے حاصل تھا۔ اسلام میں آپ کا مرتبہ آپ کی ان خوبیوں کی بنا پر اونچا ہوا جو اللہ اور اللہ کا رسول چاہتا ہے۔ مصعب بن عمیرؓ نے اللہ اور رسول کی مرضی حاصل کرنے کی دُھن میں نہ تو اچھے کھانے کی پروا کی، نہ اچھا پہننے کی اور نہ عطر و تیل کی، جن کی بدولت ان کے حسن میں چار چاند لگ جاتے تھے۔ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے ان کی زندگی میں بڑے سبق ہیں۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس آزمائش کے دور میں مسلمان ہوئے جب اسلام کا نام لینے والے کی زندگی دوبھر کر دی جاتی تھی۔ انھیں گھر سے بے گھر کر دیا جاتا تھا، ان سے سلام وکلام بند کر دیا جاتا تھا۔ ان کا سماجی بائیکاٹ کر دیا جاتا، ان پر بے پناہ مظالم توڑے جاتے تھے۔ اس ناز کے پالے نے اس سخت وقت میں اسلام قبول کیا جب ایک مومن

---

[1] اللہ کے نزدیک بزرگ وہ ہے جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں سب سے زیادہ ہو۔

کو اسلام قبول کرنے کے "جرم" میں بھوک اور پیاس کی صعوبتوں میں مبتلا کر دیا جاتا، قید کر کے اندھیری کوٹھری میں ٹھونس دیا جاتا تھا۔ کچھ ایسے بھی ظالم تھے جن کے دل کی بھڑاس اتنے پر بھی نہ نکلتی تو وہ غضبناک ہو کر جان سے بھی مار دیتے، اور کچھ ایسے بھی تھے جو طرح طرح کے ظلم ایجاد کر کے مظلوم کے تڑپنے کا مزہ لیتے۔ عرب کی جلتی ریت پر دوپہر کے وقت لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دینا اور جلتے ہوئے کوئلوں پر لٹا کر بے بسوں کو تڑپتے دیکھنا روز کی بات تھی۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر ایسے ہی کڑے وقت میں ایمان لائے۔ ایک کافر نے ایک دن نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ تو ماں باپ کو خبر کر دی، انھوں نے یک لخت نظر پھیر لی۔ ماں کا سارا لاڈ پیار ختم ہو گیا۔ باپ کی ساری محبت و شفقت غم و غصّے سے بدل گئی۔ روک ٹوک ہوئی مگر جب مصعب اسلام پر اٹل رہے تو ہاتھ پیر باندھ کر ایک کوٹھری میں ڈال دیا۔ ایک عرصے تک قید رکھا۔ لیکن اس بندۂ مومن کے ماتھے پر بل نہ آیا۔ سب کچھ لٹا کر بھی دل و دماغ بالکل مطمئن رہا۔ پھر مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ملا تو یہ لاڈ پیار کا پالا نوجوان، نرم و نازک لباس پہننے والا انسان اور مست کر دینے والی خوشبوئیں استعمال کرنے والا شوقین بھی اللہ کے بندوں کے ساتھ حبش کی طرف چل کھڑا ہوا۔ حبش سے واپسی پر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ مصیبتوں اور آزمائشوں

کی وجہ سے وہ رنگ روپ باقی نہ رہا تھا۔ جس کا مزاج اطلس و کمخواب کے ذرا معیاری نہ ہونے سے برہم ہو جاتا تھا آج موٹا اور پرانا کمبل اوڑھے ہوئے تھا۔ اس عبرت انگیز مرقع کو جس نے دیکھا دنگ رہ گیا۔ خود ماں کو بیٹے کی پریشاں حالی پر رحم آگیا اور وہ ظلم سے باز آگئی۔

اسی زمانے میں ایک بار حضورؐ کی خدمت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ بدن پر ستر پوشی کے لیے صرف کھال کا ایک ٹکڑا تھا جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکا لیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الحمد للہ اب دنیا اور دنیا والوں کی حالت بدل جانا چاہیئے۔ یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکے میں کوئی ناز کا پالا نہیں۔ لیکن نیکی کی رغبت اور خدا اور رسولؐ کی محبت نے اس کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا!

اس درمیان میں مدینۂ منورہ کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انھوں نے رسولِ خدا سے اسلامی تعلیمات کو سیکھنے کے لئے ایک مبلغ کی درخواست کی۔ اللہ کے رسول نے اس کام کے لیئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو چنا۔ کچھ نصیحتیں فرمائیں اور مدینے کی طرف روانہ کر دیا۔ بعد کے حالات بتلاتے ہیں کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرضِ منصبی کو کس خوبی کے ساتھ انجام دیا۔

مدینے پہنچ کر دعوت و تبلیغ کا کام ان تمام حکمتوں کے ساتھ شروع کردیا جو ایک دعوت پیش کرنے والے میں ہونی چاہئیں۔ گھر گھر جا جا کر ملاقاتیں کرتے، مخاطب کے مزاج و خیالات کو پرکھتے، موقعہ مناسب دیکھ کر دین پیش کرتے، قرآن کی ایسی منتخب آیات پڑھ کر سناتے کہ سننے والے کا دل اپنی طرف کھینچ لیتے، ملنے والے سے نہایت اخلاق سے ملتے، زبان میں بے حد نرمی تھی جو لوگوں کے دل میں گھر کیے بغیر نہ رہتی، نمونے کے طور پر ایک واقعہ نیچے لکھا جاتا ہے۔

"ایک دن حضرت مصعب بن عمیرؓ کچھ مسلمانوں کو دین کی باتیں بتا رہے تھے، اتفاق سے مدینے کے ایک رئیس سعد بن معاذ ادھر آ نکلے۔ وہ مصعب بن عمیرؓ کے اسلام پھیلانے کا حال سن چکے تھے اور اُن سے بہت خفا تھے انھوں نے ایک با اثر آدمی اُسید بن حضیرؓ سے کہا: "اس داعی اسلام کو اپنے محلے سے نکال دو، اس نے یہاں آکر بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، اگر اسعدؓ (جن کے گھر حضرت مصعب مقیم تھے) سے میری رشتے داری نہ ہوتی تو میں تم سے نہ کہتا۔" یہ سن کر اُسید نے نیزہ اُٹھایا، اسعدؓ کے گھر آیا، دونوں کو بلایا، غضبناک ہو کر بولا: "تمھیں یہاں کس نے بلایا ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرو۔ اگر تم کو اپنی جانیں پیاری ہیں تو ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔"

یہ سن کر حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا: "بیٹھ کر ہماری باتیں

سُنو، اگر پسند آئیں تو قبول کر و ورنہ ہم خود چلے جائیں گے۔" اُسید نیزہ گاڑھ کر بیٹھ گیا اور غور سے سننے لگا حضرت مصعبؓ نے چند آیتیں سنا کر اللہ کے خالق، مالک اور رب ہونے کا اس خوبی کے ساتھ تذکرہ کیا اور توحید کے تقاضے اتنی عمدگی کے ساتھ کھول کھول کر بیان کیے کہ تھوڑی ہی دیر میں اِس کا دل نورِ ایمان سے چمک اٹھا اور زبان سے بے اختیار یہ نکلا "کیسا اچھا مذہب ہے، کیسی بہتر ہدایت ہے۔ دینِ اسلام میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے بعد ہی اُسید نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد سعد بن معاذؓ بھی بپھرے ہوئے پہنچے۔ لیکن وہ بھی حضرت مصعبؓ کی نرم زبانی سے موم ہو گئے اور اٹھے تو، کلمہ، توحید پڑھتے ہوئے اُٹھے۔ ان کا مسلمان ہونا تھا کہ مدینے کے چند لوگوں کے سوا سب مسلمان ہو گئے۔

مدینے ہی میں ایک کام حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ایسا کیا جس سے ان کی ذہانت اور دعوت و تحریک کی سوجھ بوجھ کا پتہ چلتا ہے۔ جب یہاں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی تو اسے ایک جماعت کی شکل میں ترتیب دیا، اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ جمعہ کی بنیاد ڈالنے کی اجازت مانگی۔ اجازت حاصل کر کے سب سے پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت باا ثر خطبہ دیا، پھر بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز

جمعہ پڑھائی۔ اس طرح عید المومنین (جمعہ) کی بنا ڈالنے کا شرف حضرت مصعب بن عمیرؓ کو حاصل ہوا۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ جس سے خوش ہوتا ہے اُس سے ایسے ہی مبارک کام لیتا ہے۔

مدینے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مصعبؓ کو جو کامیابی عطا فرمائی اس کا حال رسول خداؐ کو معلوم ہوتا رہتا تھا، جب پوری طرح اطمینان ہوگیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے تشریف لانے کے لیے مدینے کے مسلمانوں کی ایک جماعت چلی۔ ان کے معلم اور مبلغ حضرت مصعبؓ ساتھ تھے۔ مکے پہنچے تو سب سے پہلے حضورؐ کی خدمت میں پہونچے اور جس حکمت اور طریقے سے مدینے میں اسلام کی اشاعت کی تھی، اس کی ساری رپورٹ پیش کی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سُن کر بہت خوش ہوئے۔ ایک مومن کے لیے اس سے زیادہ اور کیا چاہیے کہ اللہ کا رسول اس سے خوش ہو جائے۔

حضرت مصعبؓ کی ماں نے سنا کہ بیٹا ایک مدت کے بعد آیا ہے اور گھر آنے سے پہلے دوسری جگہ ٹھیرا ہے تو ناراض ہو کر کہلا بھیجا: "تو کیسا بیٹا ہے کہ ایسے شہر میں آئے جس میں مَیں ہوں اور تو پہلے مجھ سے ملنے نہ آئے۔"

حضرت مصعبؓ نے ماں کے اس سوال کا جو جواب دیا اس سے ان کے عشقِ رسول کا صاف پتہ چلتا ہے آپ نے کہلا بھیجا: "میں رسولِ خدا سے پہلے کسی سے ملنے نہیں جاؤں گا۔"

حضرت مصعب بن عمیرؓ کا جو کچھ حال اوپر لکھا جا چکا اس سے ان کے دینی عشق اور دعوتِ اسلام کے پھیلانے کا نمونہ کسی قدر سامنے آجاتا ہے انھوں نے دین کے لیے اپنے حُسن و جمال، مال و دولت، زیب و زینت، محبت والدین، وطن قوم اور ملک غرضکہ وہ کونسی محبوب شے تھی جس کی قربانی پیش نہیں کی؛ لیکن یہ باب تشنہ رہ جائے گا اگر حضرت مصعب بن عمیرؓ کی موت کا واقعہ سپردِ کاغذ نہ کیا جائے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اللہ جل شانہٗ نے صرف یہی نہیں کہ حسن میں بے مثل بنایا تھا، صرف یہی نہیں کہ بہترین زبان اور ذہن مرحمت فرمایا تھا بلکہ ایک نڈر سپاہی، جاں باز بہادر اور بہترین جرنیل بھی بنایا تھا، یہ ان کی جنگی قابلیت ہی تھی کہ جنگِ بدر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں دیا اور غزوۂ احد میں بھی علم برداری کا شرف اُن ہی کو ملا۔ پھر اسلام کے اس شیدائی نے کس طرح اس منصب کو سنبھالا، اس کا اندازہ غزوۂ احد کے حالات سے کیا جا سکتا ہے۔

اس جنگ میں بعض مسلمانوں کی ایک اتفاقی غلطی سے جیتی ہوئی جنگ کچھ دیر کے لیے شکست میں تبدیل ہو گئی۔ کفارِ مکہ نے پیچھے سے حملہ کر کے یکایک مسلمانوں کو تتر بتر کر دیا۔ تو اس وقت بھی یہ جاں باز، علم بردار اسلام یکہ و تنہا کفار پر بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہا تھا۔ کیوں کہ رسولِ خدا کے دیئے ہوئے علم کو پیچھے کی

طرف جنبش دینا ملت کے اس فدائی کے لیے سخت عار تھا غرض اسی حالت میں بہت سے کفار نے مل کر بری طرح اس شیر کو گھیر لیا تیر، تلوار اور نیزوں کے بیسیوں وار ایک ساتھ ہوئے، اس بہادر نے بہت ۔ واروں کو بچایا، کچھ اپنے سینے پر لیے، لیکن اسلامی جھنڈے کو مضبوطی سے پکڑے رہا۔ اسی یلغار میں ایک کافر نے بڑھ کر تلوار کا وار داہنے ہاتھ پر کیا ہاتھ کٹ کر گرا قریب تھا کہ علم گرتا کہ بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ دشمن نے موقع غنیمت سمجھا، دوسرا وار بائیں ہاتھ پر کیا وہ بھی کٹ کر گرا۔ لیکن دیکھنے والے گواہ ہیں کہ اس حال میں بھی حضرت مصعبؓ نے علم کو گرنے نہ دیا۔ بازووں کو حلقہ بنا کر علم کو سینے سے چمٹا لیا۔ دشمن نے یہ فداکاری دیکھی تو جھنجھلا کر تلوار ہاتھ سے پھینک دی اور اس زور سے نیزہ تاک کر مارا کہ اس کی انی ٹوٹ کر سینے میں رہ گئی۔ اور اسلام کا سچا فدائی یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے زمین پر آ رہا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

اور محمد صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

(آل عمران - ۱)

اسلامی علمبردار گرا تو۔ اسلامی علم لہرایا۔ اپنی جان سے حق کی کمل شہادت دینے والے کے بھائی ابوالروم بن عمیرؓ نے دیکھا تو بڑھ کر اس کو سنبھالا اور آخر وقت تک بہادری کے ساتھ روک تھام کرتے رہے۔

لڑائی کے خاتمے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لاش کے پاس کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی :۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۔ الخ
مومنین میں سے کچھ آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اُس کو سچا کر دکھایا۔

پھر لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا "میں نے تم کو مکے میں دیکھا تھا جہاں تمھارے جیسا حسین اور خوش پوشاک کوئی نہ تھا لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمھارے بال اُلجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے "

اس زمانے میں غربت اور افلاس کے باعث اُحد کے شہیدوں کو ٹھیک سے کفن بھی نصیب نہ ہوا حضرت مصعب بن عمیرؓ کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے اور پیر چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا ۔ آخر کار سر چھپا دیا گیا اور پیروں پر گھاس ڈال دی گئی ۔ یہ اس شہیدِ ملت کا کفن تھا جس کا نام نامی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھا ۔

سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی رشتے تھے حضورؐ کے حقیقی چچا بھی تھے اور خالہ[1] زاد بھائی بھی۔ اس خاندانی تعلق کے علاوہ حضرت حمزہؓ آپ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے ان کو بھی دودھ پلایا تھا۔ عمر میں بھی زیادہ فرق نہیں تھا۔ صرف دو سال حضورؐ سے بڑے تھے لیکن نسل و خاندان اور قوم و وطن کے اعتبار سے اسلام میں کسی کو بزرگی نصیب نہیں ہوئی۔ اسلام میں بزرگی کا معیار یہ ہے کہ جو اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو جتنا زیادہ اللہ کے کاموں میں لگاتا ہے اتنا ہی اس کا مقام اونچا ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت حمزہؓ کو سپہ گری اور پہلوانی کا جوہر زیادہ سے زیادہ عطا فرمایا تھا حضرت حمزہؓ نے بھی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا حق اور شکر اس طرح ادا کیا کہ رسول خدا کی زبان مبارک سے سید الشہداء (تمام شہیدوں کے سردار) کا لقب پایا۔

حضرت حمزہؓ کو بچپن ہی سے پہلوانی اور سیر و شکار کا بڑا شوق تھا۔ تیر

---

[1] حضرت حمزہؓ کی والدہ ہالہ بنت وہب سرورِ کائنات کی والدہ حضرت آمنہؓ کی چچازاد بہن تھیں۔

اور تلوار رات دن کا مشغلہ تھا. توحید کی آواز گھر ہی سے بلند ہوئی اور مکّے کی گلیوں میں گونج گئی. اڑتیس ہوش مند حضرات نے اسلام قبول کر لیا لیکن انھیں سیر و شکار اور تیر و تلوار نے اتنی فرصت نہ دی کہ ادھر متوجہ ہوتے. اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف عجیب طریقہ سے رہنمائی فرمائی۔

ایک دن شکار سے واپس آرہے تھے. شہر میں داخل ہوئے راستے میں لونڈی ملی. اس نے کہا "کاش تھوڑی دیر پہلے تم آجاتے تو اپنے بھتیجے محمدؐ کا حال دیکھتے، وہ خانہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابوجہل نے سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا. لیکن محمدؐ نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ آئے"!

یہ سننا تھا کہ خون نے جوش مارا، دل تڑپ گیا، تیزی کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھے، غصّے سے اتنا بیتاب ہو رہے تھے کہ راستے میں ملنے والے دوستوں کی طرف بھی متوجہ نہ ہوئے. سیدھے خانۂ کعبہ پہنچے. ابوجہل کو دیکھا وہ اپنے اہالی موالی کے درمیان وہاں موجود تھا. اُسے دیکھتے ہی جھپٹے اس کے سر پر اس زور سے کمان دے ماری کہ سر کھُل گیا اور وہ بری طرح زخمی ہوا. اُس کے اہالی موالی مدد کو دوڑے اور بولے "حمزہ! شاید تم بھی بددین ہو گئے ہو۔" فرمایا "جب مجھ پر اُس کی سچائی ظاہر ہو گئی تو کون چیز اُس سے روک سکتی ہے. ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں

وہ سب حق ہے۔ خدا کی قسم اب میں اس سے پھر نہیں سکتا۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو"۔ ابو جہل نے حمزہ رضؓ کا یہ جلال دیکھا تو مددگاروں کو ہاتھا پائی کرنے سے منع کر دیا"۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مشرکین مکّہ کے ظلم و ستم سے کمزور اور ناتواں مومنین کو محفوظ رکھنے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہو چکے تھے لوگ اسلام کا نام لیتے ہوئے لرزتے تھے ایسے سخت وقت میں حضرت حمزہؓ نے جس بے خوفی سے حق کا اعلان کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب حضرت حمزہؓ کی سپہ گری کا لوہا مانے ہوئے تھے حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے سے اچانک حالت بدل گئی۔ اب کفار مسلمانوں کو ستاتے ہوئے کچھ نہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتے تھے اس طرح حضرت حمزہ رضؓ نے اللہ کی راہ میں اپنی بہادری اور سپہ گری کی پہلی گواہی دی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے کفار میں کھلبلی مچ گئی وہ مشورے کرنے لگے کہ اب کیا ہو گا۔ اسلام کی آواز کو دبانے کے لیے طرح طرح کی تجویزیں ہونے لگیں۔ جھنجھلا کر سب نے طے کیا کہ اب اسلام کے رہبر اعظمؐ ہی کو کسی طرح ختم کر دیا جائے۔

اس کے لیے ایک بہت بڑی رقم بطور انعام رکھی گئی۔ مکّے کے دوسرے مشہور جوشیلے بہادر عمر تلوار سونت کر اٹھے اور ارقم بن ابی ارقم کے گھر کی

طرف چلے۔ وہاں صحابۂ کرامؓ رسولِ کریم کے گرد جمع تھے۔ عمرؓ کا آنا معلوم ہوا تو فکرمند ہوئے لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا کچھ مضائقہ نہیں، آنے دو، اگر خلوص سے آرہا ہے تو بہتر ہے ورنہ اُسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔"

یہ تھی حضرت حمزہؓ کی بہادری اور یہ تھا اللہ کی دی ہوئی بہادری پر بھروسہ اور سینہ عرب کی قوم وہ قوم تھی جو نسل و خاندان کے اعتبار سے نہایت مغرور واقع ہوئی تھی۔ بہت سے ذی ہوش محض اسی غرور کی وجہ سے اسلام کی دولت سے محروم رہے۔ بدر کے میدان میں ابوالبختری نے ابوجہل سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: "سچ کہنا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے؟" ابوجہل نے جواب دیا "اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں، مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم بلال کے برابر بنجائیں۔" بلال رضی اللہ عنہ غلام تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں غلاموں کو اتنا نیچ اور پست سمجھا جاتا تھا کہ آج کل اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اچھوتوں اور افریقہ کے کالوں کے ساتھ جو برتاؤ روا رکھا گیا ہے اس سے اس زمانے کے غلاموں کو ذرا بھی ناپا نہیں جاسکتا۔ لیکن صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے وہ توفیق عطا فرمائی تھی کہ کالے گورے، اونچے نیچے، غریب امیر، ذات پات غرض کہ کسی طرح کی عصبیت کا شائبہ بھی باقی نہ رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ ہی کی مثال سامنے ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشہور غلام زید بن حارثہؓ کو اپنے حقیقی چچا حضرت حمزہؓ کا اسلامی بھائی قرار دیا تو انھیں زید سے اتنی محبت

ہوگئی کہ جب کہیں باہر جاتے تو اپنے اسی اسلامی بھائی کو اپنا وارث قرار دے کر ہر طرح کی وصیت کر جاتے تھے۔ اس طرح حضرت حمزہ رضؓ ہر طرف سے کٹ کر اسلام ہی کے ہو رہے۔ پہلوانوں کو پہلوانوں سے جو نسبت اور محبت ہوتی ہے وہ سب کو معلوم ہے لیکن حضرت حمزہؓ نے تمام دوستیاں، تمام نسبتیں، تمام تعلقات یک لخت ختم کر دیئے اور اللہ کی طرف یکسو ہو گئے۔ اس کے بعد جو زندگی پہلوانی، سپہ گری اور سیر و تفریح اور شکار میں بسر ہو رہی تھی وہ اسلام کی راہ میں کام آنے لگی۔ کس طرح اس کی مختصر تفصیل یہ ہے!

حضرت حمزہؓ نبوت کے تیرھویں سال تمام صحابۂ کرامؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے پہنچے۔ یہاں ان کو اللہ کی دی ہوئی طاقت اور بہادری کو اسلام پر نچھاور کرنے کا خوب موقع ملا۔ سب سے پہلے مشرکین مکہ کے قافلوں کی روک ٹوک کے لیے رسولِ خدا نے تیس آدمی روانہ فرمائے حضرت حمزہ رضؓ کو ان کا سردار مقرر فرمایا۔ اس طرح سب سے پہلا اسلامی عَلَم ان ہی کو عنایت ہوا۔

یہ تیس آدمیوں کی ٹولی آگے بڑھی تو اچانک ابوجہل کے قافلے سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اس قافلے میں تین سو سوار تھے۔ حضرت حمزہؓ اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ ان تین سو کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ حضرت حمزہؓ کو دیکھ کر مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کر کے لڑائی روک دی اور دونوں گروہ بغیر لڑے بھڑے اپنی اپنی طرف واپس گئے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مقامات

پر بہت تھوڑے آدمیوں کے ساتھ آپ کو روانہ کیا اور ہمیشہ آپ کامیاب واپس ہوئے
اس کے بعد بدر کی لڑائی پیش آئی۔ اس میں قریش مکہ کا سب سے زیادہ تجربہ کار
اور بہادر شخص عتبہ اپنے بھائی اور بیٹے کو لے کر آگے بڑھا لشکر اسلام سے چند انصاری
نوجوان اس کے مقابلے کو نکلے، مگر وہ اپنی بہادری اور طاقت پر اتنا مغرور تھا کہ اپنے
سے کم پلہ لوگوں سے لڑنا اپنی توہین سمجھتا تھا۔ اس نے پکارا "محمدؐ! ہم ناجنسوں
سے نہیں لڑ سکتے ہمارے ہم پلہ لوگوں کو بھیجو"۔ اس کی یہ بات سُن کر حضورؐ نے
حضرت حمزہ علی اور عبیدہ رضی اللہ عنہم کو مقابلے کے لیے بھیجا۔ حضرت حمزہؓ نے
بڑھ کر عتبہ کو للکارا اور پہلے ہی وار میں اسے ڈھیر کر دیا۔ یہ دیکھ کر کفار مکہ کی طرف سے
دوسرا مشہور بہادر طعیمہ بن عدی بدلہ لینے کے جوش میں جھپٹا لیکن ایک ہی وار
میں وہ بھی جہنم رسید ہوا۔ دشمن نے یہ دیکھا تو ایک دم ہلہ بول دیا۔ دوسری طرف
سے مجاہدین اسلام نے اپنے بہادروں کو نرغے میں دیکھا تو رسول خداؐ کے حکم
سے وہ بھی بڑھے اور کفار پر ٹوٹ پڑے۔ نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت
امیر حمزہؓ کی پگڑی پر شتر مرغ کی کلغی تھی اس لیے جس طرف گھس جاتے صاف نظر
آتے۔ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا رہے تھے جس طرف رُخ کرتے پرے کے
پرے صاف کر دیتے۔ لشکر کفار کے بڑے بڑے بہادر ان کے ہاتھ سے مارے
گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں دشمن بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں نے بہت سے لوگوں کو
گرفتار کیا۔ ان قیدیوں میں مکے کے بڑے بڑے لوگ تھے۔ بعض قیدیوں نے

پوچھا: "یہ غلطی لگائے کون تھا؟" جواب ملا: "حمزہؓ" تو وہ بولے: "آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا۔"

اس ہار سے مشرکین مکہ کو بڑے [illegible] جانی ومالی نقصان ہوا۔ وہ اس غم کو نہ بھولے۔ بدلا لینے کے جوش میں انھوں نے ایک بڑا لشکر اکٹھا کیا اور مدینے کی طرف بڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو ساتھ لیا اور اُحد کے مقام پر ان کو جا روکا۔ کفار کی طرف سے سباع پہلوان نے بڑھ کر مقابلے کے لیے مسلمانوں کو پکارا تو حضرت حمزہؓ تلوار تول کر میدان میں آئے اور للکار کر کہا: "کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے؟" یہ کہہ کر اس زور سے وار کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا۔

اس کے بعد گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ بدر کی جنگ میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں قریش کے بڑے بڑے سُورما قتل ہوئے تھے، اس لئے قریش سب سے زیادہ ان ہی کے خون کے پیاسے تھے، وہ صف باندھ کر ان پر حملہ کرتے لیکن حضرت حمزہؓ نے ان کی صفیں کی صفیں الٹ دیں، تنہا تیس نامور کافروں کو مار گرایا۔

جبیر بن مطعم نے ایک غلام کو جس کا نام وحشی تھا اپنے چچا طعیمہ بن عدی کا بدلہ لینے کے لیے خاص طور سے تیار کیا تھا اور اُسے انعام کے علاوہ آزادی کا بھی لالچ دیا تھا۔ اس کے ابھارنے پر وحشی اس جنگ میں ایک چٹان کے پیچھے گھات میں بیٹھا تھا۔ چھپا ہوا حضرت حمزہؓ کا انتظار کر رہا تھا۔ اتفاق کی بات وہ لڑتے ہوئے ادھر سے گزرے۔ اس نے چھپ کر اچانک بڑے زور

سے اپنا خاص حربہ پھینک کر مارا اس کے حربے سے لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی
امیر حمزہ رضؓ کی شہادت پر کفار کی عورتوں اور مردوں نے خوشی اور مسرّت کے ترانے
گائے۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے جس کا باپ بدر کی لڑائی میں حضرت حمزہ رضؓ کے
ہاتھ سے مارا گیا تھا، انتقام کے جوش میں رسولِ خدا کے چچا کا کلیجہ نکالا اور چبا چبا کر
نگلنا چاہا مگر نگل نہ سکی، تھوک دیا۔ پھر ناک کان کاٹ کر زیور بنایا۔ رسولِ خدا
نے سُنا تو پوچھا "کیا اس نے کھایا بھی ہے؟" لوگوں نے عرض کی "نہیں" فرمایا۔
"خدا حمزہ رضؓ کے بدن کے کسی حصّے کو جہنّم میں داخل ہونے نہ دے گا۔"

اس کے بعد چچا کی لاش کے پاس تشریف لائے۔ ہندہ نے ناک کان کاٹ
کو بڑی دردناک صورت بنا دی تھی دیکھا تو دل بھر آیا۔ اور فرمایا "تم پر خدا کی رحمت
ہے کیونکہ تم رشتے داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش
رہتے تھے۔ اگر مجھے صفیہ کے رنج و ملال کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی طرح چھوڑ
دیتا کہ درند اور پرند کھا جائیں اور تم قیامت میں ان ہی کے شکم سے اٹھائے جاؤ۔
خدا کی قسم مجھ پر تمہارا بدلہ واجب ہے میں تمہارے بدلے ۷۰ کافروں کے ناک کان کاٹوں
گا" لیکن اللہ تعالیٰ نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت فرما دی اس لیے صبرِ جمیل اختیار فرمایا۔

حضرت صفیہ رضؓ حضرت حمزہ رضؓ کی سگی بہن تھیں۔ بھائی کی شہادت کا حال سُنا تو
جنازے کے پاس آئیں لیکن حضورؐ نے دیکھنے نہ دیا تسلّی و تشفّی دے کر واپس کر دیا۔ چلتے
وقت حضرت صفیہ رضؓ اپنے صاحبزادے حضرت زبیر رضی اللہ کو دو چادریں دے گئی تھیں کہ

ان سے کفن کا کام لیا جائے لیکن پاس ہی ایک انصاری کی لاش بے گور و کفن پڑی تھی اس لیے انھوں نے دونوں شہیدوں میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی۔ اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چادر سے چہرہ چھپا دو اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو۔"

اس عبرت آنگیز طریقے سے سید الشہدار کا جنازہ تیار ہوا۔ سرورِ کائنات نے خود نماز پڑھائی اس کے بعد ایک ایک کر کے اُحد کے تمام شہیدوں کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپؐ نے الگ الگ ہر ایک پر نماز پڑھائی۔ اس طرح تقریباً ستر نمازوں کے بعد اللہ کے رسول اور دین کے غازیوں نے سید الشہدار کو اس میدان میں دفن کیا۔

حضورؐ کو حضرت حمزہؓ سے کتنی محبت تھی؛ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت حمزہؓ کے قاتل حضرت وحشیؓ مسلمان ہو کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن سے پوچھا "کیا تم وہی وحشی ہو؟" عرض کی "ہاں" فرمایا "تم نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟" بولے حضور کو جو کچھ معلوم ہوا، وہ ٹھیک ہے۔" ارشاد ہوا "کیا تم اپنا چہرہ چھپا سکتے ہو؟" غرض اسی وقت باہر آنا پڑا اور پھر تمام عمر سامنے نہ جا سکے۔ [1]

---

[1] اس فعل کا احساس حضرت وحشی کو اتنا ہوا کہ سوچتے تھے کیا کریں کہ اس نقصان عظیم کا ازالہ کر سکیں۔ چنانچہ آنحضرت کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں فوج بھیجی گئی تو حضرت وحشی بھی اس میں شریک تھے اور انھوں نے (باقی اگلے صفحہ)

یہ ہے اسلام کے اُس شہید اعظم کا مختصر حال جس نے جس روز سے اسلام قبول کیا اپنی خداداد صلاحیتوں کو اسلام ہی کے لیے وقف کردیا۔ یہاں تک کہ حق کی جو گواہی زبان سے دی تھی اس کو جان کی شہادت سے مکمل کردیا۔

حضرت حمزہؓ نے کئی شادیاں کیں، اولادیں بھی ہوئیں، لیکن سب بچپن ہی میں فوت ہوگئیں۔ صرف ایک بچی امامہ نامی زندہ رہی جو ہجرت کے وقت مکے ہی میں رہ گئی تھی جب حضور اکرمؐ نے مکہ فتح کیا اور پھر وہاں سے واپس ہوئے تو بھائی بھائی پکارتی پیچھے دوڑی۔ حضرت علیؓ نے اُسے گود میں اٹھالیا اور اپنا حق جتلاتے ہوئے حضورؐ سے درخواست کی کہ یہ میری چچازاد بہن ہے لہٰذا میری تربیت میں دے دی جائے۔ حضرت زید بن حارثہ نے بڑھ کر اپنا دعویٰ پیش کیا کہ میں حمزہؓ کا بھائی اور وصی ہوں لہٰذا یہ میری بھتیجی ہے اس پر میرا حق ہے۔" حضرت جعفر طیارؓ اپنا حق جتارہے تھے کہ امامہ میری چچازاد بہن بھی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔" آنحضرت نے جعفرؓ کے حق میں فیصلہ کردیا۔ کیونکہ خالہ کا رتبہ ماں کے برابر ہے۔ امامہ کے بالغ ہونے پر حضرت علیؓ نے حضورؐ کو امامہ کے ساتھ شادی کرلینے کو کہا لیکن آپؐ نے انکار کردیا اور فرمایا کہ "حمزہؓ" میرا دودھ شریک بھائی بھی تھا (رضی اللہ عنہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲) مسیلمہ کذاب جیسے فتین شخص کو مار کر دم لیا اور اس طرح اُن کی ذات سے اسلام کو جو نقصان پہنچا تھا اس کا ازالہ کردیا۔

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس گیارہ چچا تھے۔ ان میں سے چار بہت مشہور ہوئے۔ ابوطالب اس لیے مشہور ہیں کہ انھوں نے عبد المطلب کے بعد اپنے یتیم بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی محبت سے پالا اور ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرتے رہتے تھے۔ ابولہب کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ وہ ساری عمر خدا اور رسول خدا کا دشمن رہا اور جہاں تک اس سے ہو سکا اسلام کو مٹانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن نبی کریمؐ کے دو چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کا مقام یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ نبی کریمؐ پر ایمان لائے۔ اسلام پر جمے اور اللہ کی رضا کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے پر تلے رہے۔ انھوں نے زبان سے اعمال سے، جان سے اور مال سے ہر طرح اپنے مسلمان ہونے کی گواہی دی۔

حضرت عباسؓ تھے تو حضورؐ کے چچا لیکن عمر میں زیادہ فرق نہ تھا۔ دو ڈھائی برس ہی بڑے تھے۔ بچپن ہی سے بھتیجے کے ساتھ بڑی محبت تھی بلکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ چچا بھتیجے کوئی کام کر رہے ہیں، کام کرتے کرتے بھتیجے پر مشقت کا زیادہ بوجھ دیکھا کہ بے چین ہو گئے فوراً ہمدردی کی۔ ایک بار خانۂ کعبہ کی

مرمت ہورہی تھی۔ بوڑھے، بچے اور جوان سبھی کام کر رہے تھے۔ بچوں کے ساتھ آنحضرتؐ اور عباسؓ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ پتھر ڈھونے میں آنحضرتؐ کا کندھا چھل گیا، چچا عباس بے قرار ہو گئے۔ جھٹ آپ کا تہبند آپ کے کندھے پر رکھ دیا۔

بچپن ہی میں نہیں۔ جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے محبت بڑھتی گئی۔ مسلمان ہونے سے پہلے بھی ہر طرح ساتھ رہے اور مسلمان ہونے کے بعد بھی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکے میں اسلامی تحریک شروع کی اور توحید کی طرف لوگوں کو بلایا تو حضرت عباسؓ شروع شروع میں ایمان نہ لانے کے باوجود تحریک کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور دل سے اس کے ساتھ رہے۔ چنانچہ جب مدینے کے بہتر انصار نے حج کے زمانے میں منیٰ کی ایک گھاٹی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے مدینہ چلنے کی درخواست کی تو اس رازداری کے موقع پر بھی عباس موجود تھے! اس موقع پر انھوں نے جو تقریر کی اس سے ان کے تجربہ اور خلوص کا پتہ تو چلتا ہی ہے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحریکِ اسلامی کی راہ میں مشکلوں کو خوب سمجھتے تھے۔ انھوں نے انصار سے کہا۔

"تم کو معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں بہت معزز اور محترم رہے ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے۔ اب وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔"

اس تقریر کے جواب میں انصار نے اپنی جاں نثاری کا یقین دلایا تو حضرت عباسؓ کو بھی اطمینان ہوگیا اس کے کچھ دنوں بعد حضورؐ مکّے سے مدینے ہجرت فرما گئے۔ عباسؓ مکّے ہی میں رہے مگر دل حضورؐ میں لگا رہا وہاں حضورؐ نے خیبر فتح کیا مکّے میں ایک شخص نے خبر اُڑادی کہ خیبر میں مسلمانوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گرفتار ہوگئے اور اُن کے بہت سے ساتھی مارے گئے۔

اس خبر کو سُن کر مکّے والے خوشی سے پھولے نہ سمائے مگر حضرت عباسؓ کے گھر رونا پیٹنا پڑگیا۔ پھر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کامیابی ہوئی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ نہا دھو کر بہترین کپڑے پہنے، عصا ہاتھ میں لیا، کعبے میں گئے اور ہشاش بشاش طواف کرنے لگے لوگوں نے چھیڑ کر کہا:

"خدا کی قسم! یہ مصیبت اور اس طرح صبر کا اظہار!!"

اس چھیڑ کے جواب میں آپ نے جواب دیا" قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی، ہرگز نہیں، بالکل غلط ہے (تم کو معلوم ہونا چاہیے) خیبر فتح ہوگیا اور اس کی ایک ایک انچہ زمین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کے قبضے میں ہے"۔

لوگوں نے معلوم کیا تو حضرت عباسؓ کی بات ٹھیک نکلی۔ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور ہارے جواری کی طرح زبان اپنے خشک ہونٹوں پر پھیرنے لگے۔

یہی نہیں کہ حضرت عباسؓ حضورؐ کو خوش و خرم سُن کر خوش ہوتے تھے اور رنجیدہ سُن کر رنجیدہ، بلکہ مسلمان ہونے سے پہلے مکّے والوں کی ایک ایک بات کی اطلاع حضورؐ کو پہنچاتے رہتے تھے اور ان غریب مسلمانوں کی مدد کرتے رہتے تھے جو کسی عذر کے سبب ہجرت نہ کر سکے تھے۔ حضرت عباسؓ جب مکّے سے مدینے جانے کا ارادہ کرتے تو حضورؐ انھیں روک دیتے اور فرماتے کہ "ابھی آپ کا مکّے میں ٹھہرے رہنا ہی اچھا ہے جس طرح اللہ نے مجھ پر نبوت ختم کی اسی طرح آپ مکّے کے آخری مہاجر ہوں گے"۔

قریش مکّہ سمجھتے تھے کہ عباسؓ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف خون کی محبت ہے ورنہ وہ قریش کے ساتھ ہیں۔ اسی بنا پر انھوں نے بدر کی لڑائی کے موقع پر ان کو مجبور کیا کہ چل کر مسلمانوں سے لڑیں۔ مجبوراً عباسؓ اس لڑائی میں قریش کے ساتھ ہو لیے۔ لیکن نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح جانتے تھے کہ عباسؓ کا اس وقت کیا مقام ہے۔ اسی لیے آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی تھی کہ "لڑائی کے میدان میں عباسؓ سامنے آجائیں تو قتل نہ کیے جائیں وہ زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں"۔

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی دی۔ عباسؓ گرفتار ہوئے۔ اتفاق سے بدن میں رسّیاں اس قدر کس کر باندھ دی گئیں کہ اس کی تکلیف سے کراہنے لگے۔ اُن کی اس تکلیف سے نبی کریمؐ کو نیند نہیں آرہی

تھی صحابہؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے مشکیں ڈھیلی کردیں۔

حضورؐ کو عباسؓ سے جو محبت تھی اس کا ایک طرف عالم یہ تھا جو اوپر کی چند سطروں سے معلوم ہوتا ہے لیکن جب فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کا مسئلہ پیش آیا تو عباسؓ سے بھی ایک بھاری رقم طلب کی گئی۔ اس کے جواب میں حضرت عباسؓ نے اپنا یہ عذر پیش کیا کہ "میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہوچکا تھا مشرکین نے زبردستی مجھ کو اس جنگ میں گھسیٹا" ارشاد ہوا کہ دل کا حال اللہ بہتر جانتا ہے۔ اگر آپ کا یہ دعویٰ ٹھیک ہے تو خدا اس کا اجر دے گا۔ ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہوسکتی"

اب انھوں نے اپنی ناداری کا بہانہ کیا۔ یہ بات بھی مانی نہیں گئی۔ حضورؐ نے فرمایا "مجھے معلوم ہے کہ آپ مکے میں بیوی کے پاس ایک بڑی رقم رکھ آئے ہیں" یہ سن کر عباسؓ کو بڑا تعجب ہوا، بولے "خدا کی قسم اس رقم کا حال میرے اور میری بیوی کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا بے شک آپ خدا کے رسول ہیں اور اپنی طرف سے اتنی بڑی رقم فدیہ میں دی کہ خود رہا ہوئے اور اپنے دو قیدی بھتیجے عقیل اور نوفل بن حارث کو بھی رہا کرایا۔

اسی طرح کھلے چھپے ایک عرصہ تک مکے میں رہے۔ فتح مکہ سے کچھ مدت پہلے ہجرت کی اجازت ملی تو بال بچوں کو لے کر مدینے پہنچے اور علی الاعلان اپنے اسلام کا اقرار کرکے مسلمانوں کے ہر رنج و خوشی میں کھلم کھلا شریک ہوگئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے سے پہلے بہت مال دار اور متمول تھے۔ والد کے انتقال کے بعد خانۂ کعبہ کا انتظام اور حاجیوں کو پانی پلانے کا عہدہ خود سنبھالا اور ہجرت کے وقت تک بڑی خوبی سے یہ فرض انجام دیتے رہے۔ ذریعہ معاش تجارت تھا، ساتھ ہی سودی کاروبار بھی کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے ۱۰ھ میں اپنے آخری حج کے موقع پر اپنے آخری خطبے میں سود کو حرام قرار دیا تو انھوں نے ان الفاظ میں اعلان فرمایا:۔

"آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کیے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جسے میں بند کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا ہے"۔

اس اعلان کے بعد حضرت عباسؓ کی یہ آمدنی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ مکہ کی تجارت ہجرت کے وقت ہی ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے آنحضرت مالِ غنیمت اور اپنے باغ فدک کی آمدنی سے مدد کرتے رہتے تھے۔ حضرت عباسؓ اس طرح جو کچھ پاتے، اسے نہایت فیاضی سے خرچ کرتے تھے۔ نہایت مہمان نواز اور دل کے نرم بزرگ تھے۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو رقت طاری ہو جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی دعاؤں میں خاص اثر تھا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں پانی نہ برسنے سے زبردست قحط پڑا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے دعا کرنے کی درخواست کی۔ حضرت عباس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا تو اچانک

صاف وشفاف آسمان پر بادل آنے شروع ہو گئے۔ اس کے بعد اتنا پانی برسا کہ جل تھل ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کی محبت اور خوبیوں کی وجہ سے ان کی بڑی قدر اور عزت کرتے تھے۔ اگر کوئی انھیں ناراض کرتا تو غصہ ہو جاتے اور اس طرح فرماتے "عباسؓ رسولِ خدا کا چچا ہے اور چچا باپ کا قائم مقام ہے۔" کبھی یوں فرماتے "یہ عباسؓ رسول خدا کے چچا ہیں، یہ قریش میں سب سے زیادہ فیاض ہیں اور اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں۔" ایک بار حضرت عباسؓ کو متوجہ کر کے فرمایا "قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو شخص خدا اور رسول کے لیے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں ایمان کا نور نہ ہو گا۔ چچا باپ کا قائم مقام ہے۔" حضورؐ کی وفات پر تعزیت کے لیے لوگ آپ ہی کے پاس آتے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند تھی۔ یہاں تک کہ لڑائی کے وقت ہتھیاروں کی جھنکار اور سپاہیوں کی پکار میں جبکہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز اچھی طرح سنائی دیتی تھی۔ خود فرماتے ہیں کہ حُنین کی جنگ میں آنحضرت کے گھوڑے کی لگام تھامے تھامے ساتھ ساتھ دوڑتا تھا۔ عین لڑائی میں کفّار کا ایک بار غلبہ ہوا تو اچانک مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا عباسؓ! تیرے

والوں کو پکارو! میری آواز شروع ہی سے بلند تھی۔ میں نے "یا اصحٰب السمرۃ" یعنی اے نیزے والو! کہاں ہو؟" کا نعرہ مارا تو سب کے سب یکدم پلٹ پڑے اور مسلمانوں کا بگڑا ہوا کام بن گیا۔

بعض روایتوں میں حضرت عباسؓ کا ایک سادہ سا واقعہ پایا جاتا ہے اللہ کی رضا ڈھونڈنے والوں کے لیے اس سادہ واقعہ میں بھی بڑی نصیحتیں ہیں۔ یہ واقعہ یوں ہے :-

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں لوگوں نے شکایت کی کہ عباسؓ کے مکان کا پرنالہ مسجد کی طرف ہے، جب پانی برستا ہے تو اس سے چھت کا تمام پانی مسجد میں آتا ہے اور نمازیوں کو زحمت ہوتی ہے۔ یہ شکایت سن کر امیر المومنین نے حکم دیا کہ پرنالہ بند کر دیا جائے۔ حضرت عباسؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے امیر المومنین پر دعویٰ کر دیا۔ ثبوت میں کہا کہ یہ پرنالہ حضورؐ کے زمانے سے یوں ہی چلا آرہا ہے اور میری مرضی کے بغیر اسے بند کر دیا گیا ہے۔

یہ ثبوت پا کر قاضی نے امیر المومنین کے خلاف اور حضرت عباسؓ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ حضرت عباسؓ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضہ کی موجودگی میں پھر پرنالہ کھول دیا۔ جب یہ سب ہو چکا تو رسول خداؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے فرمایا :-

امیر المومنین! اگر میں پہلے اپنے حق سے دستبردار ہو جاتا تو اس میں آپ کی رضا اور خوف کا شبہ ہو سکتا تھا۔ اب جبکہ میں مقدمہ جیت گیا تو اس سارے مکان کو اللہ کے لیے دیتا ہوں۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں سارے مکان کو استعمال کریں۔"

اس طرح اللہ کی رضا حاصل کرتے کرتے حضرت عباسؓ نے اٹھاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مشہور صحابی آپ کی اولاد میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت جعفر طیارؓ رضی اللہ عنہ

حضرت جعفر طیارؓ حضرت علیؓ کے سگے بھائی تھے، والد کا نام ابو طالب تھا اس رشتے سے حضرت جعفرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والدین اور دادا عبدالمطلب کے انتقال کے بعد ابو طالب کے گھر رہنے لگے تھے، اس لیے حضرت علیؓ اور جعفر طیارؓ آپؐ سے اور آپؐ ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ایک ساتھ اُٹھنے بیٹھنے اور ایک ساتھ رہنے سہنے سے ایک دوسرے کے عادات واطوار سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت جعفرؓ سے یہ محبت اس بنا پر نہ تھی کہ وہ چچا زاد بھائی تھے بلکہ حضرت جعفرؓ میں نیکی کے وہ جوہر موجود تھے جن کی وجہ سے آنحضرتؐ آپ سے محبت کرتے تھے۔

جب نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ گھر والوں کے سامنے اسلام پیش کیا تو حضرت علیؓ اسی وقت ایمان لے آئے۔ اس کے بعد ایک دن حضرت علیؓ کے ساتھ اپنے رب کی عبادت فرما رہے تھے کہ ابو طالب حضرت جعفرؓ کے ساتھ ادھر آنکلے۔ ابو طالب نے بیٹے اور بھتیجے کو خشوع اور خضوع کے ساتھ عبادت کرتے دیکھا تو بہت متاثر ہوئے۔ حضرت جعفر سے کہا "بیٹے! تم بھی شامل ہو جاؤ۔"

یہ سُنتے ہی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضور کے بائیں طرف جا کر کھڑے ہو گئے۔ نماز ادا کی پہلی ہی بار ایک اللہ کی پرستش میں وہ لطف آیا کہ پھر اُس سے منھ نہ موڑا اور اللہ کی توحید اور حضورؐ کی رسالت کا اقرار کیا۔

اس وقت اسلام کو قبول کر لینا آسان کام نہ تھا۔ کفارِ مکّہ نے اسلام لانے کے "جرم" میں بڑے بڑوں کو ستانے اور تکلیف دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ جب تک ابو طالب زندہ رہے، اپنی نرم پالیسی اور اثر سے کچھ نہ کچھ قریش کی مخالفت کو روکتے رہتے تھے، لیکن ان کے انتقال کے بعد اب کس کا دباؤ تھا، جسے مکّے کے لوگ مانتے۔ چنانچہ اب انھوں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ حضرت جعفرؓ بھی ان سے نہ بچے۔ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ قریش کے مظالم ناقابلِ برداشت ہوتے جا رہے ہیں تو مسلمانوں کو حکم دیا کہ حبش کو ہجرت کر جائیں۔ پیارے نبیؐ کا یہ حکم سنتے ہی مسلمانوں کی ایک جماعت نے حبش کی راہ لی۔ حضرت جعفرؓ اس جماعت کے ساتھ تھے۔

یہ لوگ حبش میں پہنچے ہی تھے کہ پیچھے سے قریش کا ایک گروہ پہنچا جس کا منشا یہ تھا کہ ہجرت کرنے والوں کو پھر واپس لایا جائے اور اپنی اُس پیاس کو بجھایا جائے جسے مسلمانوں کو ستا کر ہی بجھایا جا سکتا تھا۔ یہ لوگ حبش کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں پہنچے اور درخواست کی کہ "ہماری قوم کے چند ناسمجھ نوجوانوں نے اپنے باپ دادا کے مذہب سے پھر کر دوسرا دین اختیار کر لیا ہے اور وطن سے

بھاگ کر آپ کی حکومت میں چلے آئے ہیں۔ ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتے داروں نے بھیجا ہے کہ انھیں آپ کے ملک سے واپس لے جائیں۔ امید ہے کہ آپ ہمیں ان کے لے جانے کی اجازت دیں گے"۔

نجاشی نہایت سمجھ دار اور نیک طبیعت کا بادشاہ تھا۔ اُس نے بلا تحقیق واپس کرنا مناسب نہ سمجھا مسلمانوں کو دربار میں بلا کر پوچھا کہ "وہ کون سا مذہب ہے جس کے لیے تم لوگوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا ہے"؟

مسلمانوں نے نجاشی کی اس بات کا جواب دینے کے لیے حضرت جعفرؓ کو پیش کیا اس موقع پر حضرت جعفرؓ نے ایک غیر مسلم مجمع میں تقریر فرمائی، اس تقریر میں ایک طرف سوسائٹی پر بہترین تنقید موجود ہے تو دوسری طرف اسلام اور اس کے تقاضے بھی نمایاں ہیں۔ یہ تقریر اپنی جگہ مختصر ہوتے ہوئے بڑی جامع ہے۔ اس کا اندازہ اسے پڑھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"اے بادشاہ! ہماری قوم بہت ہی جاہل تھی، ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بُرے کام کرتے تھے، پڑوسیوں کو ستاتے تھے، ہم میں کا طاقتور کمزوروں کا خون چوس لیتا تھا، ہم اپنے رشتے داروں کا حق مار لیتے تھے، ہم ان ہی بُرائیوں میں دن رات لگے رہتے تھے کہ خدا نے ہم ہی میں سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا۔ ہم اس شخص کی ہر بات سے

اچھی طرح واقف تھے، اس کی پوری زندگی اور اس کی زندگی کا ہر کام ہم پر واضح تھا، ہم نے اس کو ہمیشہ سچا اور امین پایا، وہ ہمیشہ پاک باز اور نیک ثابت ہوا، ہم اس کی بزرگی کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ اس نے ہم کو بتوں کی پوجا سے منع کیا، شرک سے روکا، اس نے ہم کو توحید کی تعلیم دی، سچائی اور امانت داری کا سبق دیا، پڑوسیوں اور رشتہ داروں سے محبت کرنا سکھایا، اس نے ہمیں تاکید کی ہم جھوٹ نہ بولیں؛ بے قصور کسی کا خون نہ بہائیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف عورتوں پر تہمت نہ لگائیں، بت پرستی کو چھوڑ کر ایک خدا پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں، روزہ رکھیں زکوٰۃ دیں ــــ ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی بتائی ہوئی باتوں پر چلے، ہم نے بتوں کو پوجنا چھوڑ دیا، صرف ایک خدا کی عبادت کرنے لگے، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنے لگے اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، اس نے طرح طرح سے ستا کر ہمیں پھر بت پرستی اور جاہلیت کے برے کاموں کی طرف لانا چاہا، جب ان کے ظلم ہماری برداشت سے باہر ہو گئے تو اپنے اسی نبیؐ اور رسولؐ کے حکم سے ہم آپ کی حکومت میں چلے آئے؟

یہ تقریر سُن کر نجاشی نے کہا "تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی اس میں سے پڑھ کر کچھ سناؤ" حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ قرآن کی آیتیں سن کر نجاشی بہت متاثر ہوا، اُس نے کہا "خدا کی قسم، یہ اور تورات ایک چراغ کا نور ہیں" اور مکّے کے قریش سے صاف کہہ دیا "خدا کی قسم میں ان کو کبھی تمہارے حوالے نہ کروں گا۔"

قریش کا یہ داؤں خالی گیا تو انھوں نے ایک چال اور چلی، وہ پھر نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ "حضورؐ یہ جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں ان لوگوں کا کیا خیال ہے؟" نجاشی نے جواب دینے کے لیے مسلمانوں کو پھر بُلایا۔ اس سوال کا صحیح جواب دینے میں مسلمانوں کو اندیشہ تھا، کیونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا سمجھتے تھے لیکن اسلام اِس عقیدے کو رد کرتا ہے اس لیے ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو صحیح بات کہنے پر نجاشی برہم ہو جائے لیکن حضرت جعفرؓ نے پکّا فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو سچ ہی کہیں گے اور اس معاملے میں بھی اسلام کا صحیح عقیدہ لوگوں کے سامنے پیش کریں گے چنانچہ انھوں نے جواب دیا "ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بندہ، پیغمبر اور اُس کی روح مانتے ہیں۔" یہ سنا تو نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھا کر کہا "خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا، عیسیٰؑ ابن مریم اس سے اس تنکے کے برابر زیادہ نہیں ہیں۔"

قریش ناکام واپس ہوئے اور حضرت جعفرؓ مسلمانوں کے ساتھ حبش میں رہنے لگے۔ یہاں حضورؐ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم مکے سے مدینے ہجرت فرما گئے۔ اس کے بعد ۷ھ میں جب خیبر فتح ہوگیا، اس وقت حبش سے یہ مسلمان بھی مدینے پہنچے۔ حضرت جعفرؓ سے حضورؐ کو کتنی محبت تھی، اس کا اندازہ اس ملاقات سے ہوسکتا ہے جو اُس وقت حضرت جعفرؓ اور حضورؐ سے ہوئی۔ حضرت جعفرؓ سامنے آئے تو آپؐ نے انھیں گلے سے لگالیا اور پیشانی کو چوم کر فرمایا "میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفرؓ کے آنے کی زیادہ خوشی ہے، یا خیبر فتح ہونے کی۔

اُس کے بعد ۸ھ میں جنگِ موتہ میں تین ہزار مسلمانوں کا ایک لاکھ رومیوں سے مقابلہ ہوا۔ زید بن حارثہؓ سپہ سالار تھے۔ حضرت جعفرؓ بھی اِس جنگ میں شریک ہوئے۔ زید شہید ہوئے تو آپ نے سپہ سالاری کے فرائض انجام دیئے۔ اسلامی علم لے کر غنیم کی صفوں میں گھستے اور انھیں دور تک ریل لے جاتے۔ لیکن ٹڈی دل دُشمنوں کا ہر طرف سے نرغہ تھا۔ تمام بدن زخموں سے چُور ہوگیا۔ دونوں ہاتھ کٹ کر گر گئے تھے مگر اس وقت بھی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ جب ایک ہاتھ شہید ہوا تو دوسرے ہاتھ سے علم سنبھالا، وہ بھی کٹ کر گرا تو اس حالت میں بھی اُس جاں باز نے توحید کے جھنڈے کو گرنے نہ دیا، اُسے سینے سے دبالیا، اور اسی حالت میں رومیوں نے شہید کر ڈالا۔

عبداللہ بن عمرؓ اس جنگ میں شریک تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جعفرؓ کی لاش کو تلاش کر کے دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے تمام بدن کے سارے زخم تو نوّے سے بھی زائد تھے۔ لیکن خدا کی قسم کوئی زخم پشت پر نہ تھا۔"

اس جنگ کا حال آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جبرئیلؑ کے ذریعے فوراً معلوم ہوگیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ بھی بتایا کہ خدا نے جعفرؓ کو دو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلے میں دو نئے بازو عنایت فرمائے ہیں، ان سے وہ فرشتوں کے ساتھ جنت میں اُڑتے رہتے ہیں۔ عربی زبان میں اُڑنے والے کو "طیار" کہتے ہیں اسی مناسبت سے آپؓ جعفرؓ "طیار" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت جعفر طیارؓ میں شجاعت اور بہادری کے علاوہ اور بہت سی خوبیاں تھیں۔ بچپن سے حضورؐ کے ساتھ رہنے سے آپ اسلام کے سارے تقاضوں سے واقف تھے اور اپنی زندگی کے سارے معاملات میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا خیال رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ میں بعض ایسی خوبیاں پیدا ہوگئی تھیں کہ جن کی وجہ سے آپ کا شمار بڑے صحابہ میں ہوتا تھا حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اکثر بھوک کے مارے پیٹ کو کنکروں سے دبائے رہتا تھا اور آیت یاد بھی ہوتی تو بھی اس کو لوگوں سے پوچھتا پھرتا تاکہ کوئی مجھ کو اپنے گھر

لے جائے اور کھانا کھلائے۔ لیکن میں نے جعفرؓ کو مسکینوں کے حق میں سب سے بہتر پایا۔ وہ ہم لوگوں کو اپنے گھر لے جاتے اور جو کچھ ہوتا بے تکلف سامنے لا کر رکھ دیتے یہاں تک کہ بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لے آتے اور اسے پھاڑ کر ہمارے آگے رکھ دیتے ہم اُسے چاٹ لیتے۔"

حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جعفرؓ کس قدر فیاض تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ابوالمساکین (مسکینوں کے باپ) کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ حضورؐ نے آپؓ کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ "جعفر! تم میری صورت اور سیرت دونوں میں مجھ سے ملتے جلتے ہو۔"

حضرت جعفرؓ کی یہی وہ خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے حضورؐ انھیں اپنے چودہ رفقاءِ خاص میں سے ایک سمجھتے تھے۔ حضرت جعفرؓ کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بعض اوقات اپنے چچا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کر دیتے، لیکن جب میں اپنے والد جعفرؓ کا واسطہ دیتا تو علیؓ رد نہ کرتے۔

یہ ہے حضرت جعفرؓ کی سیرت جس میں اللہ کے بندوں کے لیے بڑی نصیحتیں ہیں۔

امینُ الاُمّت حضرت ابو عبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ عنہ

یہ اُن بزرگ صحابیوں میں سے ایک ہیں جن کو رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی ہی میں جنّتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ایک خصوصیت اور حاصل تھی۔ انھیں اللہ کے رسول ؐ نے اُمّت کا امین بھی فرمایا۔ ان بزرگ صحابی کا تذکرہ ہمارے لیے خیر و برکت کا باعث ہوگا اگر ہم اسے دِل و دماغ اور زبان و قلم سے بار بار کرتے رہیں۔ تذکرے کے وقت ہمیں ہر وقت یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اُن میں وہ کیا خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے راضی ہوئے اور دُنیا و آخرت دونوں جگہ کی کامیابیاں ان کے حصّہ میں آئیں۔

حضرت ابو عبیدہؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دوستوں میں سے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے مسلمان ہوتے ہی اپنے تمام دوستوں کو اسلام کی دعوت دی۔ ذہین اور ہوشمند دوستوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو اسلام کی دولت سے محروم رہا ہو۔ زبیر و طلحہؓ جیسے فدائیانِ اسلام صدیق اکبرؓ کی دعوت و تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے صائب الرائے اور سعد بن وقاصؓ جیسے پرجوش حضرات نے ایمان کی روشنی پائی اور عثمان بن عفانؓ اور ابو عبیدہؓ جیسی باوفا ہستیوں نے اسلام قبول کیا۔

اسلام قبول کرنے والوں کی ترتیب میں حضرت ابو عبیدہؓ کا شمار سابقون الاولون میں ہے۔ سابقون الاولون وہ بزرگ صحابی کہلاتے ہیں جو شروع ہی میں مسلمان ہوئے اور جنھوں نے اسلام کی خاطر وہ تمام بے پناہ مظالم جھیلے جو مشرکین مکہ کی طرف سے نہایت بے دردی کے ساتھ توڑے جاتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے بھی اسلام کی خاطر ساری مصیبتوں کا جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا اس سلسلے میں آپ کو گھر، وطن، خاندان، مال اور دولت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ دو بار ہجرت کر کے حبش گئے، تیسری بار ہجرت کر کے مدینے پہنچے۔

مدینہ پہنچ کر بھی جب مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا اور مشرکین مکہ نے بدر کے میدان میں پڑا جمایا تو حضرت ابو عبیدہ جس جوش و خروش سے لڑے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ یہ تو اللہ کے رسولؐ کے ساتھ اسلامی صفوں میں تھے اور سامنے باپ کافروں کی فوج میں۔ پھر جب لڑائی شروع ہوئی تو اس نے تاک تاک خود بیٹے کو تیروں کا نشانہ بنایا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر طرح دیتے رہے لیکن جب دیکھا کہ وہ

باز نہیں آتا تو پھر باپ کی محبت پر توحید کا جوش غالب آگیا اور ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا ۔ یہ دین سے تعلق کی وہ مثال ہے جس میں ماں، باپ، بہن بھائی اور قوم و وطن کے سارے رشتہ دار اجنبی نظر آتے ہیں اور اللہ کا بندہ ہر طرف سے کٹ کر اسی کا ہو رہتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ایسے ہی لوگوں کے مکمل ایمان کی اس طرح داد دی گئی ہے ۔

تم نہ پاؤ گے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائی (اور پھر) خدا اور اس کے رسول کے مخالفین سے محبت رکھے چاہے وہ باپ، بیٹے، بھائی یا ان کے کنبے ہی کے کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ مسلمان ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور غیب سے ان کی مدد کی ۔"

(سورہ مجادلہ رکوع ۳)

اس کے بعد اُحد کی لڑائی ہوئی اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور زرہ کی دو کڑیاں بُری طرح چُبھ گئی تھیں تو حضرت ابوعبیدہؓ نے انھیں دانت سے پکڑ کر کھینچا اگرچہ ان کڑیوں کے نکالنے میں دو دانت ٹوٹ گئے مگر محبت رسول کا دم بھرنے والے نے اس وقت تک دم نہیں لیا جب تک کڑیاں نکال نہ دیں۔

بدر و اُحد کی طرح حضرت ابو عبیدہؓ تمام لڑائیوں میں رسول خدا کے ساتھ رہے اور نہایت جاں بازی کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے

ن جنگوں کے علاوہ جس مہم میں آنحضرت نے روانہ کیا خوشی خوشی گئے اور نہایت ستعدی سے مہموں کو سر کر کے واپس ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم پر عمرو بن العاصؓ کو ایک دستہ دے کر وانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر عمرو بن العاصؓ نے ضرورت سمجھ کر حضورؐ سے مدد چاہی حضورؐ نے حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ دو سو بہادر روانہ فرمائے۔ اس امدادی فوج کا ندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جیسے بڑے بڑے حابہؓ اس میں شامل تھے۔

جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاصؓ کی فوج سے مل گئی تو یہ سوال اٹھا کہ ب سپہ سالار کون ہو۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کے مقابلے میں حضرت عمرو ن العاصؓ اس کے مستحق نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن جب حضرت عمرو بن العاصؓ نے وقع و محل کی مناسبت سے اپنی سپہ سالاری کے لیے اصرار کیا تو ابو عبیدہؓ نے نہی کو سپہ سالار تسلیم کر لیا۔ اس سے ان کے بلند کردار کا پتہ چلتا ہے۔

رسول خدا کی صحبت میں اللہ کے اس مقبول بندے نے اپنے کو ایسا نوار لیا کہ حضورؐ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے بڑے ڑے کام لیے۔ ان دونوں بزرگوں کی خلافت کے زمانے میں شام پر فوج کشی کا اہم معاملہ تھا۔ دمشق، فحل، حمص، لاذقیہ، یرموک اور ایسے ہی دوسرے مقامات پر عیسائی فوجوں سے زبردست ٹکریں ہوئیں ایسے اہم وقت میں خلیفہ کے

حکم سے سپہ سالاری کے فرض کو جس خوبی سے انجام دیا وہ سیرت کی کتابوں میں آج بھی موجود ہے۔ نمونے کے طور پر صرف یرموک کے کچھ مختصر حالات نیچے لکھے جاتے ہیں۔

حضرت ابو عبیدہؓ عیسائی فوجوں کو شکست پر شکست دیتے اور قلعہ پر قلعہ فتح کرتے ہوئے شہنشاہِ روم ہرقل کے ملک میں گھستے چلے گئے تو اُس نے تمام عیسائی ریاستوں کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ اس کی دعوت پر ساری ریاستوں کی ٹڈی دل فوج اکٹھا ہوگئی اور سب نے اس بات کا عہد کیا کہ مسلمانوں کو ملک سے نکال کر دم لیں گے۔ یہ خبر حضرت ابو عبید کو بھی پہنچی انھوں نے حمص کے مقام پر ٹھہر کر ماتحت افسروں کو جمع کیا۔ ایک جوشیلی تقریر کی اس کے بعد اس ٹڈی دل فوج کے مقابلے کے لئے مشو شروع ہوا۔

ایک بزرگ نے مشورہ دیا کہ" عورتوں اور بچوں کو شہر میں چھوڑ کر مقابلے کے لئے نکلا جائے۔ ساتھ ہی خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاص کو لکھ جائے کہ وہ فوراً دمشق اور فلسطین سے چل کر یہاں پہنچیں۔

حمص تازہ تازہ فتح ہوا تھا۔ وہاں کے عیسائیوں نے جزیہ کی شرط پر ماتحتی قبول کر لی تھی لیکن ایک کو دوسرے کا کسی معاملے میں کوئی تجربہ نہیں تھ اس لیے دوسرے بزرگ نے رائے دی کہ" ہم اپنے اہل وعیال عیسائیو

کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑنا چاہیئے۔" سپہ سالارِ اعظم حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا۔ "تو پھر فوری تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں"۔ اس پر شرحبیل بن حسنہؓ نے اٹھ کر کہا "اے امیر! اسلام کی رو سے یہ کھلم کھلا وعدہ خلافی اور عہد شکنی ہوگی۔ اور آپ کو اس کا کوئی حق نہیں"۔

اُمت کا امین اس خطرناک موقع پر بھی اسلامی اصولوں سے بال برابر نہ ہٹا۔ اپنی غلطی تسلیم کرلی اور صلاح ومشورے کے بعد جزیہ کی ساری رقم شہر کے عیسائیوں کو واپس کردی اور فرمایا "جزیہ چونکہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ تھا لیکن جب ہم اس وقت یہ نہیں کرسکتے تو پھر اس سے فائدہ اٹھانے کا ہم کو کوئی حق نہیں"۔ فاتح مسلمانوں کی سچائی اور انصاف پسندی کو دیکھ کر حمص کے عیسائی اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ روتے تھے اور جوش میں کہتے جاتے تھے کہ "خدا تم کو پھر واپس لائے"۔

حمص چھوڑنے کی اطلاع شہنشاہ روم ہرقل کو بھی ہوئی رومیوں کی ہمت بڑھ گئی وہ ایک عظیم لشکر کے ساتھ یرموک میں جا اکٹھا ہوئے کہ مسلمانوں کو مکمل شکست دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خطرے کو ٹال دیا جائے۔ لیکن جن رومیوں نے اسلامی کردار اور مسلمانوں کی تلواروں کی چمک دیکھی تھی وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح صلح ہوجائے ان کی کوششوں سے جارج نامی ایک رومی قاصد بات چیت کے لیے اسلامی لشکر میں پہنچا۔ مسلمانوں کو نزدیک سے دیکھا۔

حضرت ابو عبیدہؓ سے ملا صلح کی بات چیت کے وقت مذہبی تبادلہ خیال ہوا تو اسلام کی سچائی اس پر واضح ہو گئی وہ مسلمان ہو گیا۔ اب وہ جانا نہیں چاہتا تھا مگر قاصد کے رُک جانے سے رومیوں کے بدگمان ہونے کا امکان تھا۔ اس لیے حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ "آج تو جاؤ کل جب ہماری طرف سے لوگ تمہارے لشکر میں جائیں تو ان کے ساتھ چلے آنا"۔

دوسرے دن لشکر اسلام سے بھی کچھ لوگ لشکر روم میں گئے مگر صلح کی شرطیں طے نہ ہو سکیں۔ نتیجہ جنگ کی صورت میں سامنے آیا۔

دشمن لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ اور مسلمان تیس پینتیس ہزار ہی تھے پھر بھی سپہ سالار اسلام ابو عبیدہؓ نے اس خوبی سے فوج کو لڑایا کہ اللہ کے فضل سے دشمن بری طرح ہارے۔ اس کے ستر ہزار سپاہی کھیت رہے۔

اس جنگ کے بعد باقی تمام قلعے آسانی سے فتح ہو گئے۔

یہ تھیں حضرت ابو عبیدہؓ کی جنگی قابلیتیں۔ کردار اتنا بلند تھا کہ صلح حدیبیہ میں مشرکین مکہ اور رسول خداؐ کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس پر ان کی گواہی تھی۔

۹ھ میں نجران کے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ کسی عالم دین کو دین کا علم سکھانے کے لئے ہمارے ساتھ فرما دیں۔ نبی کریمؐ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو ساتھ کر دیا اور ان کی بابت فرمایا۔

یہ امت کا امین ہے، اس کو تمھارے ساتھ کرتا ہوں۔"

حضورؐ کے بعد جب خلافت کے لیے موزوں شخص کا انتخاب ہو رہا تھا تو حضرت صدیق اکبرؓ جیسے بزرگ نے مسلمانوں کے سامنے ان کا نام ہی پیش کر کے کہا "یہ دیکھو ابو عبیدہؓ بن الجراح ہیں ان کو امین الامت کا خطاب عطا کیا گیا ہے، چاہو تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر سکتے ہو۔" لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے بڑھ کر صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کے بیعت کرنے پر تمام مہاجرین اور انصار نے بیعت کر لی۔

اسلامی مساوات کا بے حد لحاظ رکھتے تھے۔ اللہ اور رسول کی اطاعت پر ہر وقت نظر رہتی۔ افسری ماتحتی کا خیال تک دل میں نہ لاتے۔ ایک جنگ میں فحل کے مقام پر پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ دشمن کا ایک سفیر صلح کی بات چیت کے لیے آیا۔ یہاں آکر دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ چھوٹے بڑے سب کو ایک ہی رنگ میں ڈوبا پایا۔ نظر دوڑائی کہ سپہ سالار کا خیمہ کونسا ہو سکتا ہے مگر اسلامی معاشرے میں سپہ سالار اور سپاہی میں تمیز نہ کر سکا۔ گھبرا کر پوچھا۔ "تمہارا سردار کون ہے؟" لوگوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچا دیا۔ وہ اس وقت زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ زمین پر بیٹھے دیکھا تو حیران ہو کر بولا "کیا سچ مچ تم ہی سردار ہو؟" اس کے بعد ضروری باتیں کیں اور چلا گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں جو اصلاحی کام

کیمان میں اکثر حضرت ابوعبیدہؓ کے ہاتھوں انجام پائے۔ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو بڑی سرگرمی کے ساتھ شام سے چار ہزار اونٹ غلّے سے لدے ہوئے بھیجے۔ اسلام کی اشاعت کا یہ عالم تھا کہ جنگ ہو یا صلح کسی موقع پر اس مقصد کو بھولتے نہ تھے۔ ہزاروں شامی اور رومی عیسائی تو صرف آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

سادگی کا یہ حال تھا کہ شام کے فاتح اور گورنر جنرل ہو کر بھی بدن پر سادے کپڑے اور سواری میں اونٹنی ہی تھی۔ اور اس اونٹنی کی نکیل بھی معمولی رسی کی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک بار ایک ضرورت سے شام تشریف لے گئے۔ اُمت کے امین سے بھی جا کر ملے۔ ڈھال تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامان نہ پایا تو فرمایا "ابوعبیدہؓ! کاش کہ تم ضروری ضروری سامان تو رکھتے"۔ جواب دیا: "امیرالمومنین میرے لیے یہی بہت ہے"۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے چار سو دینار اور چار ہزار درہم بھیجے تو اس اللہ کے بندے نے ساری رقم فوج میں تقسیم کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا "الحمد اللہ کہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔

اس طرح اُمت کے امین نے اللہ اور رسول کی اطاعت میں ساری زندگی بسر کی زندگی کا آخری لمحہ بھی اللہ کے رسول کی اطاعت ہی میں نذر ہوا۔ جابیہ کے مقام پر طاعون میں مبتلا ہوئے۔ اسی میں وفات پائی لیکن بڑے بڑوں کے کہنے پر بھی صرف اس وجہ سے ٹلنے کا نام نہ لیا کہ رسول کریمؐ نے اس سے بھاگنے کی ممانعت فرمائی تھی۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت سعیدؓ وہ خوش نصیب صحابی تھے جن کے والد بزرگوار "زید" مکے میں اسلام کی آواز بلند ہونے سے پہلے ہی شرک اور شرک کی خرافات سے بیزار ہو چکے تھے۔ ان کی پرہیزگاری کا یہ حال تھا کہ بتوں کے چڑھاوے کا گوشت پیش کیا جاتا تو صاف کہہ دیتے "میں تمھارے بتوں کی نذر کا ذبیحہ نہیں کھاتا ۔۔۔" لیکن اُن کے سامنے یہ سوال رہ رہ کر آتا تھا کہ شرک کو تو چھوڑ دیا، اب مذہب توحید کہاں ملے جس سے اپنے کو جوڑیں مذہب توحید کی کھوج میں انھوں نے دور دور تک ملکوں کی خاک چھانی۔ یہودی علماء سے ملاقات کی، اپنے دل کی کھٹک ان کے سامنے رکھی، انھوں نے جواب دیا "خالص توحید تو دین حنیف میں ملے گی"۔ زید نے پوچھا دین حنیف کیا ؟" بولے دینِ حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے"۔ لیکن اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں بتا سکے اور زید صرف دین ابراہیم کا نام اور اشتیاق لے کر مکہ واپس آئے لوگ اکثر دیکھا کرتے تھے کہ زید کعبہ سے پشت ٹیکے ہیں۔ اور کہہ رہے

ہیں۔" اے گروہ قریش! خدا کی قسم میرے سوا تم میں کوئی بھی دینِ ابراہیم پر قائم نہیں ہے۔"

یہ بزرگ تو دینِ حنیف کو مکمل صورت میں دیکھنے کی تمنا لیے ہوئے دنیا سے سدھار گئے لیکن جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ ابراہیمی (اسلام) کو مکمل شکل میں پیش کیا تو زید کے سعادت مند بیٹے حضرت سعیدؓ نے جن کے لیے توحید کی آواز کچھ اجنبی نہ تھی، بڑے جوش کے ساتھ لبیک کہا اور اُن کی نیک بخت بیوی نے بھی اسلام اختیار کرنے میں پورا پورا ساتھ دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلام قبول کرنے والوں کو مکے کے مشرک کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے تھے خصوصاً جس کے گھر کا کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تھا تو وہ اپنے برابر والوں میں اپنی بڑی توہین سمجھتا تھا۔ پھر مسلمان کے لیے سب سے بڑھ کر ظلم ڈھانے والا اُس کا کافر باپ، بھائی یا رشتہ دار ہی ہوتا تھا۔

حضرت سعیدؓ کی بیوی فاطمہ حضرت عمرؓ کی بہن تھیں۔ بہن کو تو شوہر کی تلقین سے دولت ایمان مل گئی لیکن بھائی کو بہن کے ذریعے مسلمان ہونا تھا۔

عجیب عبرت انگیز واقعہ ہے۔ مشرکین مکّہ نے حضرت عمرؓ کو اس بات کے لیے تیار کیا کہ وہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا

خاتمہ کر دیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر حضور کی تلاش میں چلے۔ راستے میں ایک دوست نے ٹوکا "عمر کہاں؟" بولے "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتمہ کرنے جا رہا ہوں۔" اُس بے تکلف دوست نے کہا "محمدؐ کو بعد میں قتل کرنا، پہلے گھر کی خبر لو۔ بہن اور بہنوئی کو جا کر دیکھو، وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔

ان جملوں نے جلتی ہوئی آگ پر تیل کا کام کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے سے ہونٹ چباتے ہوئے بہنوئی کے گھر پہنچے۔ حضرت سعید کو پکڑ کر پیٹنا شروع کر دیا۔ فاطمہ نے بھائی کی بے رحمی اور شوہر کا استقلال دیکھا تو بچانے چلیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ اور بڑھا۔ بہن کو بھی لہو لہان کر دیا۔ لیکن دونوں میں سے ایک کو اسلام کی راہ سے ایک انچ بھی نہ ہٹا سکے۔ بہن نے صاف صاف کہہ دیا "عمر! چاہے جان لے لو مگر اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا اگر تم حق کو اختیار نہ کرو گے تو تمہارا رب تم سے انتقام لیے بغیر نہ رہے گا۔"

بہن اور بہنوئی کا یہ یقین دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بہن کے الفاظ نے دل پر اثر کیا۔ کچھ پسیجے۔ بولے "اچھا جو کلام تم لوگ پڑھ رہے تھے سناؤ۔" حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے چند آیتیں

پیش کیں۔ وقت آچکا تھا۔ اللہ کی توفیق شامل حال ہو چکی تھی۔ ان آیتوں پر غور کیا تو حالت ہی بدل گئی۔ چلے تھے اسلام لانے والے کو قتل کرنے، اب جو بہن بہنوئی کے گھر سے اُٹھے تو اسلام کی ایک ایک بات حق بن کر سامنے آرہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچتے ہی مسلمان ہو گئے۔ اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام میں حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالےٰ نے ایک بڑا ذریعہ بنایا تھا۔

سیرت کی کتابیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری زندگی میں جو کام کیا اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی رضا کے خلاف نہیں کیا۔ لکھنے والوں نے ایک نہایت بامعنی جملہ آپ کی شان میں لکھا ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رہتے تھے۔ اور نمازیں پیچھے۔ حضور کے بعد بھی بڑی بڑی جنگوں میں محض اسلام کی خاطر شریک رہے اور نہایت بہادری سے لڑتے رہے۔ آپ کی بہادری اور انتظامی قابلیتوں کو دیکھ کر گورنری کا عہدہ پیش کیا گیا مگر آپ نے منظور نہیں کیا۔

ایک بار زبردستی دمشق کی گورنری پر مقرر کیا گیا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ "میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس ثواب سے محروم رہوں۔ اس لیے خط کے پہنچتے ہی کسی کو

میری جگہ بھیج دیجئے، میں عنقریب آپ کے پاس پہنچتا ہوں "۔ اس کے بعد اسلام کی راہ میں جو لڑائیاں لڑیں ان میں ایک سپاہی کی طرح اپنے فرض کو انجام دیا، باقی زندگی نہایت سکون کے ساتھ کاٹ دی اللہ تعالیٰ نے دل غنی عطا فرمایا تھا۔ دنیا کی دلچسپیوں کی طرف کبھی راغب نہیں ہوئے۔ قسم کھانا سخت ناگوار تھا ایک بار ایک مقدمے کے سلسلے میں عدالت جانا پڑا وہاں قاضی نے قسم کھانے کو کہا تو آپ نے اپنے حق سے ہاتھ اٹھا لیا۔ آپ کی دینداری خوف خدا اور اسلام کی راہ میں کوششوں کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی ہی میں جنتی ہونے کی خوش خبری سنا دی تھی۔ ستر برس کی عمر میں وفات پائی اور رب کی رضا کے کام کرتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ

حق کی آواز کو دبانے کے لیے باطل جو طریقے استعمال کرتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حق کی دعوت کے پیش کرنے والے کے متعلق جھوٹے پروپیگنڈے بھی کرتا ہے کوشش کرتا ہے کہ لوگ اس سے ملنے نہ پائیں اس سے بات نہ کریں۔ اس کی تقریریں نہ سنیں۔

جو لوگ حق کی دعوت کے پیش کرنے والے سے ناواقف ہوتے ہیں وہ اکثر اس جھوٹے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر احتیاط برتتے ہیں۔ جہاں تک ہوتا ہے، بچتے ہیں۔ لیکن باطل کی بے چارگی اور شکست کا یہ منظر بھی دنیا کے سامنے اکثر آیا ہے کہ جب اسی ناواقف شخص کے سامنے حق واضح ہو جاتا ہے تو بشرطیکہ اللہ تعالیٰ نے اسے دیکھنے والی آنکھ اور سمجھنے والی عقل عطا فرمائی ہو، وہ اس جھوٹے پروپیگنڈے کے سارے تار و پود کو بکھیر دیتا ہے اور حق کی آواز کے ساتھ اپنی آواز

ملا کر حق کی دعوت پہنچانے والے کے ساتھ ہو جاتا ہے اس کی مثالیں آج بھی ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں اور آج سے پہلے بھی ہماری عبرت کے لیے تاریخ کے سب سے زیادہ صحیح اور مستند اوراق نے اپنے اندر محفوظ کر رکھی ہیں۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ان میں سے ایک خاص مثال ہے۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضؓ یمن کے رہنے والے اور وہاں کے ایک قدیم اور طاقتور قبیلے دوس کے رئیس تھے۔ قبیلے کی سرداری کے ساتھ ساتھ تجارت پیشہ بھی تھے، تجارت ہی کی غرض سے اکثر مکّے بھی جایا کرتے تھے، اچھے خاصے شاعر بھی تھے اس لیے مکّے کے بڑے لوگوں میں بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّے والوں کو اسلام کی دعوت دی اور انھیں حق کی طرف بلایا تو اُسی زمانے میں طفیل بن عمرو دوسی کا مکّے میں آنا ہوا۔ یاروں نے جہاں اور خاطر تواضع اور خیر خواہی کے جذبات کا اظہار کیا وہاں یہ بھی بتا دیا کہ "دیکھو، خبردار! فلاں شخص (محمدؐ) سے نہ ملنا، اس کی کوئی بات دھوکے سے سُن نہ لینا نہیں تو غضب ہی ہو جائے گا، نہ جانے اس کی زبان میں کیا جادو ہے کہ جو اس کی بات سنتا ہے بس اسی کا ہو رہتا ہے۔ بھائی کو بھائی سے، بیوی کو شوہر

[redacted]

سے اور بیٹے کو باپ سے چھڑا دینا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اس نے ہماری بستی میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ہمارا سارا لگا بندھا کام چوپٹ کر دیا ہے۔ دیکھو، چونکہ تم ہمارے مہمان ہو اس لیے بطور خیر خواہی نیک و بد سمجھائے دیتے ہیں، آگے تمہیں اختیار ہے۔"

یاروں نے طفیل دوسیؓ کو کچھ ایسی پٹی پڑھا دی کہ وہ بیچارے نئے آدمی، سمجھے یہ لوگ سچ کہتے ہوں گے، ہمیں کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ" اس شخص" (محمدؐ) سے ملیں نیز اس خیال سے کہ" اس شخص کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے، دونوں کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ لیکن اسلام کی نعمت انھیں ملنا تھی۔ اس لیے یہ احتیاط کچھ کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ اچانک ایک دن خانہ کعبہ کے پاس سے گزرے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قرآن پڑھنے کی آواز طفیل کے کانوں میں پہنچ گئی۔ اب وہ کھڑے ہو کر سننے لگے تو اس میں کشش محسوس ہوئی دل ہی دل میں کہنے لگے کہ میں بھی عجب وہمی ہوں، میں خود بہترین شاعر ہوں، کلام کی اچھائی برائی جانتا اور پرکھتا ہوں۔ پھر یہ کلام کیوں نہ سنوں اور کیوں نہ" اس شخص" سے بات کروں۔ اگر سچ مچ اس میں کوئی خوبی ہے تو کھلے دل سے اس کا اعتراف کرنا چاہیئے اور اگر نہیں تو میں کچھ نادان اور احمق نہیں ہوں کہ جان بوجھ کر پھنس جاؤں گا۔"

دل ہی دل میں یہ باتیں کر کے طفیلؓ وہیں پر کھڑے ہو گئے جب تک حضورؐ قرآن مجید پڑھتے رہے، غور سے سنتے رہے۔ نماز ختم کر کے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے گھر چلے تو طفیلؓ پیچھے ہو لیے گھر پر جا کر ملے مکے والوں نے جو سکھا پڑھا دیا تھا اس کا سارا حال کہا اور عرض کی کہ "میں نے اسی کلام سے بچنے کے لیے روئی ٹھونس لی تھی، مگر یہ تو سراسر لوگوں نے دھوکا دیا اور جھوٹ کہا۔" آپ مجھے یہی کلام اور سنائیے" ___ آنحضرتؐ نے یہ سب سنا تو پہلے اسلام کے بارے میں سمجھایا، پھر قرآن کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے نزدیک سے قرآن کی آیتیں سنیں تو دنگ رہ گئے۔ بے اختیار پکار اٹھے "خدا کی قسم! آج تک اس سے اچھا کلام نہ میرے کانوں نے سنا اور نہ اس سے بہتر مذہب میری آنکھوں نے دیکھا۔ میں کھلے دل سے اس سچی تعلیم اور دین حق کو قبول کرتا ہوں۔"

اسلام قبول کر کے حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ گھر میں نہیں بیٹھ رہے، نہ صرف یہ کیا کہ جو کچھ حضورؐ سے سیکھا تھا اسے زبان ہی سے رٹتے رہے ہوں بلکہ وہ یمن کو واپس ہوئے تو سب سے پہلے اپنے والد سے ملے، انھیں اسلام کی دعوت دی۔

[redacted]

وہ مسلمان ہو گئے ۔ بیوی نے سُنا تو ملنے آئیں ، انھیں بھی سمجھایا ۔ وہ بھی مسلمان ہو گئیں ۔ اس طرح پہلے گھر کو مسلمان کیا اور پھر سب نے مل کر قبیلہ دوس میں دعوت پہنچانا شروع کر دی ۔ لیکن قبیلے میں جیسی وہ چاہتے تھے ، ویسی کامیابی نہیں ہوئی اس لیۓ پھر مکہ گئے ، حضور سے ملے ، دعا کی درخواست کی ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ "خدایا دوس کو ہدایت دے اور اس پر اپنی رحمت نازل فرما ۔" دُعا کے بعد طفیل سے فرمایا " نرمی اور ملائمت کے ساتھ لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤ ۔" حضورؐ نے نرمی اور ملائمت کی تاکید اس بنا پر فرمائی کہ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ قبیلے کے رئیس تھے اور رئیسوں میں تحکم فطری طور پر ہوتا ہے ۔ خیر وہ فرمانِ رسول کے مطابق گھر لوٹ آئے اور پھر جس آدمی کو سمجھا اور پرکھ کر اسلام کی طرف بلایا وہ کلمہ پڑھتا ہوا اسلام کے دائرے میں آگیا اور تھوڑے ہی دنوں میں قبیلے کے زیادہ تر لوگ مسلمان ہو گئے ۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ یمن میں تبلیغ اسلام بھی کرتے تھے اور مکہ جا جا کر حضورؐ سے بھی ملا کرتے ۔ جب مکہ جاتے تو وہاں کے حالات بھی سنتے اور دیکھتے ۔ مکے میں قریش جس بیدردی سے مسلمانوں پر ظلم ڈھاتے تھے وہ ناقابلِ برداشت ہوا جا رہا تھا چونکہ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کے قبضے میں ایک مضبوط قلعہ تھا اور دوس جیسے طاقت قبیلے نے اسلام

قبول کر لیا تھا اس لیے انھوں نے حضورؐ کو یمن تشریف لے چلنے کی دعوت دی اور ہر طرح آپؐ کو اطمینان دلایا۔ لیکن مکے سے نکلنے کے لیے حضورؐ اشارہ خداوندی کے منتظر تھے اس لیے منظور نہ کیا اور حضرت طفیلؓ سے فرمایا کہ اپنے قبیلے میں جاکر بقیہ لوگوں کو بھی مسلمان کرو۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ پھر یمن واپس ہوئے اور تبلیغ اسلام میں لگ گئے۔ ان کے حلقۂ اثر سے یمن کی بہت بڑی تعداد مسلمان ہوئی۔ پھر جب سُنا کہ حضورؐ مکے سے مدینے ہجرت فرما گئے تو اسی وقت دو سی گھرانوں کے ساتھ مدینے روانہ ہو گئے۔ مدینے پہنچ کر سُنا کہ حضورؐ خیبر کی مہم پر تشریف لے گئے ہیں تو سب کے سب خیبر چل دئیے۔ وہاں پہنچے تو حضورؐ نے قبیلے کے جواں مردوں کو بڑے معرکے کی جگہ متعین فرمایا اور ان جانبازوں نے سچ مچ اپنی جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ خیبر کی فتح کے بعد حضورؐ کے ساتھ واپس مدینے آئے اور پھر وہیں رہ پڑے۔ ساری عمر خدمت رسولؐ میں رہے اور اسلام کی پوری تعلیم حاصل کی۔ شہادت کی بیحد تمنا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے عہد میں یہ آرزو پوری کی۔ یمامہ کی جنگ میں شریک ہوئے اور جس کلمے پر شروع میں ایمان لائے تھے اسی کلمے کو بلند کرتے ہوئے شہادت حاصل کی (رضی اللہ عنہ)

حضرت بلال

رضی اللہ عنہ

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

(اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو تم سب میں سب سے زیادہ متقی ہے)

عام طور سے دُنیا میں شریف اور بڑا آدمی اُسے مانا جاتا ہے جو سب سے زیادہ پڑھا لکھا ہو، جو نسل اور رنگ کے اعتبار سے اونچا ہو، جو سب سے زیادہ مالدار اور پیسے والا ہو، جو سب سے بڑا عہدے دار اور مرتبے والا ہو، یا جو کسی قسم کا اقتدار رکھتا ہو۔ اقتدار کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں وہ طاقت ہو جسے کام میں لا کر اپنے سے کمزور لوگوں کو اپنی خواہش کے مطابق استعمال کر سکے اور اگر کوئی اس سے منہ موڑے تو آزادی کے ساتھ اس کا منہ توڑ دے۔ لیکن اسلام کی نظر میں تعلیم، مال، خاندان، رنگ روپ، عہدہ اور اقتدار شرافت اور بڑائی کا معیار نہیں۔ اسلام کہتا ہے تم میں سب سے

زیادہ شریف اور بڑا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ متقی کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی نافرمانی سے ڈرتا ہو، جو محض اللہ کی خوشی حاصل کرنے کے لئے بُرے کاموں سے بچتا ہو، اور اچھے کام کرتا ہو، اسلام یہ دعویٰ زبانی ہی نہیں کرتا، اُس نے اس دعوے کے ثبوت میں ایک ایسا معاشرہ نمونے کے طور پر پیش کیا ہے جس میں بڑوں کا بڑا وہ تھا جس نے اپنی زبان سے، اپنے کاموں سے اور اپنی جان کی بازی لگا کر اپنے متقی ہونے کی گواہی دی! اس معاشرے میں ایسے بھی تھے جو نہ تو پڑھے لکھے تھے نہ نسل کے اعتبار سے اونچے تھے، نہ رنگ روپ ہی رکھتے تھے، نہ مالدار تھے، نہ کوئی عہدہ رکھتے تھے اور نہ کسی قسم کا کوئی اقتدار ہی اُن کو حاصل تھا۔ ہاں متقی تھے، اور محض اس کی وجہ سے انھیں اسلام نے کتنا اونچا اٹھایا؟ یہ جاننے کے لیے نمونے کے طور پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات مختصراً لکھے جاتے ہیں۔ اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانے والے جو ایک اسلامی معاشرہ بنا کر دنیا کو صحیح اسلام سے روشناس کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات میں بڑی نصیحتیں ہیں، نیز اُن کے لیے روشنی ہے جو انسانیت کا کچھ نہ کچھ درد رکھتے ہیں۔

حضرت بلالؓ شکل و صورت کے اعتبار سے انتہائی کالے تھے۔ خاندانی حیثیت سے حبشی تھے، مال، عہدے اور اقتدار کا سوال ہی نہیں

پیدا ہوتا، کیونکہ غلام تھے۔ سوسائٹی میں غلام کا مقام ہی کیا؟ وہ کھیرے ککڑی اور جانور کی طرح بیچا جاتا تھا۔ جانور بھاگ کر بھی اپنی جان بچا سکتا تھا، مگر غلام کی مجال نہ تھی کہ کہیں بھاگ سکے، دنیا اسے پکڑ کر پھر آقا کے پاس پہنچا دیتی۔ یا پھر فروخت کر دیتی، اور اُس سے ہر وہ کام لیا جاتا جو اُس کے آقا کو منظور ہوتا۔

حضرت بلالؓ اسی حال میں تھے کہ مکے کی گلیوں میں توحید کی صدا بلند ہوئی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے آواز اٹھائی۔ آپؐ نے پکار کر کہا "غلامی صرف اللہ کی درست ہے۔ کیونکہ اُس نے پیدا کیا، پیدا کر کے رزق دیا، ضرورت کی ساری چیزیں دیں، اس لیے حقیقی مالک اللہ ہے۔ جو بات اللہ کی مرضی کے مطابق ہے وہی ٹھیک ہے۔ اپنی خواہش اگر اللہ کے حکم کے ماتحت ہے تو مناسب، ورنہ نامناسب۔ خاندانی رسم و رواج اگر اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو درست، ورنہ جان کا جنجال۔ انسان پر انسان کا حکم اگر اللہ کے حکم کے مطابق ہے تو صحیح، ورنہ ظلم"۔

یہ بات اتنی صاف، سادہ اور فطرت کے مطابق تھی کہ ہر چھوٹا بڑا اچھی طرح سمجھ گیا۔ کالے اور گورے نے بھی اسے سمجھ لیا، مفلس اور مالدار نے بھی اسے سمجھ لیا۔ اپنے نے بھی سمجھ لیا، پرائے نے بھی سمجھ لیا، اور آقا اور غلام

نے بھی سمجھ لیا، لیکن اسے اپنایا کس نے ؛ صرف اُن لوگوں نے جو انسان کو انسان سمجھتے تھے، جو انسان کو انسان کی غلامی میں دیکھتے ہوئے کڑھتے تھے جن کے دل نرم تھے، جن کے اندر انسانیت تھی، توحید کی آواز کو انھوں نے سُنا تو اُن کے اندر کا انسان جاگ اٹھا۔ وہ پکار اٹھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچ کہتے ہیں، اور جو کچھ کہتے ہیں اللہ کی طرف سے کہتے ہیں۔ لیکن جن کے دل میں غرور تھا، جو سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھتے تھے اور جن کے مُنھ کو کمزوروں کے جسم کا خون لگ چکا تھا، جو آقائی کے مزے لوٹ رہے تھے وہ اس آواز کو برداشت نہ کر سکے، سمجھ گئے کہ اگر اس آواز پر ایک معاشرہ تیار ہو گیا تو انسان پر انسان کی خدائی کے مزے پھر کہاں ؛ انھوں نے اپنے مال سے خاندانی دباؤ سے، طاقت اور اقتدار کے بل بوتے، پورے زور کے ساتھ اس آواز کو دبانے کی کوشش کی۔ جو اس آواز سے اپنی آواز ملانے کو بڑھا، اسے ڈرا کر، دھمکا کر، مار پیٹ کر، قید کر کے، بھوکا رکھ کر اور لالچ دے کر روکا۔ باپ نے بیٹے کو روکا، بھائی نے بھائی کو روکا، چچا نے بھتیجے کو روکا، آقا نے غلام کو، جس طرح ممکن ہو سکا روکا۔ باپ کو بیٹے پر، بھائی بھائی پر اور چچا کو بھتیجے پر کچھ نہ کچھ رحم آ بھی جاتا تھا، مگر آقا کو کیا پڑی تھی کہ غلام پر ترس کھاتا۔ وہاں تو یہ سوال تھا کہ ہمارا غلام ہو کر ہماری ہی اطاعت سے انکار ؛ چنانچہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ وہ لوگ بنے

جو کسی انسان کی غلامی میں تھے۔

اللہ کی مشیت کو کون جان سکتا ہے۔ حضرت بلالؓ مکّے کے سب سے زیادہ ظالم انسان "اُمیّہ بن خلف" کے غلام تھے۔ توحید کی صدا اور پیارے رسولؐ کی ادا دل کو کچھ ایسی بھا گئی کہ لحہ بھر دیر بھی ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ سنتے ہی پکار اٹھے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں اللہ کی طرف سے کہتے ہیں)۔ اُمیہ بن خلف جیسا شخص یہ کیسے دیکھ سکتا تھا کہ اس کا غلام کسی دوسرے کو خدا بنا لے۔ بلالؓ کی جان کو آ گیا۔ الامان والحفیظ! وہ ظلم ڈھائے کہ اُن کی یاد سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ عرب کی تپتی ہوئی ریت جلتے ہوئے پتھر کے ٹکڑوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتا، گلے میں رسّی کا پھندا ڈال کر شریر لڑکوں کے ہاتھ میں دے دیتا کہ گھسیٹتے پھریں، لیکن جب زبانِ بلالؓ سے اَحَدٌ ہی اَحَدٌ نکلتا تو مُنھ کے بل کنکروں اور پتھروں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی وزنی سِل رکھ دیتا اور جلتی ہوئی ریت پہ میدان میں ڈال دیتا۔ ٹھیک دوپہری میں جب بلالؓ اس تکلیف سے بے دَم ہو جاتے تو کہتا۔ بلالؓ! اب بھی محمدؐ کے خدا سے باز آ" لیکن اس وقت بھی اَحَدٌ اَحَدٌ کی آواز نکلتا تو اس سے بڑھ کر ظلم ایجاد کرنے کی فکر میں لگ جاتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹ دیتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر کڑاکے کی دھوپ میں ڈال دیتا، اور پھر بھی بھڑاس

نہ نکلتی تو اُوپر سے بُری طرح مار دے کر کہتا "تیرا خدا لات او رعُزّیٰ ہے"۔ لیکن توحید کے شیدائی کی زبان سے اَحَد کے سوا کچھ نکلتا ہی نہ تھا۔ یہ مظالم اور یہ بے بسی دیکھ کر پتھر دل بھی نرم پڑ جاتے، خود مشرکینِ مکّہ آکر ہمدردی کرتے اور کہتے کہ "بلالؓ! تم ہمارے ہی الفاظ دہرا دو تو ہم تمھاری سفارش کریں"۔ مگر بلالؓ فرماتے "میری زبان ان کو ادا نہیں کر سکتی"۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ سفارشی تو تھک کر چلے جاتے۔ مگر نہ امیہ بن خلف تھکتا اور نہ بلالؓ۔ وہ اپنی وضع داری نہیں چھوڑ سکتا تھا، یہ اپنی خو نہیں بدل سکتے تھے۔

امیہ بن خلف کے ظلم کی بھٹی میں حضرت بلالؓ جب اچھی طرح تپ چکے اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ سونا کُندن ہو چکا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے بندے کو آزمائش سے نکالنے کی طرف متوجہ ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ جو مکّے کے نہایت نرم دِل انسان تھے، مالدار بھی تھے، مگر ذہنیت سرمایہ دارانہ نہیں تھی، مسلمان ہو چکے تھے، کہیں جا رہے تھے کہ اَحَد اَحَد کی آواز کان میں آئی، جاکر بلالؓ کی دردناک حالت دیکھی تو تڑپ گئے اور ایک بھاری رقم دے کر امیہ بن خلف سے انھیں خرید لیا اور اسی وقت آزاد کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو فرمایا۔ "ابوبکرؓ! تم مجھے بھی اس کارِ خیر میں شریک کرلو"۔ عرض کی "یا رسول اللہ! میں بلالؓ کو آزاد کر چکا ہوں"۔

آزاد ہونے کے معنی یہ نہ تھے کہ اب بلالؓ ایذاؤں سے محفوظ ہو گئے تھے

ایک فرد کی حیثیت سے وہ امیہ بن خلف کے مظالم سے چھوٹے تو اجتماعی حیثیت سے اُس گروہ میں جا شامل ہوئے جو مشرکینِ مکّہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ پورے طور پر مظالم سے نجات اس وقت ملی جب مدینے کی طرف عام ہجرت کا حکم ہوا اور اسلام کے فدا کار اپنا گھر بار، مال و اسباب، عزیز، وطن، محض اللہ کے لیے چھوڑ کر مدینے میں جا بسے۔

مدینے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن انصاری سے بھائی چارہ کرا دیا۔ یہ دونوں ایسے ملے کہ سگے بھائیوں سے زیادہ آپس میں محبت ہو گئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں حضرت بلالؓ شام کی ایک مہم پر جانے لگے تو پوچھا گیا "آپ کا وظیفہ کون وصول کرے گا؟" بولے "ابو رویحہ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں میں جو بھائی چارہ کرایا ہے وہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔"

مدینے میں اللہ کے رسولؐ نے مسجد بنوائی، باقاعدہ پنجگانہ نماز باجماعت قائم ہوئی تو اذان کے لیے اس شخص کی زبان حرکت میں آئی جس نے مکے میں مشرکین سے کہا تھا کہ "بتوں کا کلمہ پڑھنے کے لیے زبان کو جنبش ہی نہیں ہوتی۔" اللہ کے رسولؐ نے بلالؓ کو مؤذن خاص مقرر فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے مؤذنِ رسول کو آواز ایسی دلکش اور بلند عطا فرمائی تھی کہ سُن کر توحید کے متوالے بے چین ہو جاتے تھے۔ مرد اپنا کاروبار، عورتیں اپنا گھر، اور بچے اپنے کھیل

چھوڑ کر آس پاس جمع ہو جاتے، اور پھر تمام چھوٹے بڑے ایک صف میں کھڑے ہو کر اللہ کے آگے سر بسجود ہو جاتے۔

حضرت بلالؓ مؤذنِ رسولؐ ہی نہ تھے، رسولِ خداؐ کے خلوت و جلوت کے راز دار بھی تھے۔ ہر وقت ساتھ رہتے، حضورؐ جب کہیں جاتے تو یہ ساتھ ہوتے۔ اور نیزہ لیے آگے آگے چلتے۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے وقت جب حضورؐ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو مؤذنِ رسولؐ کو ساتھ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حضورؐ کا گھر کا سارا بندوبست ان ہی کے ذمّے تھا۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔ بدر کی لڑائی میں اسلام کے سب سے بڑے دشمن اُمیہ بن خلف کو قتل کیا۔ ساری عمر رسولِ خداؐ کے قدم بہ قدم چلتے رہے اور اسلامی معاشرے میں اتنے اونچے اٹھے کہ عرب کے بڑے بڑے باعزّت اور شریف خاندان کے لوگ رشتہ کرنے کی تمنّا کرتے تھے۔ چنانچہ بنی زہرہ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے خاندان میں رشتہ کیا۔ ابوبکیرؓ کی صاحبزادی سے رسول اللہؐ نے خود نکاح کرا دیا تھا۔ اور وہ سب انہی بلالؓ کی رشتہ داری پر فخر کرتے تھے۔ جو رنگ و نسل کے اعتبار سے حبشی، مرتبے کے لحاظ سے غلام اور پیسے کے خیال سے مفلس تھے۔

حضرت بلالؓ کو اللہ کی عبادت اور رسولِ خداؐ کی اطاعت میں جو لطف آتا وہ اور کسی بات میں نہ آتا۔ آنحضرتؐ ان کی بڑی قدر فرماتے۔ اپنے فداکارِ

خاص کی کوئی بات نہ ٹالتے۔ ایک بار سفر میں ایک جگہ رات ہو گئی۔ بلالؓ کو وہ جگہ پسند آگئی۔ عرض کی۔ اس جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا، تو بہتر ہوتا۔" ارشاد ہوا "کہیں نیند تم کو غافل نہ کر دے۔" حضرت بلالؓ کو رات بھر جاگتے پر پورا بھروسہ تھا ذمہ لیا کہ سب کو وقت پر جگا دیں گے۔ چنانچہ پڑاؤ کو حکم ہوا۔ حضرت بلالؓ نے احتیاطاً کے طور پر رات بھر جاگنے کا ارادہ کیا، اور اللہ کی عبادت میں لگ گئے۔ لیکن اچانک آنکھ لگ گئی۔ سو گئے۔ پھر جب حضورؐ نے پکارا تو جاگے۔ ارشاد ہوا "کہو بلالؓ! تمھاری ذمّے داری کیا ہوئی؟" عرض کی "یا رسول اللہ! ایسی غفلت کبھی نہیں ہوئی۔" فرمایا "بے شک خدا جب چاہتا ہے تمھاری روحوں پر قبضہ کر لیتا ہے، اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے۔ اچھا اُٹھو اذان دو۔ اور لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرو۔"

یہ تو رہا رسولِ خدا کی زندگی میں حضرت بلالؓ کا مرتبہ۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ بھی انھیں ایک منٹ اپنے سے جدا نہ ہونے دیتے۔ ایک دن حضرت بلالؓ نے اُن سے کہا "میں نے رسولِ خدا سے سُنا ہے کہ "خدا کی راہ میں جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے۔" اس لیے میں چاہتا ہوں کہ موت کے وقت تک اس کارِ خیر میں لگا رہوں" (یعنی مجھے کسی مہم پر جانے کی اجازت دیجیے) حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "بلالؓ! میں خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم مجھے اس بڑھاپے میں جدائی کا داغ نہ دو۔ حضرت بلالؓ یہ محبت

بھرے الفاظ سن کر رُک گئے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ان سے بھی جہاد کی اجازت مانگی انھوں نے بھی روکنا چاہا، مگر بلالؓ کو روکنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اور شام کی مہم پر روانہ کر دیا۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں اور انھوں نے ہمارے سردار بلالؓ کو آزاد کیا ہے"۔ ایک بار خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کچھ رفیقوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ باتوں باتوں میں طے ہوا کہ ہر ایک اپنی سب سے زیادہ پسند خواہش کا اظہار کرے۔ چنانچہ ایک صاحب نے فرمایا "خدا مجھے کوہِ احد کے برابر سونا دے تاکہ میں اسے اس کی راہ میں خرچ کر کے اس کی رضا حاصل کروں"۔ ایک دوسرے صاحب نے فرمایا "پروردگار مجھے بے شمار لونڈیاں عطا فرمائے تاکہ میں انھیں اس کی راہ میں آزاد کر کے اس کی رضا حاصل کروں" اسی طرح کسی نے شہادت کی تمنا ظاہر کی تاکہ بے حساب جنّت میں داخلہ ہو۔ کسی نے جہاد اور کسی نے حج مبرور کی۔ لیکن عمر فاروقؓ کی باری آئی تو انھوں نے یوں فرمایا "خدا اس مکان کو بلالؓ، سلمانؓ، خبابؓ اور صہیبؓ جیسے مقبول بندوں سے بھر دے اور میں ان کے درمیان بیٹھوں"۔

حضرت عمر فاروقؓ کی اس تمنا کے ان الفاظ سے حضرت بلالؓ کا مقام پہچانا جا سکتا ہے۔

جس کے لیے جو سفارش رسولؐ خدا سے، خلیفۂ اوّل سے یا خلیفۂ دوم

سے کر دی ضرور منظور ہوئی۔ شام کی مہم کے موقع پر حضرت بلالؓ کی سفارش سے تمام سپاہیوں کو بلا امتیاز افسر و ماتحت یکساں کھانا ملا۔ ایک غریب مومن کی شادی کے لیے انصار کے ایک بڑے خاندان میں سفارش کی بلا تامل منظور ہوئی۔ اسلام کے فضائل بیان کرتے زبان نہ تھکتی۔ کہا کرتے: "میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا، لوگو! اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ۔ اور جہاد کرو، پھر حج مبرور۔"

موت سے پہلے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ خواب میں حضورؐ نے فرمایا: "بلالؓ! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو۔" یہ خواب دیکھ کر تڑپ گئے۔ شام کے ایک مقام "قصۂ خولان" میں مستقل طور سے رہنے لگے تھے۔ وہاں سے چلے مدینے میں آئے، خاندانِ محبوب اور یارانِ رسولؐ سے ملے، واپس ہوئے۔ واپسی کے بعد دمشق میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ اللہ کی رحمت ہو ایسے پاکباز اور بلند انسان پر، اور رحمت ہو ان پر جو محبوب رسولؐ کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنائیں۔

حضرت زید بن حارثہ

رضی اللہ عنہ

ایک غلام جو اسلام اختیار کر کے بڑوں کا بڑا بنا

حضرت زید رضؓ کے والد حارثہ یمن کے رہنے والے تھے حضرت زیدؓ یمن ہی میں پیدا ہوئے، ابھی بچے ہی تھے کہ ماں انھیں لے کر میکے چلیں۔ راستے میں کچھ ڈاکوؤں نے ماں سے بچے کو چھین لیا اور ایک بازار میں لے جا کر بیچ ڈالا۔ بچے کو بڑا ہونا تھا، اور ایسا بڑا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کا تارا۔ اللہ کا فضل ساتھ تھا۔ زیدؓ کو ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے خریدا اور پھوپھی کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے حضور کی خدمت میں دے دیا۔

اللہ کی مشیت کو سمجھے بغیر انسان صبر سے کام نہیں لیتا، یہاں تو بچے کو اللہ کے رسولؐ کی غلامی کا شرف حاصل ہو رہا ہے جو آگے چل کر وہ کچھ ہونے والا تھا جس پر بڑے بڑے رشک کرتے ———

لیکن ماں باپ کا یہ حال کہ بیٹے کی جُدائی میں ایک لمحہ چین نہیں۔ ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ خدا کو کیا منظور ہے۔ وہ رات دن بیٹے کے لیے روتے اور چاروں طرف تلاش کرتے۔ اس طرح رنج کرتے بہت دن گزر گئے

ایک سال یمن کے کچھ لوگ حج کرنے مکے آئے، انھوں نے زیدؓ کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا اور یمن جا کر باپ کو بیٹے کی خوش خبری سُنائی۔ یہ خبر سنتے ہی حارثہ اپنے بھائی کے ساتھ کچھ سامان لے کر مکے کی طرف روانہ ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس طرح منت و سماجت کے ساتھ عرض کی کہ "اے عبداللہ کے شریف بیٹے! اے عبدالمطلب کے شریف پوتے!! اپنی قوم میں سب سے زیادہ بزرگ زادے!!! آپ حرم والے ہیں، آپ حرم کی نگرانی کرتے ہیں، مصیبت میں پھنسے ہوئے لوگوں کی مدد کرتے ہیں، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمارے لڑکے کو (جو آپ کا غلام ہے) آزاد کر دیں، اور اس کے بدلے میں جو چاہیں معاوضہ لے لیں"۔

حارثہ کی زبان سے یہ جملے سُنے تو حضورؐ نے فرمایا "تم کس کے بارے میں کہتے ہو؟" جواب دیا "زیدؓ کے بارے میں"۔ آنحضرتؐ نے زیدؓ کا نام سُنا تو سوچ میں پڑ گئے۔ آپ زیدؓ کو بیٹے کی طرح پرورش فرما رہے تھے! اور ان سے بے حد محبت کرنے لگے تھے۔ آپؐ نے حارثہ سے فرمایا "اس کے سوا تمھاری

اور کوئی ضرورت نہیں ؟" انھوں نے کہا "نہیں"۔ فرمایا "اچھی بات ہے، زید رضؓ کو بلا کر اختیار دو، اگر وہ تمھیں پسند کرے تو تمھارا ہے، اور اگر مجھے پسند کرے تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں ہوں کہ جو مجھے پسند کرے میں اسے پسند نہ کروں"۔

زید رضؓ کے باپ حارثہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ وہ تو زید رضؓ کو غلام سمجھ رہے تھے، اور غلام کی جو حالت اس وقت دنیا نے بنا رکھی تھی اُس سے ہر شخص لرزتا تھا، اُن کا خیال تھا، بیٹا غلامی کی ساری مصیبتوں کو جھیل رہا ہو گا، انھیں کیا معلوم تھا کہ زید رضؓ اس مبارک ہستی کی غلامی میں ہے جو غلاموں کو آقاؤں سے بڑھانے والا اور انھیں انسانیت کے بلند معیار پر پہنچانے والا بن کر آیا ہے۔ چنانچہ زید رضؓ بلائے گئے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا "تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟" زید رضؓ نے کہا "جی ہاں! یہ میرے والد ہیں اور یہ چچا"۔ حضورؐ نے کل کیفیت بیان کر کے فرمایا۔ "تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں کون ہوں، تم میرے ساتھ جس طرح رہے ہو یہ بھی تم کو معلوم ہے۔ اچھا اب تم کو اختیار ہے، چاہے مجھے پسند کر لو، چاہے اپنے باپ اور چچا کو"۔

حضرت زید رضؓ کو حضورؐ کی خدمت میں جو نعمت ملی تھی اسے وہ خوب سمجھتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضورؐ کی تربیت میں وہ کیا بن رہے ہیں۔

اس لیے انھوں نے صاف صاف کہہ دیا "آپ ہی میرے باپ اور ماں ہیں"۔
حضرت زیدؓ کی زبان سے یہ سُنا تو باپ اور چچا حیران رہ گئے۔ تعجب سے بولے۔ "بیٹے! افسوس، تم کو آزادی باپ، چچا اور خاندان پسند نہیں، لیکن غلامی پسند ہے؟" بولے "ہاں، مجھے اس ذاتِ پاک میں ایسی خوبیاں نظر آئی ہیں کہ ان سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھ سکتا"۔

حضرت زیدؓ کے ان فقروں نے حضورؐ کی محبت کو اُبھار دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیدؓ کو لے کر خانۂ کعبہ میں گئے اور اعلان فرما دیا "زیدؓ آج سے میرا بیٹا ہے۔ میں اس کا وارث ہوں گا اور وہ میرا وارث ہوگا"۔ اس اعلان سے حارثہ اور ان کے بھائی بہت خوش ہوئے اور بڑی مسرّت کے ساتھ بیٹے کو حضورؐ کی خدمت میں چھوڑ کر یمن چلے گئے۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبوت عطا فرمائی اور آپؐ نے لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا، تو حضرت خدیجہؓ، ابوبکرؓ اور علیؓ کے ساتھ زیدؓ نے بھی فوراً اسلام قبول کر لیا۔ پھر جب حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ مسلمان ہوئے تو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے چچا سے اپنے غلام کا بھائی چارہ کرا دیا۔ اسلام کی برکت نے حمزہؓ اور زیدؓ کو اتنا قریب کر دیا کہ جب حضرت حمزہؓ کہیں باہر جاتے تو جو کچھ کہنا ہوتا زیدؓ ہی سے کہہ سن جاتے۔ یہی نہیں، زیدؓ کے مرتبے اور بھی بلند ہونے تھے۔ حضورؐ نے اپنی دایہ اُمِ ایمنؓ اور

اپنی چچازاد بہن زینبؓ کی شادی بھی زیدؓ سے کردی۔ اُم ایمنؓ کے متعلق حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جنتی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہو وہ ان سے نکاح کرلے۔ زیدؓ ایسے موقعوں کو کب ہاتھ سے جانے دیتے، فوراً بڑھ کر قبول کرلیا۔ حالانکہ اُم ایمنؓ عمر میں زیدؓ سے بہت بڑی تھیں۔

حضرت زیدؓ ہجرت کر کے جب مدینے گئے تو وہاں کے معزز رئیس حضرت اُسید بن جعفر انصاریؓ کو آپ کا اسلامی بھائی بنا دیا۔ اسلام کی پناہ میں آکر ایک غلام کہاں سے کہاں پہنچتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ جب کہیں فوج بھیجتے اور اس میں اگر زیدؓ ہوتے تو اُن ہی کو سردار بنایا جاتا۔ اس طرح نوبار وہ امیر فوج بنائے گئے اور اُن کی ماتحتی میں ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے بزرگ صحابہ ہوتے تھے۔ حضورؐ کی ذات نے سونے کو ایسا کھرا اور کُندن بنا دیا تھا کہ خود حضورؐ کی نظر میں زیدؓ کے سوا کوئی چہیتا نہ تھا۔ تیراندازی میں مشہور صحابہ بھی زیدؓ کے برابر نہ تھے۔ بہادری اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ کسی غزوے میں پیر پیچھے نہ پڑا۔ حضورؐ جب مدینے سے کہیں باہر جاتے تو زیدؓ کو اپنا جانشین بنا جاتے۔ زیدؓ اپنا فرض منصبی اس خوبی سے انجام دیتے کہ اللہ کا رسولؐ خوش ہو جاتا۔

حضورؐ کی زندگی میں مَوتہ کی جنگ ایک اہم جنگوں میں سے تھی۔ اس کی فوج کشی میں ابوبکرؓ، عمرؓ، جعفر طیارؓ اور ایسے ہی بہت سے بزرگ شریک

شریک تھے۔ لیکن حضورؐ نے سپہ سالار زیدؓ ہی کو بنایا۔ اس جنگ میں جب زیدؓ شہید ہوئے تو آنحضرتؐ محبت کی وجہ سے رو پڑے، اور انتقام کے طور پر دوبارہ فوج ترتیب دی تو زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ کو امیر لشکر بنایا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح زید رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا نصب العین اپنے رب کی رضا اور اپنے رسولؐ کی خوشنودی کو بنایا تھا ویسا ہی اللہ اور رسولؐ کی نظر میں اُن کا مرتبہ بلند ہوا۔ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

"اگر زیدؓ زندہ ہوتے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اپنا جانشین بناتے۔" اللہ کی رحمت ہو ان بزرگوں پر اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ہو۔ سچ یہ ہے کہ ان ہی بزرگوں کی زندگی میں اللہ کے رسولؐ کے بعد ہمارے لیے سب سے بڑا نمونہ ہے۔

حضرت سلمان فارسی

رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ "میں نے سُنا ہے کہ آپ خدا کے خاص اور برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ بے وطن اور ضرورت مند لوگ آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس یہ چیز صدقے کے لیے رکھی تھی، آپ لوگوں سے زیادہ اس کا مستحق کون ہو سکتا ہے اسے قبول فرمائیے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ایک نظر دیکھا۔ صدقے کی چیز دوسروں کو دلا دی اور انھیں کھانے کا حکم دیا، لیکن خود نہیں کھایا۔ یہ دیکھ کر صدقہ لانے والا شخص واپس چلا گیا۔ دوسرے دن پھر آیا۔ کھانے کی کچھ چیزیں ساتھ لایا۔ حضورؐ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا: "کل آپ نے صدقے کی چیز نہیں کھائی تھی، آج یہ تحفہ قبول فرمائیں۔"

حضورؐ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحفہ قبول فرما لیا۔ خود کھایا اور دوسروں کو بھی دیا۔ اب اس شخص نے بار بار حضورؐ کے شانۂ مبارک پر

نظر ڈالنی شروع کی۔ اسے اتفاق کہیئے یا اور کچھ اسی وقت شانۂ مبارک سے چادر سرک گئی۔ اس شخص نے دونوں شانوں کے بیچ روپے کے برابر ایک اُبھرا ہوا نشان دیکھا۔ اس نشان کو چومنے کے لیے جُھکا۔ آپؐ نے فرمایا "سامنے آؤ"۔ وہ سامنے آیا۔ آپؐ نے صحابۂ کرام کو بُلایا۔ سب کی موجودگی میں اس شخص سے کہا "اپنا تعارف کراؤ"۔ یہ حکم پاکر اس شخص نے اس طرح کہنا شروع کیا۔

" اے اللہ کے نیک بندو! میرا نام "ماہِہ" ہے۔ ملک ایران کے مشہور شہر اصفہان کے قریب "جی" نام کا ایک گاؤں ہے، میں وہیں کا رہنے والا ہوں۔ میرے والد وہاں کے زمیندار تھے۔ انھیں زراعت سے بھی دل چسپی تھی۔ اس لیے خود بھی بڑے پیمانے پر کھیتی باڑی کا کام کرتے رہتے تھے۔ مجھ سے اتنی محبت کرتے کہ لڑکیوں کی طرح مجھ کو سنوارتے اور گھر سے نہ نکلنے دیتے۔ مجوسی مذہب کے ماننے والے تھے۔ آگ کی پوجا کرتے تھے، مجھ کو بھی آگ کی پوجا سکھاتے اور مجوسیت کے اصول اور قاعدے سمجھاتے رہتے تھے۔ میں بڑا فرماں بردار بیٹا تھا۔ والد کی باتیں غور سے سُنتا اور بڑے دھیان سے آگ کی پوجا کرتا تھا۔ میں بچپن ہی میں اُن مشہور پجاریوں میں گِنا جانے لگا جو کسی وقت آگ کو بُجھنے نہیں دیتے۔

ایک دن میرے والد گھر کی مرمّت میں لگے تھے۔ کھیتی تیار کھڑی تھی

اس کی دیکھ بھال کو نہ جا سکے۔ میں کچھ بڑا ہو چکا تھا، اور گھر سے باہر نکلنے لگا تھا۔ کھیتوں کی دیکھ بھال کے لئے مجھے بھیج دیا۔ میں چلا۔ راستے میں ایک گرجا ملا۔ اس وقت اس میں بہت سے عیسائی جمع تھے۔ عبادت کر رہے تھے۔ میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ عیسائیوں کا عبادت کرنا بہت پسند آیا۔ میں نے دل میں کہا۔ "عیسائی مذہب ہمارے مجوسی مذہب سے بہتر ہے" پھر ان عیسائیوں سے پوچھا "تمھارے مذہب کا مرکز کہاں ہے؟" انھوں نے بتایا "شام میں"۔ باتوں میں شام ہو چکی تھی۔ میں پتہ پوچھ کر گھر واپس آیا۔ والد نے پوچھا "بڑی دیر کی، اب تک کہاں رہے؟" جواب دیا "کچھ لوگ گرجا میں عبادت کر رہے تھے۔ مجھ کو اُن کا طریقہ ایسا بھلا لگا کہ سورج ڈوبنے تک وہیں رہا"۔ میرے والد نے مجھ سے کہا "وہ مذہب تمھارے مذہب سے اچھا نہیں ہے"۔ میں نے کہا "نہیں، خدا کی قسم وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں بہتر ہے"۔

میرے اس جواب سے والد کھٹکے کہ لڑکا کہیں مذہب نہ بدل دے اس لیے انھوں نے میرا گھر سے نکلنا بند کر دیا۔ لیکن میں چھپ چھپ کر گرجا جایا کرتا۔ والد کو جب یہ معلوم ہوا تو بہت غصے ہوئے اور مجھے قید کر دیا۔ قید ہو کر میرے دل کی تڑپ اور بڑھی۔ میں نے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ "جب شام کو جانے والا کوئی قافلہ آئے تو مجھے خبر کرنا"۔

اور ؎

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہ رَو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اُس نے جواب دیا "بیٹا! اب میں کیا بتاؤں، اب دنیا میں کوئی دینِ حق کا ماننے والا نہیں ہے۔ دینِ حق کا جاننے والا آئے کہاں سے؟ جب کہ اس کے سرچشمے (توریت اور انجیل) کا پانی گندلا کر دیا گیا۔ البتہ اس نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے جس کا حال تم نے کتاب مقدّس میں پڑھا ہے۔ وہ نبی عرب کے ریگستان میں ہوگا۔ اور دینِ ابراہیمؑ کو زندہ کرے گا۔ وہ کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اُس کی پہچان یہ ہے کہ وہ تحفہ تو قبول کرے گا، مگر صدقہ نہ کھائے گا۔ اُس کے دونوں شانوں (کندھوں) کے درمیان روپے کے برابر ایک نشان اُبھرا ہوگا۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اسے جا کر ملنا۔ تم کو پورا پورا اطمینان ملے گا۔"

اس سب سے بڑے پادری کے مرنے کے بعد میں وہیں رہا۔ جو قافلہ آتا اس سے پوچھتا "کہاں جاؤ گے؟" میری خوش قسمتی سے عرب کے کچھ تاجر پہنچ گئے۔ میں اُن کے ساتھ لیا۔ لیکن ان عربوں نے میرے ساتھ دھوکہ کیا۔ غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس یہودی نے اپنے چچازاد بھائی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور وہ مجھے لے کر مدینے آیا۔ یہاں میں نے کھجوروں کے

پیڑ دیکھے تو میری بے چینی بڑھی۔ لوگوں سے پوچھتا پھرتا مگر یا بالوں ہی کسی کو خود بھی معلوم نہ تھا۔

ایک دن میں اپنے آقا کے باغ میں کام کر رہا تھا۔ ایک کھجور پر چڑھ کر اسے ٹھیک کر رہا تھا، نیچے آقا بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر ایک قبیلے کا نام لیا اور کہا "خدا اس قبیلے کے لوگوں کو غارت کرے سب کے سب ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو مکے سے آیا ہے" یہ لوگ اس کو نبی کہتے ہیں۔"

یہ سنا تھا کہ میرے پاؤں کانپنے لگے۔ بدن میں سنسناہٹ پیدا ہوگئی اگر میں کھجور سے فوراً اُتر نہ تو گر پڑتا۔ میں اس وقت ایسا بوکھلا سا گیا کہ بے سوچے سمجھے پوچھنے لگا "تم کیا کہتے ہو؟" میرے آقا نے اس سوال پر میرے ایک گھونسہ مارا، اور ڈانٹا "تجھ کو اس سے کیا غرض؟ اپنا کام کر" میں خاموش ہوگیا۔ لیکن اب مجھے صبر نہیں تھا، کھانے کی کچھ چیزیں پاس تھیں، کل آپ کی خدمت میں آیا تھا۔ صدقہ کہہ کر پیش کیا۔ آپؐ نے صدقہ دوسروں کو بانٹ دیا۔ خود نہ کھایا۔ عموریہ کے سب سے بڑے پادری کی ایک پیشین گوئی صحیح نکلی۔ میں کل واپس گیا مگر نیند مجھے نہیں آئی۔ آج موقع پاتے ہی پھر آیا۔ آج تحفے کے طور پر پیش کیا تو آپؐ نے قبول فرمالیا۔ خود بھی کھایا، اور دوسروں کو بھی دیا۔ دوسری پیشین گوئی بھی صحیح نکلی۔ اب مجھے شانوں کے درمیان نشان دیکھنے کی ضرورت تھی۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ ہی دنوں بعد کچھ تاجر آئے، وہ شام جا رہے تھے۔ مجھے خبر ہوئی۔ میں نے جیسے تیسے قید سے چھٹکارا حاصل کیا۔ تاجروں کے قافلے سے جا ملا۔ شام میں پہنچا۔ لوگوں سے پوچھا "یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے؟" انھوں نے بڑے پادری کا پتہ بتا دیا۔ میں اُس سے ملا۔ اپنا حال کہا، اور مذہب بدل دیا۔ عیسائی ہو گیا۔ اور اس پادری کی خدمت میں رہنے لگا۔ اس کے ساتھ رہنے سے پتہ چلا کہ یہ پادری تو بڑا اضراب آدمی ہے۔ خود تو لوگوں سے اچھے کام کرنے کو کہتا ہے، مگر خود نہیں کرتا۔ لوگوں سے فقیروں اور مسکینوں کے نام پر صدقہ لیتا اور اپنے کام میں لاتا، جو بچتا اسے جمع رکھتا۔ اس طرح اس کے پاس سات مٹکے سونے چاندی سے بھرپور جمع ہو گئے۔ اس کا یہ لالچ دیکھ کر مجھے بڑا بُرا لگتا۔ کئی بار چاہا کہ لوگوں سے کہہ دوں۔ مگر پادری کا رعب اور اثر ایسا تھا کہ ہمت نہ پڑی۔ جب وہ مرا تو میں نے اس کا کچا چٹھا کہہ دیا۔ لوگوں نے تلاشی لی تو مٹکے برآمد ہوئے۔ عیسائیوں نے اس کا بدلہ اس طرح لیا کہ اس کی لاش کو سولی دی اور پتھر مارے۔

اس کے بعد دوسرا پادری اس کی جگہ مقرر ہوا۔ یہ سچ مچ بڑا نیک اور پرہیزگار آدمی تھا۔ رات دن عبادت کرتا۔ مجھے اس سے بڑی محبت ہو گئی میں نے اُس کو اپنا حال سُنایا اور اُس کی خدمت کرنے لگا۔ وہ بھی مجھ سے بہت راضی ہوا۔ اپنے دل کی باتیں مجھ کو بتا دیتا۔ جب وہ مرنے لگا تو میں نے

اس سے کہا: "میں آپ کے پاس عرصے تک رہا۔ آپ نے مجھ پر بڑی مہربانی فرمائی۔ اب آپ کا آخر وقت ہے۔ میرے لیے کیا حکم ہے۔ اب میں کس کے پاس جاؤں؟" اس نے کہا:۔

"میرے علم میں کوئی عیسائی ایسا نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السّلام) کی پوری پوری پیروی کرتا ہو۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی تعلیم کو بدل ڈالا۔ جن اصولوں میں زحمت دیکھی انھیں نکال دیا۔ اور بہت کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔ ہاں موصل میں ایک شخص ہے جس کے پاس دین کا ٹھیک ٹھیک علم ہے، تم جاکر اس سے ملنا۔"

اُس مہربان پادری کی موت کے بعد میں موصل پہنچا۔ تلاش کر کے وہاں کے اس پادری سے ملا۔ اپنا سارا حال کہا۔ اُس نے بھی مجھے ٹھہرا لیا۔ یہ پادری بھی سچ مچ بڑا نیک تھا۔ میں نے اس سے بھی بہت کچھ سیکھا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد اُس کا بھی وقت آگیا۔ اُس سے بھی میں نے پوچھا: "اب کہاں جاؤں؟" اس نے نصیبین کے ایک پادری کا پتہ بتایا۔ اب میں نصیبین کے پادری کے پاس پہنچا۔ اس پادری کو سب سے بڑھ کر دیندار پایا۔ لیکن موت نے اُسے بھی مہلت نہ دی۔ اس کے بعد اُس کے مشورے سے میں عموریہ کے سب سے بڑے پادری کے پاس گیا اور جب وہ مرنے لگا تو میں نے اس سے کہا ؎

مجھ کو رہ تمام ہر رہ تمکے ہو لیے پیچھے ہا ہو الیکن نہ ملے اپنا سفر اوّل سے آخر تک

وہ بھی دیکھ لیا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ آپؐ سچے نبی ہیں۔ میں نے اپنی دلی مُراد پالی، میں خدا کا بڑا شکر ادا کرتا ہوں۔ سچ ہے جس نے ڈھونڈا اُس نے پایا۔

یہ لمبی داستان جو سچ مچ آپ بیتی تھی۔ جس نے سُنی خوش ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت محظوظ ہوئے۔ اِس آپ بیتی سے مسلمانوں کے ایمان میں اور بھی مضبوطی آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کے اس جویا کا نام "سَلْمَانْ" رکھا۔ اور اب مابہ "حضرت سلمان (رضی اللہ عنہ) ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلمانؓ کی غلامی بہت شاق گزر رہی تھی۔ اس لیے آپؐ نے فرمایا: "اپنے آقا کو معاوضہ دے کر غلامی سے چھٹکارا حاصل کرو۔" سلمان رضی اللہ عنہ نے جاکر یہودی سے کہا۔ تین سو کھجوروں کے پیڑ اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے پایا۔ ایک غلام کے پاس اتنا سرمایہ کہاں، پھر غلام بھی کیسا، پردیسی پھر پردیسی بھی کیسا جو مستقل طور سے ایک جگہ بھی نہ رہ سکا، آج یہاں کل وہاں۔ رَحْمَۃُ الِلْعَالَمِیْن نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ "اپنے بھائی کی مدد کرو۔" اس زمانے میں تحریک اسلامی میں جو مسلمان حصہ لے رہے تھے رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ کی پوری تفسیر تھے۔ وہ کسی مسلمان کو غلام اور پریشان نہیں دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ سب نے ایک ایک، دو دو، چار چار کھجوروں کے پودے دیئے آن کی آن میں تین سو پیڑ مل گئے۔ پھر حضورؐ نے تمام مسلمانوں کو ساتھ لیا، جاکر سارے پیڑ بٹھائے اور زمین ٹھیک

کر کے ایک شرط پوری فرمادی. اب رہا سونا، اللہ تعالٰے جب اپنے بندے کو آزمائش سے نکالتا ہے تو پھر دیر نہیں لگتی. اسی دن ایک غزوہ سے مرغی کے انڈے کے برابر سونا آگیا. آپؐ نے سلمانؓ کو دے دیا. سونا ٹھیک چالیس اوقیہ تھا. گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت سلمانؓ ہی کے لیے اسے بھجوادیا تھا.

سلمانؓ غلامی سے چھٹکارا پاکر سیدھے حضورؐ کی خدمت میں آئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپؐ ہی کے ہو رہے. حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے آنے پر مسلمانوں میں ایک بڑی دل چسپ بحث چھڑی. سوال یہ پیدا ہوا کہ سلمانؓ مہاجر ہیں یا انصاری؟ ہر دو گروہ انھیں اپنی طرف منسوب کرنے کی دلیلیں دے رہے تھے. مہاجرین کا کہنا تھا، کہ "سلمانؓ نے دینِ حق کی تلاش میں گھر بار، ماں باپ اور وطن و ملک چھوڑا، دیس دیس مارے مارے پھرے، آخر اللہ تعالٰے نے انھیں کامیاب کیا. لہٰذا سلمان رضؓ ایک بہترین مہاجر ہیں". انصار کا دعویٰ یہ تھا کہ سلمان رضؓ مسلمان ہونے سے پہلے مدینے میں آرہے تھے، اور یہیں کے قیام میں مسلمان ہوئے. اس لئے انصاری ہیں". نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بحث کو بڑی توجہ سے سُنا، اور مسلمانوں کے بھائی چارے کے جذبے، اللہ کا شکر ادا کیا. اس کے بعد فرمایا کہ "سلمان رضؓ ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں". پھر حضرت ابو درداء رضؓ

مشہور صحابی سے بھائی چارہ کرا دیا۔

حضرت سلمان رضؓ اس وقت مسلمان ہوئے جب بدر و اُحد کی جنگیں ختم ہو چکی تھیں۔ اس لیے انھیں بدر و اُحد میں شرکت کا موقع نہ ملا لیکن اُس کے بعد تمام جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ رہے، اور نہایت بہادری سے لڑتے رہے۔ اکثر لڑائیاں سلمان رضؓ ہی کے حُسنِ تدبیر سے لڑی گئیں اور اللہ تعالےٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔

حضرت سلمانؓ کو مسلمان ہونے کے بعد سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ اس لڑائی میں تمام عرب مسلمانوں کے خلاف ٹڈی دَل لشکر کے ساتھ مدینے پر اُمنڈ آیا تھا تاکہ اس نئی تحریکِ اسلامی کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ مدینے میں نہ کوئی قلعہ تھا نہ کسی قسم کی فصیل۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ سلمان رضؓ ایران کی لڑائیاں دیکھ چکے تھے اور لڑائی کے بیسیوں طریقے جانتے تھے، انھوں نے مشورہ دیا کہ "اس ٹڈی دَل کا مقابلہ کھلے میدان میں کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ مدینے کے آس پاس خندق کھود کر شہر کو بالکل محفوظ کر دینا چاہیے"۔ یہ تدبیر سب کو بہت پسند آئی۔ اسی پر عمل کیا گیا۔ عرب لڑائی کے اس طریقے کو جانتے نہیں تھے۔ خندق کھدی دیکھ کر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، اور وہ چند دن گھیرا ڈالنے کے بعد ناکام واپس ہوئے اور اس طرح اللہ تعالےٰ نے اسلام کو بچا لیا۔ اور اپنے ایک نو مسلم

بند ے، سلمان رضؓ فارسی کے مرتبے کو مسلمانوں کی نظر میں بلند کیا۔

اسی طرح ہر لڑائی کے موقع پر سلمان رضؓ کے مشوروں سے اسلام کو تقویت ملی۔ خلافتِ صدیقی اور فاروقی دَور میں جب ایران سے مسلمانوں کی ٹکر ہوئی تو دونوں خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور فاروقِ اعظم رضؓ نے اُن کے مشوروں سے بخوبی فائدہ اُٹھایا۔ حضرت سلمان رضؓ نے زبانی ہی مشورے نہیں دیئے۔ بلکہ جن جن مقامات پر اُن کا جانا مفید ہو سکتا تھا وہاں خود جا کر مجاہدوں میں شریک بھی ہوئے۔ سلمان رضؓ جنگ سے پہلے اسلام کے عقائد و اصول بڑی خوبی سے پیش کرتے۔ پھر جب حجت ختم کر لیتے تو تلوار میان سے نکالتے۔ نمونے کے طور پر قصرِ ایرانی کے محاصرے کے وقت کی تقریر ملاحظہ ہو، قلعے کے اندر گھرے ہوئے ایرانیوں کو مخاطب کر کے اسلام کے عقائد اور اُصول سمجھانے کے بعد فرمایا:۔

"میں تمھارا ہم وطن تھا، لیکن خدا نے مجھے اسلام کے ذریعے عزت دی۔ اے بھائیو! تم مسلمانوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح بچ نہیں سکتے، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم اسلام لا کر ہمارے بھائی بن جاؤ، ہمارے پاس چلے آؤ، تم کو مسلمانوں کے حقوق مل جائیں گے۔ جو قانون اُن کے لیے ہے وہی تم کو جاری کیا جائے گا...... الخ"

یہ تقریر بہت لمبی ہے۔ تین دن لگاتار ایسی ہی تقریریں کیں۔ اس کے بعد جب ایرانی نہ مانے تو تلوار کے زور سے قلعے کو فتح کیا۔

جنگی قابلیت کے علاوہ علم، عمل اور تقویٰ میں بھی حضرت سلمانؓ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ یہ تو اُن کے ابتدائی حالات ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجوسی اور عیسائی مذہب کو پوری طرح سمجھتے تھے، اور جب تک ان مذہبوں پر چلتے رہے وہ اس وقت بھی عمل کے بغیر علم کو کوئی مرتبہ نہیں دیتے تھے۔ اسلام لائے تو اسلام کا مکمل ترین نمونہ بن گئے۔ اسلامی اصول اور قاعدے سمجھنے کے لیے ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے رہتے۔ اور اس وقت ہی ہٹتے جب نیند مجبوراً ایک انسان کو دوسرے انسان سے الگ کر دیتی ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ "سلمان رضؓ رات کو نبی کریمؐ کے پاس اتنی دیر تک بیٹھتے تھے کہ ہم (ازواج مطہرات) کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہمارے حصوں کی رات بھی اس بیٹھک میں نہ ختم ہو جائے۔"

ظاہر ہے کہ جس نے اس محنت اور توجہ سے خود رسول اکرمؐ سے دین کا علم سیکھا ہو، اُس کے علم و فضل کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ صحابۂ کرام رضؓ اُن کے علم و فضل کے قائل تھے۔ بعض انھیں علم و حکمت میں لقمان حکیم کے برابر سمجھتے۔ اور یہ تو سب مانتے تھے کہ اُن کو مجوسیت کے علاوہ علم اول (توریت و انجیل وغیرہ) اور علم آخر (یعنی قرآن کریم) دونوں کا علم تھا۔ نیز سلمان رضؓ نے دونوں علوم کو بَرت کر بھی جانچا اور پرکھا تھا۔ حضور نبی کریمؐ فرمایا کرتے تھے کہ "سلمان رضؓ علم سے لبریز ہے۔" علم کے ساتھ سلمان رضؓ فارسی کا عمل بھی ممتاز صحابہؓ میں خاص

مرتبہ رکھتا ہے ۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات کی نقل کرتے تھے۔ حضورؐ نے وفات کے وقت چار دینار کی موجودگی برداشت نہیں فرمائی ۔ اور جب تک انھیں غریبوں میں تقسیم نہ کر دیا گیا چین نہ آیا حضرت سلمان رضؓ نے مال و دولت کے اعتبار سے بھی حضورؐ کی پوری نقل کی حضرت سلمانؓ کا گھر تو تھا نہیں۔ جب تک حضورؐ دنیا میں بقید حیات رہے سلمانؓ آپؐ ہی کے سائے میں رہے ۔ آپؐ کے بعد کہیں گھر نہیں بنایا ۔ایک شخص نے درخواست کی کہ " آپ کے لئے گھر بنا دوں ؟" فرمایا۔" مجھ کو اس کی ضرورت نہیں " ۔اُس نے ضد کی اور جب عرض کیا کہ " آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا ۔" تو پوچھا ." یعنی کیسا ؟" اس نے بتایا کہ " ایسا مختصر کہ کھڑے ہوں تو سر چھت سے لگ جائے ، لیٹیں تو پیر دیواروں سے چھوتے رہیں " بولے ." ہاں اس میں کوئی ہرج نہیں "۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ " انسان کا سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے ۔" بس اسی پر ساری عمر عمل کرتے رہے ،کس طرح ؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کی زبانی سنیئے :۔

" حضرت سلمانؓ بیمار پڑے ، میں عیادت کو گیا ،آپ رونے لگے ،میں نے کہا ، رونے کا کون سا مقام ہے ،حضورؐ آپ سے خوش خوش دنیا سے گئے ۔آپ اُن سے حوض کوثر پر ملیں گے بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی "۔

یہ سن کر جواب دیا: "خدا کی قسم، میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کا کوئی لالچ باقی ہے۔ رونا تو یہ ہے کہ رسول اللہؐ سے عہد کیا تھا کہ ہمارا سامانِ دنیاوی ایک مسافر کے سامان سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن میرے گرد اس قدر سانپ جمع ہیں۔"

سعد بن ابی وقاصؓ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

"کل سامان جس کو وہ سانپ کہہ رہے تھے یہ تھا،

ایک بڑا پیالہ —— ایک لگن —— ایک تسلہ"

یہ تو وفات کے قریب کا واقعہ ہے! اس وقت جب کہ خلیفۂ وقت نے مدائن میں گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ لوگ انھیں معمولی مزدور سمجھتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے "گورنر صاحب" کو معمولی مزدور سمجھ کر کہا: "یہ بوجھ لے چلو"۔ یہ اٹھا کر لے چلے۔ راستے میں جاننے والوں نے دیکھا تو "السلام علیکم یا امیر! لائیے، ہم پہنچا دیں!" کی آوازیں بلند کیں۔ اب اس شخص کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ معافی مانگنے لگا، تو فرمایا: "میں اس کو گھر پہنچائے بغیر نہ رہوں گا۔ اس میں مجھے نیت کا ثواب ہے۔"

اس گورنری کے زمانے میں ایک دوست ملنے آئے۔ دیکھا تو بیٹھے آٹا گوندھ رہے تھے۔ پوچھا "خادم کہاں ہے؟" کہا "کام کو گیا ہے۔ مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دو دو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔"

حضرت سلمان رضؓ گورنری کے زمانے میں پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے تیس ہزار اللہ کے بندوں پر حکمراں تھے۔ مگر عالم یہ تھا کہ اُن کے پاس صرف ایک عبا تھی جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے۔ اس کا آدھا حصہ اوڑھتے اور آدھا بچھاتے تھے۔ ساری تنخواہ غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیتے۔ خود چٹائی بُنتے۔ اور اس سے جو ملتا اس کا بھی ایک تہائی خیرات کر دیتے۔ ایک تہائی بال بچّوں کو دیدیتے اور ایک تہائی حدیثِ نبویؐ کے شوقینوں کو دے دیتے۔

اس سادگی کے باوجود رہبانیت سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اُن کے بھائی ابو درداءؓ بھی زہد اور تقویٰ کے اعتبار سے بہت اونچا مرتبہ رکھتے تھے۔ حضرت سلمانؓ اُن سے ملنے جایا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت ابو درداءؓ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں (یعنے معمولی کپڑوں میں کسی بناؤ سنگار کے بغیر) دیکھا تو پوچھا "تم نے کیا صورت بنا رکھی ہے؟" انھوں نے کہا "کس کے لیے بناؤ سنگار کروں؟ تمھارے بھائی کو دنیا کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ رات بھر نماز پڑھتے ہیں، اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں"۔

اتنے میں ابو درداءؓ آئے۔ ملے خیریت پوچھی، کھانا منگایا، اور کہا "بسم اللہ" اور خود کھانے سے الگ بیٹھے، کیونکہ روزے سے تھے سلمانؓ بولے "جب تک تم نہ کھاؤ گے، میں بھی نہ کھاؤں گا" آخر وہ نفل روزہ توڑوادیا۔ پھر رات کو اُن کے پاس ہی لیٹے۔ جب وہ عبادت کے لیے

اُٹھے تو روک کر فرمایا "تم پر تمھارے ربّ کا حق ہے، تم پر تمھاری آنکھ کا حق ہے، روزوں کے افطار اور رات کی عبادت کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے۔"

حضرت ابو درداءؓ نے اپنی حمایت میں کچھ کہا تو صبح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا۔ حضورؐ نے ابو درداءؓ کو مخاطب کر کے فرمایا "سلمانؓ تم سے زیادہ اسلام کو جانتے ہیں۔"

حضرت سلمانؓ ان خوبیوں کی وجہ سے تمام صحابہؓ اور خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں بے حد معزز تھے۔ حضرت عمرؓ اتنا احترام کرتے کہ انھیں آتے دیکھ کر اپنا گدّا اُن کی طرف بڑھا دیتے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اُن کو ناراض کرنا اپنی عاقبت خراب کرنے کے برابر سمجھتے تھے۔ اور یہ بات صدیق اکبرؓ کو اس طرح معلوم ہوئی کہ ایک بار جب ابو سفیان کچھ آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیبؓ، بلالؓ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم کے پاس سے گزرے تو ان تینوں نے کہا "خدا کی کوئی تلوار خدا کے دشمن ابو سفیان کی گردن پر نہیں پڑی۔" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا "تم لوگ سردارِ قریش کی شان میں ایسی بات زبان سے نکالتے ہو؟" اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی جا کر کہا۔ آپؐ نے فرمایا "شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا تو گویا خدا کو ناراض کر دیا۔" حضرت ابوبکرؓ یہ جان کر بہت

نادم ہوئے۔ اور آکر اُن سے معافی مانگی۔

حضرت سلمان فارسی رضؓ کو اسلام میں یہ مرتبہ کیوں کر حاصل ہوا ؛ اس مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے دینِ حق کی تلاش میں دن، رات ایک کر دیا۔ گھر بار، ماں باپ، قوم و وطن کو چھوڑا۔ پھر جب دینِ حق مل گیا تو اس کا علم حاصل کیا۔ پھر اُس علم کی بنا پر اپنی زندگی کو ڈھالا، زندگی کے ہر کام میں اللہ اور رسولؐ کی مرضی کو مقدم رکھا۔ عام زندگی میں بھی اسلام کی سادگی کو نہ چھوڑا۔ اور گورنری پا کر بھی اس سے بال برابر مُنھ نہ موڑا۔ تحریکِ اسلامی کے علم بردار چاہے وہ تحریک کے ابتدائی دور میں ہوں' یا نئی اسلامی مملکت بنا کر دنیا کو اسلامی سیاست کا نمونہ دکھانا چاہتے ہوں۔ دونوں کے لیے حضرت سلمان رضؓ کے حالات میں بڑی نصیحتیں ہیں۔ اللہ ہمیں ایسے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔

حضرت صُہیب رومی

(رضی اللہ عنہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "صُہَیب روم کا پہلا پھل ہے"۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ روم کا سب سے پہلا شخص جو مسلمان ہوا وہ حضرت صُہَیب رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت صہیبؓ دریائے دجلہ کے کنارے شہر موصل کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد شاہِ ایران کی طرف سے اُبلّہ کے گورنر تھے۔ رومی فوجوں سے ایرانیوں کی اکثر ٹکر ہوتی رہتی تھی۔ ایک بار اچانک رومیوں نے اُبلّہ پر حملہ کر دیا۔ اُبلّہ والوں نے ہر چند روک تھام کی، مگر اس ہلّے میں صہیبؓ جو ابھی بچے تھے رومیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ اور وہ لوٹ کے اسباب کے ساتھ اس نونہال کو بھی پکڑ لے گئے۔ باپ نے بہت کچھ تلاش کی مگر کہیں پتہ نہ پایا۔ آخر رو پیٹ کر بیٹھ رہے۔

حضرت صہیبؓ رومیوں میں پل کر جوان ہوئے۔ اس کے بعد رومیوں نے انھیں ایک شخص کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور اس شخص نے غلام کی حیثیت سے

مکے میں پہنچایا جہاں مالک نے کسی بات پر خوش ہو کر آزاد کر دیا حضرت صہیبؓ مکے میں ایک پردیسی کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے تھے ایک شخص کی شرکت میں تجارت کرتے تھے۔ اور اچھے کھاتے پیتے آدمی تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ نہایت خوش طبع اور ملنسار آدمی تھے۔ جس محفل میں بیٹھ جاتے اُسے پُرلطف بنا دیتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پُرانی جان پہچان تھی۔ اکثر آنا جانا اور اُٹھنا بیٹھنا ہوتا۔ بات چیت اور تبادلۂ خیال کا موقع ملتا۔ یہی وجہ تھی کہ نبوت سے پہلے ہی آپ سے کافی متاثر ہو چکے تھے۔ اور حضورؐ کی دیکھا دیکھی بہت سی خوبیاں اختیار کر چکے تھے۔ پھر جب مکے کی گلیوں میں توحید اور رسالت کی آواز گونجی، تو صہیبؓ جیسے بزرگ پیچھے کیوں کر رہ سکتے تھے۔ مسلمان ہوئے اور بہت جوش و خروش کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ مکے میں نہ کوئی خاندانی رشتہ دار نہ کوئی حامی و مددگار۔ مسلمان ہونے کے "جرم" میں قریش مکہ اپنوں کی تو پروا کرتے نہ تھے، پھر بھلا صہیبؓ کے ساتھ کیا رعایت کرتے۔ پردیسی جان کر جس طرح چاہا، ستایا۔ لیکن راہ خدا سے بال برابر بھی ہٹا نہ سکے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو مکے سے ہجرت کا حکم ہوا۔

حضرت صہیبؓ کی ہجرت بھی توحید کے علم برداروں کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ جس وقت انھوں نے اپنا مال و اسباب اکٹھا کر کے

چلنے کا قصد کیا، مکے والوں کو خبر ہوگئی۔ انھوں نے آکر روکا، اور کہا۔ تم ہمارے یہاں مفلس اور محتاج آئے تھے، مکے میں خوب کمایا۔ اب چاہتے ہو کہ سارا سرمایہ ساتھ لے جاؤ۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حضرت صہیبؓ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا "اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ تیرانداز اور صحیح نشانہ باز ہوں۔ خدا کی قسم، جب تک اس میں ایک تیر بھی ہے تم میرے قریب نہیں آسکتے۔ اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا۔ ہاں اگر مال کی تمنا ہے تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے"؟ قریش نے اس پر رضامندی ظاہر کی۔ حضرت صہیبؓ نے مال و دولت پر لات ماری اور ہجرت کا جو حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوا تھا اُسے سینے سے لگا کر مدینے کی طرف چل دیئے۔

حضرت صہیبؓ سب کچھ لٹا کر مدینے پہنچے تو تھکاوٹ اور بھوک کی شدت سے بے تاب تھے، ایک آنکھ میں آشوب بھی شدت سے تھا۔ اس وقت حضورؐ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ کھجوریں نوش فرما رہے تھے۔ صہیبؓ سے صبر نہ ہو سکا، کھجوروں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عمرؓ نے کہا "یا رسول اللہ! آپؐ صہیبؓ کو دیکھتے نہیں کہ آنکھ آئی ہوئی ہے، اور کھجوریں کھا رہے ہیں۔" حضرت صہیبؓ خوش مزاج آدمی تو تھے ہی، بولے "میں اس طرف سے کھا رہا ہوں جس طرف کی آنکھ تندرست ہے"۔ اس حاضر جوابی سے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم مسکرا دیئے۔ کھجوروں سے فرصت پائی تو اپنی آپ بیتی سنائی۔ کہا "قریش نے اکیلا سمجھ کر روک رکھا تھا۔ آخر میں نے ساری دولت دے کر چھٹکارا پایا۔" حضورؐ نے فرمایا۔ "تمھاری یہ تجارت بڑے نفع کی رہی۔" اس کے بعد قرآن کی یہ آیتیں نازل ہوئیں :۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ — لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشی

ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ — کے لیے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں تو ایسے

رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (سورہ بقرہ) — بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔

دراصل یہ خدا کی خوشی اور رسولؐ خدا کی اطاعت صہیب رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا سرمایہ تھا۔ اپنا وطن ثانی مکہ اسی کے لیے چھوڑا۔ عمر بھر کی کمائی اسی پر لٹا دی۔ سخت سے سخت معرکوں اور ہولناک لڑائیوں میں جان کی بازی لگاتے رہے۔ اسلام کی راہ میں جتنی جنگیں ہوئیں سب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اور نہایت بہادری سے اپنی تیر اندازی کے جوہر دکھاتے رہے بڑھاپے میں لوگوں کو جمع کرتے اور مزے لے لے کر اپنے جنگی کارناموں کی داستان سنایا کرتے تھے۔ اخلاق و عادات میں حضور نبی کریمؐ کی پوری نقل کرتے تھے۔ مہمانوں کی خاطر و مدارات، غریبوں کی مدد اور صدقہ و خیرات میں اتنی فیاضی سے کام لیتے کہ لوگوں کو فضول خرچی کا شبہ ہوتا۔ چنانچہ ایک بار حضرت عمر فاروق رضؓ نے ٹوکا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سُنایا۔

، تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے۔

تمام صحابہ خصوصاً خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت صہیب رضؓ کا بے حد احترام کرتے تھے حضرت عمر رضؓ کو ان سے اتنا حُسنِ ظن تھا کہ اپنی وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیبؓ ہی اُن کے جنازے کی نماز پڑھائیں اور جب تک کوئی خلیفہ نہ چنا جا سکے اس وقت تک وہی خلافت اور امامت کریں۔ چنانچہ حضرت صہیبؓ نے تین دن بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا۔ اللہ اُن پر رحمت نازل فرمائے۔ اور ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف
(رضی اللہ عنہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رسولِ پاکؐ کے بڑے صحابیوں میں سے تھے۔ نہایت مالدار اور متمول آدمی تھے۔ ذریعہ معاش تجارت کے ساتھ ساتھ کھیتی باڑی کا کام بھی کرتے تھے اور اتنے بڑے پیمانے پر کرتے تھے کہ کھیتوں کے ایک ایک چک میں بیس بیس اونٹ سنچائی کا کام کرتے تھے۔ تجارت اور زراعت کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی جاگیر بھی عنایت فرمائی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کی تجارت میں، آپ کی زراعت میں اور آپ کی جاگیر میں اتنی زیادہ برکت دی تھی کہ ان تینوں سے بے شمار آمدنی ہوتی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ خود فرماتے تھے کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو اس کے نیچے سونا نکل آتا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے مالدار ہونے کا ادنیٰ سا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار ان کی تجارت کا مال مدینے میں آیا، تو اس میں

سات سو اونٹوں پر گیہوں، آٹا اور دوسری کھانے کی چیزیں تھیں، لیکن کسی کو یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کی مال داری کی وجہ سے اسلام میں اُن کو بڑا مرتبہ حاصل ہوا۔ اسلام میں مال کی زیادتی، بزرگی اور شرافت کی علامت نہیں۔ بلکہ اس کا معیار قرآن کریم کی یہ آیت ہے :۔" اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ "۔ (یعنی اللہ کے نزدیک بزرگ وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ کی نافرمانی سے ڈرتا ہو۔") عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بے انتہا مالدار ضرور تھے لیکن مال و دولت نے اُن میں سرمایہ دارانہ ذہنیت پیدا نہیں کی تھی جس کے ثبوت میں خود اُن کی زندگی گواہ ہے۔

اس تجارتی مال کو دیکھیے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو اس تجارتی مال کی شہرت سُنی، تو ایک حدیث بیان فرمائی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مال اکثر لوگوں کو اُن کے مرتبے سے گرا دیتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کو خبر ہوئی تو اسی وقت وہ ام المومنین رضؓ کی خدمت میں گئے، اور کہا۔" میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ، مال، اسباب یہاں تک کہ اونٹ، سب کا سب خدا کی راہ میں دیتا ہوں"۔

آپ کی زندگی کا صرف یہی ایک واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ ساری زندگی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں گزری۔ جب ضرورت ہوتی اور نہ ضرورت ہوتی تو، ہر موقع پر دل کھول کر اللہ کی راہ میں دیتے۔

سورہ براۃ نازل ہوئی اور صحابۂ کرام رضؓ کو صدقہ اور خیرات کرنے کی ترغیب دی گئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے اپنا نصف مال پیش کیا۔ لیکن اس سے دل مطمئن نہ ہوا تو دوبارہ چالیس ہزار دینار دیئے۔ پھر جہاد کے موقع پر پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ پیش کئے۔

صدقہ و خیرات کرنے کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک دن میں تیس تیس غلام آزاد کئے۔ ایک بار چالیس ہزار دینار کی ایک زمین بیچی اور سب راہ خدا میں لٹا دیا۔ اس فیاضی کے ہوتے ہوئے ہر وقت یہ سوچا کرتے تھے کہ مال و دولت آخرت کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اسی اندیشے کو لے کر ایک بار حضرت اُم سلمہؓ کی خدمت میں گئے۔ عرض کی "اماں! مجھے ڈر ہے کہ مال کی کثرت مجھے ہلاک نہ کر دے" ارشاد ہوا "خدا کی راہ میں خوب خرچ کرو"

آخرت کا خوف اس قدر غالب تھا کہ جب کبھی اچھا کھانا اُن کے سامنے آجاتا تو پچھلی زندگی یاد کر کے رو پڑتے جب کہ عام طور سے مسلمان فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ فرمایا کرتے تھے "مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی، جس سے سر چُھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے، اور پاؤں چھپایا جاتا تو سَر کھل جاتا۔ اسی طرح حمزہؓ شہید ہوئے۔ وہ بھی مجھ سے بہتر تھے۔ لیکن اب دنیا میں ہمارے لیے بے حد وسعت ہو گئی ہے، اور ہمیں اس قدر دنیاوی نعمتیں

حاصل ہیں کہ ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں ہو گیا۔" اس کے بعد اس قدر روئے کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

خوفِ خدا اور آخرت کی فکر نے اُن میں بڑی خوبیاں پیدا کر دی تھیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا تھوڑا سا بیان اوپر ہو چکا۔ خاندانی وقار اور نسلی نام و نمود کو بھی ہیچ سمجھتے تھے۔ تیس سال کی پختہ عمر میں مسلمان ہوئے اصلی نام عبدِ عمرو تھا۔ چونکہ اسلام کی رُو سے ہر انسان اللہ کا عبد (بندہ) ہے کسی دوسری مخلوق کا نہیں۔ اس لیے رسولِ خدا نے بدل کر عبدالرحمٰن نام رکھا۔ اس بندۂ خدا نے خاندانی نام چھوڑ کر یہی اختیار کر لیا۔ پھر جب مکّے سے مدینے کو ہجرت کا حکم ہوا تو نہ گھر والوں کی محبّت انھیں روک سکی اور نہ وطن کی زمین ہی پیر پکڑ سکی۔ مدینے پہنچے تو اللہ کے رسولؐ نے حضرت سعد بن الربیع رضؓ سے بھائی چارا کرا دیا۔ جو انصار میں سب سے زیادہ مالدار اور فیاض آدمی تھے۔ وہ اپنے مہاجر بھائی کو گھر لے گئے اور کہنے لگے " میں اپنا آدھا مال تمھیں بانٹ دیتا ہوں۔"

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ مالدار ہوتے ہیں وہ نہایت بزدل، ڈرپوک، دُنیا دار اور زمانہ ساز ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کے دل میں خوفِ خدا اور آخرت کا ڈر اتنا غالب تھا کہ اُس سے دل کا سارا کھوٹ نکل گیا تھا۔ وہ جہاد میں جان کی پروا نہیں کرتے تھے۔ تمام لڑائیوں

لڑائیوں میں اللہ کے رسولؐ کے ساتھ شریک رہے۔ اور نہایت بہادری سے لڑے۔ غزوۂ بدر میں ابوجہل کے قاتلوں کو آپ ہی نے اس کا پتہ بتایا تھا غزوۂ اُحد میں اس جانبازی سے لڑے کہ بدن پر بیس سے زیادہ زخم آئے۔ پاؤں میں تو ایسے زخم آئے کہ اچھے ہونے پر بھی لنگ باقی رہا۔ اور عمر بھر لنگڑا کر چلتے رہے۔ شعبان ۶ھ میں دومۃ الجندل کی مہم پر روانہ کرتے وقت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے سر پر عمامہ باندھا، پیچھے شملہ چھوڑا، اور عَلَم دے کر فرمایا "راہِ خدا میں روانہ ہو جاؤ۔ جو لوگ خدا کی نافرمانی اور گناہ میں مبتلا ہیں اُن سے جا کر جہاد د لیکن کسی کو دھوکہ نہ دینا، فریب نہ کرنا، بچوں کو نہ مارنا۔ یہاں تک کہ دُومۃ الجندل پہنچ کر قبیلۂ کلب کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا۔ اور جب وہ مسلمان ہو جائیں تو اُن کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کر لینا۔"

فرمانِ رسولؐ کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر اس خوبی سے دعوت کا کام انجام دیا کہ تین دن کے اندر وہ لوگ بخوشی اسلام لے آئے۔ چنانچہ آپ نے سردارِ قبیلہ کی لڑکی سے نکاح کیا۔

اللہ تعالیٰ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مال و دولت ایثار و سخاوت، بہادری اور شجاعت کے ساتھ ساتھ عقل و ذکاوت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ خدمتِ اسلام کی خاطر جو مشورہ جس کو دیا بے مثل اور

کامیاب مشورہ دیا۔ حضورؐ کے انتقال کے بعد خلافت کا مسئلہ آیا تو اس کے سلجھانے میں آپ شریک تھے۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ اُن کو ایک مخلص مشیر سمجھتے اور رائے لیتے رہے۔ خلیفۂ دوم کے انتخاب کے وقت حضرت ابوبکر صدّیقؓ کو جو رائے دی وہی رائے اکثر بڑے بڑے صحابہؓ کی تھی۔ اس کے بعد جب خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت کا کام کرنے کے لیے مجلسِ شوریٰ بنائی تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اُس کا رُکن بنایا۔ خلیفۂ دوم کے عہدِ خلافت میں بھی خلوص کے ساتھ اپنی رائے دیتے رہے اور اکثر ایسا ہوا کہ آپ ہی کی ذہانت سے بڑے بڑے کام انجام پائے۔

عراق کی فوج کشی کے وقت، نہاوند کے معرکے کے وقت، فتحِ ایران کے موقع پر، نیز ایسے ہی اہم موقعوں پر آپ نے اتنی عمدہ رائیں دیں کہ تمام صحابہؓ کا متفقہ فیصلہ وہی قرار پایا۔ تیسرے خلیفہ کے لیے حضرت عمرؓ نے آپ کو بھی نامزد فرمایا تھا، لیکن آپ نے اپنا نام واپس لے لیا۔ پھر تیسرے خلیفہ کے لیے جب آپ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ چنا تو تمام صحابہؓ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مان لیا۔ غرض یہ کہ ساری عمر خلوص اور ایثار و قربانی کے ساتھ خدمتِ اسلام کرتے رہے۔

پچھتر برس کی عمر میں انتقال فرمایا، تو حضرت علیؓ نے جنازے کے پاس کھڑے ہو کر اُن کے کردار کو ان لفظوں میں سراہا۔ فرمایا:

"اے ابنِ عوف! تم نے دنیا کا صاف پانی پیا اور گندلا چھوڑ دیا"
حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے یوں نذرِ عقیدت پیش کی:
"آہ! یہ پہاڑ بھی چل بسا"

خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کی بے حد قدر و منزلت فرماتے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے سپہ سالارِ اسلام سے ایک بار کسی بات پر اُن کی گرما گرمی ہوگئی، تو حضورؐ نے حضرت خالدؓ کو ٹوک کر فرمایا۔
"بس خالد! میرے اصحاب کو چھوڑ، تو اگر راہ خدا میں کوہِ احد کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا تب بھی اِن کے برابر نہ ہوگا"

علم و فضل، صداقت اور تقویٰ کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے فقہی مسائل میں خلیفۂ اسلام کو کھلی رائے دیتے تھے۔ اور وہ اسلام کے عین مطابق ہوتی تھی۔ وراثت کے معاملے میں، ذمیوں کے ساتھ برتاؤ وغیرہ میں آپ کی رائے تمام صحابہؓ نے تسلیم کی۔ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں حضرت زبیرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ پر دعویٰ کیا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت عبدالرحمٰن ہی کو حَکَم قرار دیا۔ حضورؐ کے بعد ازواجِ مطہراتؓ کی نگرانی حضرت عبدالرحمٰن کے ذمہ تھی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ تمام صحابہؓ میں آپ کا کیا مرتبہ تھا۔ نیز یہ مرتبہ اور بھی بلند ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ انھیں رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ اور کیوں

نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے انھیں جو صلاحیت دی اُسے اُنھوں نے اللہ کی راہ میں ہی لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دیا، اُسے انھوں نے اللہ کی راہ میں ہی لُٹایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں علم وفضل اور فہم وفراست سے نوازا تو یہ سب بھی اللہ کے دین کو سربلند کرنے میں لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے غیرت و خودداری کا جذبہ عطا فرمایا تو اس سے بھی بڑے سے بڑا ایثار کیا۔ مالدار ہوتے ہوئے اپنے نفس کے لئے معمولی کھانے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کیا۔

حضرت سعید بن عامر
رضی اللہ عنہ

خلافت کے زمانے کا ایک گورنر

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ سَابِقُونَ الْاَوَّلُونَ[1] میں سے تو نہیں ہیں پھر بھی مسلمان ہونے کے بعد آپ نے زہد و تقویٰ کا جو نمونہ پیش فرمایا وہ ہماری زندگی کے بہت سے کمزور گوشوں کے لیے ایک سبق ہے خصوصاً ان ذمہ داران حکومت کے لیے جو اپنی حکومت کو اسلامی ریاست کا نام دے کر اس کے کسی نہ کسی عہدے پر تعینات ہیں۔ نیز اس غیر اسلامی ریاست کے لیے بھی جو جمہوری ہونے کے ساتھ ساتھ مساویانہ زندگی کا

لہ "سابقون الاولون" وہ صحابہؓ کہلاتے ہیں جو تحریک اسلامی کے اس زمانے میں مسلمان ہوئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی مکے میں قریش کے ہاتھوں سخت آزمائش سے دوچار تھے۔

دم بھرتی ہے۔

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ جنگ خیبر سے پہلے مسلمان ہوئے۔ مسلمان ہوتے ہی ہجرت فرمائی۔ گھر بار اور عزیز وطن کو خیرباد کہا، اور مدینے جاکر پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جا رہے۔ اس کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں اپنی جانثاری اور جاں بازی کے جوہر دکھائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (خلیفۂ دوم) کی خلافت کے زمانے میں یرموک کی اہم لڑائی میں جب حضرت ابو عبیدہؓ نے امدادی فوج کی درخواست کی تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے ایک دستے کے ساتھ آپ کو روانہ کیا۔ اس لڑائی میں آپ نے بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ پھر عیاض بن غنم رضؓ کی وفات کے بعد جب حمص کی گورنری کی جگہ خالی ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے سعید بن عامر رضؓ کو اس جگہ متعین کیا۔ گورنری کے زمانے میں کسی نے مرکزِ خلافت میں خبر دی کہ سعید بن عامر رضؓ پر جنون کا اثر رہتا ہے۔ تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے تحقیقات کے لیے فوراً طلب فرمایا۔ اس طلبی پر حمص کا گورنر جس شان سے مدینے میں آیا اس کا نقشہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ان الفاظ کے ساتھ کھینچا گیا ہے کہ سعید بن عامر رضؓ گورنرِ حمص کے ہاتھ میں صرف ایک عصا اور کھانے کے لیے ایک پیالہ تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے پوچھا: تمھارے پاس

زندگی بسر کرنے کا بس یہی سامان ہے ؛"
جواب دیا" اس سے زیادہ اور کسی چیز کی ضرورت ہی کیا ہے ؛ پیالے میں کھاتا ہوں اور عصا پر زادِ سفر لٹکاتا ہوں ۔" حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا" سُنا ہے کہ تم پر جُنُون کا اثر رہتا ہے ؟" کہا" نہیں ۔"

" تو پھر مجھے کیسے اطلاع ملی کہ تم پر غشی کے دورے پڑتے ہیں ؟" ۔

اس سوال پر سعید بن عامرؓ نے جواب دیا ،

" ہاں یہ سچ ہے۔ لیکن اس کا سبب کسی قسم کا جُنُون نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ حبیبؓ بن عدیؓ کی شہادت کا واقعہ ہے ۔ اُس وقت میں بھی قریش کے ساتھ موقع شہادت پر موجود تھا ۔ وہ اس حالت میں قریش کے لیے بد دُعاء کرتے تھے ۔ چونکہ میں بھی قریشی ہوں ۔ اس لیے جب حبیب بن عدیؓ کی بددعا یاد آتی ہے تو ڈر کے مارے بے ہوش ہونے لگتا ہوں ؟"

سعید بن عامرؓ کی اس صفائی کے بعد ظاہر ہے کہ مقدمہ کی اہمیت ہی کیا رہتی ۔ حضرت عمرؓ نے پھر اُن کو گورنری پر واپس کرنا چاہا تو اُنھوں نے

لہ حبیب بن عدیؓ کو ایک راستے سے کفار قریش دھوکہ دے کر پکڑ لے گئے تھے، اور بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا ۔ حبیب بن عدیؓ قریش کے تیروں اور برچھیوں کے ہر وار پر کہتے تھے" یہ سارے زخم اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک بال کو نقصان پہنچے ۔"

انکار کر دیا لیکن پھر خلیفہ کے حکم سے مجبور ہو گئے، اور حمص کی گورنری پھر سنبھال لی۔

خوفِ خدا کی مثال اوپر گزر چکی۔ آپ کے زہد و تقوے کے حالات بھی کتابوں میں بہت موجود ہیں۔ نمونے کے طور پر یہاں صرف دو واقعے لکھے

۱۔ جب سعید بن عامر رضؓ حمص کے گورنر تھے تو ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ حمص اس غرض سے تشریف لے گئے کہ وہاں فقراء اور مساکین کی معاش کا انتظام کر دیں۔ خلیفہ نے کاتبوں سے اُن کی فہرست تیار کرائی۔ یہ فہرست جب سامنے آئی تو اس میں سعید بن عامر رضؓ بھی ایک نام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

"یہ سعید بن عامر رضؓ کون ہیں؟" عرض کیا گیا "یا امیر المومنین! ہمارے اور آپ کے امیر حمص کے گورنر" حضرت عمر رضؓ نے متحیر ہو کر پوچھا۔

"تمہارا امیر اور فقیر! وظیفہ کیا کرتا ہے؟" لوگوں نے بتایا "وظیفے کو تو وہ چھوتے بھی نہیں، غریبوں میں تقسیم کر دیتے ہیں"

حضرت عمر رضؓ سعید بن عامر رضؓ کی بے نیازی دیکھ کر رونے لگے اور اُسی وقت ایک ہزار دینار کی تھیلی اُن کے پاس بھیجی تاکہ اس کو وہ اپنی ضرورت پر خرچ کریں۔ حضرت سعید رضؓ نے جیسے ہی یہ تھیلی دیکھی إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ پڑھا۔ بیوی نے پوچھا خیریت ہے؟ کیا خلیفۂ اسلام کو خدانخواستہ کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا؟" جواب دیا۔ "اس سے بھی بڑھ کر حادثہ ہو گیا۔" بیوی نے پوچھا۔

"کیا قیامت آگئی؟" فرمایا "قیامت سے بھی زیادہ خطرناک۔"
بے چاری بیوی نے پھر پوچھا "آخر معاملہ کیا ہے؟" فرمایا "دنیا فتنوں
کو لے کر ہمارے پاس آئی ہے۔" وہ بولیں "پھر اس کی روک تھام کرو۔"
چنانچہ ساری رقم ایک توبڑے میں ڈال دی اور ساری رات نماز پڑھتے
رہے۔ صبح کو اسلامی لشکر اُدھر سے گزرا، آپ نے کل رقم اُس کی ضرورت
کے لیے دے دی۔

۲۔ ظاہر ہے کہ جس صوبے یا ملک کا سعید بن عامرؓ جیسا والی اور حاکم
ہو وہاں کی رعایا اُس سے کس قدر محبت کرے گی۔ رعایا کی خوش حالی
اور گرویدگی کا حال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے سُنا تو
ایک بار آپ سے پوچھا "رعایا تم سے اس قدر محبت کیوں کرتی ہے؟"
جواب دیا "میں اس کی نگرانی بھی کرتا ہوں اور ہمدردی بھی کرتا ہوں۔"
اس جواب سے حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے۔ دس ہزار کی بھاری رقم
بطور انعام پیش کی۔ حضرت سعیدؓ نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ
"میرے گھوڑوں اور غلاموں کی آمدنی میرے لیے کافی ہے۔ میں چاہتا
ہوں کہ مسلمانوں کا کام صرف اللہ کے واسطے کروں۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا
"اس کو لے لو واپس نہ کرو۔ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ
مال دیا تھا، میں نے بھی تمھاری طرح یہی جواب دے کر واپس کرنا چاہا

توحضورؐ نے فرمایا "اگر بغیر سوال کئے اللہ دے تو اُس کو لے لیا کرو کہ وہ اس کا عطیہ ہے۔"

ایسے واقعات سُن کر بعض لوگوں کو گمان ہوتا ہے کہ یہ سب اُس وقت کی باتیں ہیں جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ بات بھی واضح کرنا ضروری معلوم ہوتی ہے کہ حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے چالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت عمّار بن یاسر

رضی اللہ عنہ

حضرت عمّار کے والد یاسرؓ یمن کے رہنے والے تھے۔ یاسرؓ کئی بھائی تھے۔ ایک بار بھائیوں میں سے ایک کہیں چلے گئے اور پھر اُن کی کوئی خبر نہیں ملی۔ یاسرؓ اپنے دو بھائیوں کو لے کر گم شدہ بھائی کو تلاش کرنے نکلے۔ تلاش کرتے کرتے مکّے پہنچے۔ مکّے سے اُن کے دونوں بھائی گھر لوٹ گئے۔ لیکن یاسرؓ وہیں رہ پڑے۔ مکّے کے ایک رئیس ابو حُذیفہ سے اُن کا یارانہ ہو گیا اُس نے ان کی شادی اپنی ایک لائق اور سمجھدار لونڈی سُمیّہ سے کر دی جن سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے۔

حضرت عمارؓ ان خوش نصیب اور جانباز صحابہؓ میں سے ہیں جو مکّے میں اسلام کی آواز بلند ہوتے ہی ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے تھے۔ حضرت عمارؓ اس کٹھن وقت میں مسلمان ہوئے جب مکّے کے مشرکوں کے بے پناہ اور ناقابلِ برداشت ظلم و ستم کی وجہ سے حضور سرورِ

عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تیس بتیس صحابہ کے ساتھ حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ کے گھر میں پناہ گزیں تھے۔ ایسے وقت میں حضرت عمارؓ، ان کے والد یاسرؓ، ان کی والدہ سمیہؓ، ان کے بھائی عبداللہؓ اور گھر کے سارے لوگ مسلمان ہوئے۔

حضرت عمارؓ اور اُن کے خاندان کو مکّے والوں سے کوئی خاندانی تعلق نہ تھا اور نہ وہ مال و دولت ہی رکھتے تھے جس کی بدولت کوئی اُن کی طرفداری کرتا۔ ایک ابوحُذَیفَہ اس خاندان پر مہربان ضرور تھے۔ لیکن اسلام کی دعوت شروع ہونے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ مکّے کے مشرکوں نے انھیں لاچار اور مجبور دیکھ کر اسلام قبول کرنے کے "جرم" میں بڑی اذیتیں دے دے کر ستایا۔ انھیں تپتی ہوئی ریت پر دوپہر کے وقت لٹایا، دہکتے ہوئے انگاروں پر جلایا، پانی میں گھنٹوں غوطے دیئے۔ لیکن وہ اسلام کے اِس شیدائی کو پھیر لینے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ عورت ذات ہوتے ہوئے بھی تحریکِ اسلامی میں بڑی پُرجوش تھیں۔ ابوجہل کسی کے جوش کو کب دیکھ سکتا تھا۔ اُس نے غصّے میں ایک روز اس زور سے اُن کی ناف کے نیچے نیزہ مارا کہ وہ غریب شہید ہو گئیں۔ حضرت عمارؓ کے والد یاسرؓ اور بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی مشرکوں نے ناقابلِ برداشت تکلیفیں

دے دے کر مار ڈالا۔

اس خاندان کی بے بسی اور بے کسی پر اکثر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آتا۔ آپ اُن کی طرف نکلتے اور انھیں ظلم و ستم کا شکار ہوتے اور اسلام پر ثابت قدم دیکھتے تو فرماتے :۔

"اے عمارؓ کے خاندان والو! تمھیں خوش خبری ہو، جنت تمھارا راستہ دیکھ رہی ہے"

ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مشرکوں نے حضرت عمارؓ کو دہکتے انگاروں پر لٹا دیا ہے اور عمارؓ بے بسی کی حالت میں ہیں۔ یہ دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا :۔

اے آگ! تو ابراہیمؑ کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہو جا۔

ایک بار حضرت عمارؓ نے اپنی بے بسی اور بے کسی کا ذکر حضورؐ سے کیا تو آپؐ نے صبر کی تلقین فرمائی، اور دعا کی "اے خدا! یاسرؓ کے خاندان کو بخش دے"۔

آزمائش کی اس بھٹی میں ایک مدت تک تپتے رہے، آخر اللہ تعالےٰ نے اس مصیبت سے نجات دلائی۔ مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا حضرت عمارؓ پہلے حبش، پھر مدینہ ہجرت کر گئے۔ ان کی ثابت قدمی، فداکاری اور حق پسندی کو دیکھ کر حضورؐ نے ان کے حق میں شیطان سے بچے رہنے کی

دعا فرمائی اور انھیں حق و باطل کی کسوٹی قرار دیا۔ انھیں دیکھ کر فرماتے کہ "عمارؓ کی رگ رگ میں ایمان پیوست ہوگیا ہے۔" کئی بار اُن سے فرمایا۔ "افسوس عمارؓ! تم کو باغی گروہ قتل کرے گا۔"

حضورؐ کے ارشادات کی بنا پر لوگ آپس کے اختلافات میں حضرت عمارؓ کی رائے پر فیصلہ کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں جب مسلمان آپس میں لڑ پڑے اور دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئے تو غیر جانبدار لوگوں نے حضرت عمارؓ کی پیروی میں حضرت علیؓ کی طرفداری کی۔ اس جھگڑے میں مسلمانوں کے درمیان کئی سخت اور افسوس ناک جنگیں بھی ہوئیں۔ ایک جنگ میں حضرت عمارؓ کو دو آدمیوں نے مل کر شہید کر دیا اور سر کاٹ کر اپنے افسر کے پاس لے گئے۔ انعام کے لالچ میں ہر ایک یہی کہتا تھا کہ "عمارؓ کو میں نے قتل کیا۔" اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ موجود تھے، ان دونوں کو ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے دیکھا تو کہا "تم میں سے ایک کو دوسرے کی بات مان لینی چاہیے۔ کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا" حضرت عبداللہ کے والد عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے، انھوں نے بھی کہا "خدا کی قسم یہ دونوں جہنم حاصل کرنے کے لیے جھگڑ رہے ہیں۔"

حضرت عمار رضی اللہ عنہ اپنی تمام عمر اللہ کی رضا حاصل کرنے میں لگے رہے۔ حضورؐ کے زمانے میں کافروں سے جتنی لڑائیاں ہوئیں جانبازی سے لڑے حضورؐ کے بعد خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں بھی بڑی بڑی لڑائیوں میں شریک رہے۔ یمامہ کی جنگ کا ایک واقعہ مشہور ہے جس میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لیے سبق بھی ہے۔

یمامہ کی جنگ میں حضرت عمارؓ بڑی بہادری سے حملے پر حملے کر رہے تھے، اچانک اُن کا ایک کان شہید ہو گیا جسے وہ زمین پر پھڑکتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن اس سے بے پروا ہو کر جہاد میں مصروف تھے۔ اسی حالت میں ایک بار انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے۔ یہ دیکھتے ہی ایک اونچی چٹان پر کھڑے ہو کر للکارا "مسلمانو! جنت سے بھاگ رہے ہو! میں عمار بن یاسرؓ ہوں، آؤ میرا ساتھ دو"۔ حضرت عمارؓ کا اس طرح پکارنا تھا کہ مسلمان سنبھل گئے اور پھر حملہ کر کے لڑائی جیت لی۔ کچھ عرصے کے بعد جب وہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں کوفے کے گورنر تھے کوفے کے ایک رئیس نے اُن سے ایک بات منوانی چاہی لیکن انھوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ تو وہ خفا ہو گیا اور "کن کٹے" کہہ کر سختی سے بات کی۔ حضرت عمارؓ گورنر ہوتے ہوئے یہ کہہ کر چپ رہے کہ افسوس! تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر، اور پیارے کان کو گالی دی[1]"

---

[1] کیونکہ وہ کان ایک جہاد میں شہید ہوا تھا۔

اسلام کی راہ میں ثابت قدمی اور فدا کاری کے علاوہ حضرت عمارؓ نہایت سمجھ دار صحابہ میں سے تھے۔ اسلامی حکومت میں بڑے بڑے عہدوں پر رہے۔ کوفہ جیسے اہم علاقے کے گورنر مقرر ہوئے اور اپنے متعلقہ کاموں کو بڑی قابلیت سے انجام دیا۔ لیکن وہ ایسے تقرر سے خوش نہیں ہوتے تھے۔ سادگی تواضع اور خاکساری کو بہت پسند کرتے تھے۔ ایک بار حضرت علیؓ ان کو اپنے ساتھ لے کر ایک نہر کے معائنے کو گئے۔ معائنے میں کافی وقت لگ گیا۔ وہاں نیند معلوم ہوئی۔ تو ایک درخت کے نیچے زمین پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے۔

حضرت عمارؓ کو نماز سے عشق تھا، بڑی توجہ اور خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے تھے۔ اکثر ساری رات نماز، تلاوتِ قرآن اور وظیفوں میں گزار دیتے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا يَّحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ[1]۔ میں حضرت عمارؓ ہی کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت عمارؓ نے اکیانوے برس کی عمر پائی لیکن ظاہر میں بوڑھے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ آخر دم تک اللہ کی راہ میں دوسروں سے آگے بڑھ جانے

---

[1] کیا وہ شخص جو رات کو سجدہ کر کے اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے۔

کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اکثر اپنے خدا سے کہا کرتے :-

" اے خدا! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر، آگ سے جل کر یا پانی میں ڈوب کر جان دینے سے تیری خوشی اور رضا حاصل ہوگی۔ تو بھی میں تجھے خوش کرتا۔ میں تجھ کو راضی اور خوش کرنے کے لیے ہی لڑنے جاتا ہوں۔ امید ہے تو مجھے اس مقصد میں کامیاب کرے گا "

اللہ تعالےٰ نے سچ مچ انھیں کامیاب کیا۔ وہ حق کی راہ میں شہید ہوئے۔ اور اللہ اُن سے راضی ہوا۔ جس سے اللہ راضی ہوا وہی کامیاب ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اللہ کے اُن پیارے بندوں میں سے ہیں جو اللہ کے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس وقت ایمان لائے جب حضورؐ پر ایمان لانے والوں کو مکّہ کے بڑے بڑے لوگ بُری طرح ستانے پر تُلے تھے اور طرح طرح سے اسلام کی طرف بڑھنے والوں کو روکتے تھے۔ ایسے کٹھن وقت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کس طرح ایمان لائے اور مسلمان ہوئے۔ یہ بھی ہمارے لئے بہت ہی ایمان کو مضبوط کرنے والا واقعہ ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ لڑکپن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دوسرے لوگوں کی بھیڑ بکریاں چُگایا کرتے تھے اور اس سے جو آمدنی ہوتی! اس سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بکریاں چُگا رہے تھے۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ اُدھر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گذرے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کچھ پیاس لگی تو حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس گئے اور بولے "میاں! پیاس لگی ہے کچھ دودھ ہو تو دو، ہم پیاس بجھائیں"۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا کہ "میں جن بکریوں کو چُگاتا ہوں۔ ان میں ہیں تو بہت ساری دودھ دینے والی لیکن یہ سب دوسروں کی ہیں۔ مالکوں کی اجازت کے بغیر

ان کا دودھ دینا امانت میں خیانت ہے۔ میں ان کا دودھ نہیں دے سکتا۔"

یہ بات پیارے رسول ؐ کو بہت پسند آئی۔ آپؐ نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالےٰ نے اس لڑکے کو یہ بہت بڑی نعمت دی ہے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: "اچھا، تمھارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے نہ بچے دیئے ہوں اور نہ اس کے دودھ ہو؟" بولے "ہاں ہے" اور ایک بکری پکڑ کر لے آئے کہ یہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا اور اللہ سے دُعا کی تو تھن دودھ سے بھر گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے الگ لے جاکر دودھ دُہا تو اتنا دودھ نکلا کہ تینوں بزرگوں نے خوب چھک کر پیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے پھر دُعا کی اور تھن پھر خشک ہو گیا۔

یہ معجزہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ حضورؐ سے کہنے لگے کہ آپ جو تعلیم دیتے ہیں وہ مجھے بھی سکھائیے۔ میں آپ کو اللہ کا نبی مانتا ہوں۔ حضورؐ اُن سے بہت خوش ہوئے۔ فرمایا: "تم سیکھے سکھائے ہوئے بچے ہو" اس کے بعد اپنے پیارے ساتھیوں (صحابہ) میں شریک کر لیا۔ آپؐ انھیں قرآن سکھانے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بڑی محنت سے قرآن یاد کیا اور ستّر ایسی سورتیں یاد کر لیں کہ جن کو ابتک کوئی یاد نہ کر سکا تھا۔

نوجوان تو تھے ہی۔ مسلمان ہونے کے بعد بڑے جوشیلے مسلمان ثابت ہوئے۔ ایک دن صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپس میں یہ بات چیت ہو رہی تھی کہ مکّہ کے قریش نے ابھی تک بلند آواز سے پڑھتے ہوئے قرآن نہیں سنا۔ انھیں

قرآن سنانا چاہیئے۔ پھر یہ سوچنے لگے کہ کون سنائے ؟ معلوم تھا کہ جس نے سنایا اس کی درگت بنی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا، "یہ کام میں کروں گا۔" لوگ سمجھانے لگے کہ تم نہیں۔ تم اکیلے ہو۔ کوئی ایسا شخص اس کام کو انجام دے جس کا خاندان بڑا ہو تاکہ قریش قرآن سن کر مارنے دوڑیں تو گھر والے مدد کو آجائیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے پھر کہا، "مجھے اجازت دو۔ اللہ میری حفاظت کرنے والا ہے۔ میں یہ کام ضرور کروں گا۔"

دوسرے دن عبداللہ بن مسعودؓ جا پہنچے۔ پہنچتے ہی سورہ رحمان بلند آواز سے پڑھنے لگے۔ یہ سننا تھا کہ سارے کے سارے لوگ غصّے سے آگ بگولہ ہو گئے۔ جھپٹے اور اسلام کے جوشیلے نوجوان کو پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مارتے مارتے قریش نے گرا دیا لیکن انھوں نے بھی جتنا سنانا طے کیا تھا، جب تک سنا نہ لیا، خاموش نہ ہوئے۔

پٹ پٹا کر بڑی خستہ حالت میں صحابہؓ کے پاس واپس آئے تو لوگ ان کے چہرے اور جسم پر چوٹیں دیکھ کر رو پڑے اور کہنے لگے کہ اسی ڈر سے ہم نے منع کیا تھا۔ ساتھیوں کی اس بات کا جواب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جو کچھ دیا۔ وہ سنئے، بولے "خدا کی قسم، میں خدا کے دشمنوں کو بڑی عزت والا سمجھتا تھا۔ ان کا مجھ پر رعب تھا لیکن آج میں نے دیکھ لیا۔ ان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں۔ اگر تم اجازت دو تو میں کل پھر انھیں ذلیل کروں۔" لوگوں نے

کہا کہ بس بہت ہو گیا۔ وہ لوگ جو نہیں سننا چاہتے تھے، تم نے سنا دیا۔ فرض ادا ہو گیا مکہ بھر میں مشہور ہو گیا کہ ایک جوشیلا نوجوان مسلمان ہو گیا ہے۔ پھر کیا تھا۔ جہاں عبداللہ بن مسعودؓ کافروں کو دکھائی دیتے اکیلا پاکر پکڑتے اور جس طرح جی میں آتا ستاتے۔ اس کے بعد جب حضورؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی تو پہلے حبش جانے والوں کے ساتھ حبش چلے گئے۔ پھر جب حضورؐ نے مدینے کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حبش سے مدینے آ گئے۔ یہاں حضرت معاذ بن جبلؓ کے یہاں ٹھہرے۔ حضرت معاذؓ بھی نوجوان تھے۔ دونوں میں خوب میل ملاپ ہو گیا۔ پھر جب حضورؐ مدینے تشریف لائے تو ان دونوں کا بھائی چارہ کرا دیا اور رہنے کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مسجد نبوی کے پاس کچھ زمین دے دی۔

مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو مکہ کے قریش کو یہ کھٹکا پیدا ہو گیا کہ مسلمان مدینہ میں اپنی حمایت بڑھا لیں گے پھر اُن کو دبانا مشکل اور غیر ممکن ہو جائے گا۔ اس اندیشے کی وجہ سے انھوں نے مدینہ پر چڑھائیاں شروع کر دیں۔ کئی مشہور لڑائیاں ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تمام لڑائیوں میں بڑے جوش سے لڑے اور جان و مال سے اسلام پر نچھاور ہونے کو تیار رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صرف بہادر اور پرجوش مسلمان ہی نہ تھے بلکہ وہ بہت سمجھدار انسان بھی تھے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

رہ کر قرآن کا علم اپنے سینے میں جمع کر لیا تھا۔ علم و فضل میں وہ مانے ہوئے صحابی ہیں۔ خلافت راشدہ میں مدتوں قاضی کے عہدے پر رہے۔ ہمیشہ خدا کا ڈر رکھتے ہوئے فیصلے کرتے اور کسی بڑے سے بڑے حاکم کے معاملے میں بھی رو رعایت نہ کرتے۔ حضرت عثمان رض (خلیفہ سوم) کے عہد میں انتقال فرمایا۔ اسوقت عمر شریف ۶۰ سال کی تھی۔ آخری وقت حضرت عثمان رض سے جو گفتگو ہوئی۔ وہ بھی ہمارے لیے نہایت مفید ہو سکتی ہے ایسے ہم یہاں لفظا بہ لفظ نقل کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رض: "آپ کو کس مرض کی شکایت ہے"؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رض: "اپنے گناہوں کی"۔
حضرت عثمان رض: "آپ کیا چاہتے ہیں؟" حضرت عبداللہ رض: "اللہ کی رحمت"۔
حضرت عثمان رض: "آپ کیلئے طبیب بلاؤں"؟ حضرت عبداللہ رض: "مجھے طبیب ہی نے تو بیمار ڈالا ہے"۔
حضرت عثمان رض: "آپکا وظیفہ جاری کر دوں"؟ حضرت عبداللہ رض: "مجھے اس کی ضرورت نہیں"۔
حضرت عثمان رض: "آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا"۔
حضرت عبداللہ رض: "آپ کو میری لڑکیوں کی طرف سے یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ دوسروں کی محتاج ہو جائیں گی۔ میں نے ان کو بتایا ہے کہ ہر شب میں سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی بھوکا اور محتاج نہیں رہے گا۔

یہ تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رض، اللہ تعالےٰ ہمیں ان کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

صحابیاتؓ

صحابیات رضؓ

اگلے صفحات میں اُن جانباز صحابیات کا تذکرہ ہے جنھوں نے تحریکِ اسلامی کی کامیابی کے لئے نہ اپنی جان کی پروا کی اور نہ مال کی۔ انھوں نے اپنے بچوں کو تحریکِ اسلامی کے لئے پالا اور جب وہ جوان ہوئے تو خوشی خوشی اسلامی میدان میں ڈھکیل دیا۔

رضی اللہ عنہم

حضرت فاطمہ بنتِ خطّاب
(رضی اللہ عنہا)

"ایک چٹان جس نے اپنے سے بڑی چٹان کو توڑا"

حضرت فاطمہ بنت خطّاب رضی اللہ عنہا ایک بڑے آدمی کی بیٹی، ایک بڑے آدمی کی بہن اور ایک بڑے آدمی کی بیوی تھیں۔ ان کے تعارف کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کی بہن تھیں اور اُن دس بزرگوں میں سے ایک بزرگ حضرت سعید بن زیدؓ کی شریکِ حیات تھیں جن کے جنّتی ہونے کا اعلان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت ایک نشست میں فرمایا اور جنہیں ہم عشرہ مبشرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ اپنے شوہر کے ساتھ ہی مسلمان ہوئیں۔ یہ اور اُن کے شوہر سعید بن زیدؓ اُن دس خوش قسمت مسلمانوں میں سے ہیں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور پھر انھوں نے اپنی ثابت قدمی سے ایک ایسے شخص کو اسلام کے قدموں میں لا گرایا، جو

اپنی اسلام دشمنی اور سنگدلی میں ابوجہل کا مدِ مقابل تھا۔ یہ ایک مختصر سا واقعہ ہے لیکن جب ہم نے اس واقعہ کو پڑھا تو بفضلہ ہمارے اندر ایمان کروٹیں لیتا محسوس ہوا۔ اُمید ہے کہ اس واقعہ کی تکرار ایمان والوں کے دلوں میں گرمی پیدا کرے گی۔ اسی غرض کے لیے ہم اس مختصر سے واقعہ کو اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

واقعہ یوں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی گلیوں میں نعرۂ توحید بلند کیا، اپنی نبوّت کا اعلان کیا اور فرمایا کہ لوگو! اُس کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے تم کو انسان بنایا اور جو تم سب کو روزی دینے والا اور تمہاری ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے، نیز یہ کہ ان بتوں کی بندگی چھوڑ دو جنہیں تم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو، جو یہ بھی نہیں کر سکتے کہ اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی کو اُڑا سکیں، پھر تم ان کے آگے ہاتھ کیوں پھیلاتے ہو۔

یہ حق بات مکّے کے لوگوں نے سُنی تو حق پسند حضرات نے بڑھ کر لبیک کہی اور وہ ایک ایک کر کے مسلمان ہونے لگے لیکن اسی حق آواز نے باطل پسندوں کو بوکھلا دیا۔ انہوں نے حق کو دبانے

کی ٹھانی۔ مسلمان ہونے والوں کو سمجھا بجھا کر، ڈرا دھمکا کر، اُن کا مذاق اُڑا کر اور اُن پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ کر اسلام سے پھر جانے پر مجبور کرنا شروع کر دیا مگر یہ وہ نشہ نہ تھا جسے تُرشی اتار دیتی۔ لوگ حق کی طرف بڑھتے رہے اور باطل پرست پیچ و تاب کھاتے رہے یہاں تک کہ اڑتیس سعید ہستیاں مسلمان ہو گئیں۔ انتالیسویں مکہ کے مشہور پہلوان حضرت امیر حمزہؓ تھے جن کے مسلمان ہو جانے سے مکے کے مشرکین میں کھلبلی مچ گئی۔ اب وہ سر جوڑ کر بیٹھے اور سوچنے لگے کہ کس طرح اسلام کو دبایا جا سکتا ہے؟ کسی نے کہا کہ اسلام کے داعیِ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کو کیوں نہیں ختم کر دیتے!" اور پھر اسی پر سب متفق ہو گئے۔ اس کے بعد اب وہ جیالا جوانمرد تلاش کیا جانے لگا جو انتہائی بہادر اور پُرجوش جوان ہو، ساتھ ہی اسلام سے شدید بغض و کینہ رکھتا ہو۔ اس انتخاب میں دیر ہو گئی۔ آخر ایک جوشیلا جوان تڑپ کر اُٹھا اور بولا "میں اس کام کو انجام دوں گا۔" مشرکینِ مکہ نے اس جوان کو دیکھا اور دیکھتے ہی پکار اُٹھے "عمر بن خطاب ــــ زندہ باد۔"

عمرؓ بن خطاب قریش کے مشہور شخص تھے۔ اُن کی بہادری ضرب المثل تھی۔ قریشِ مکہ کو اُن پر پورا اطمینان تھا کہ یہ جوانمرد اپنا

ارادہ پورا کیے بغیر نہ لوٹے گا۔ چنانچہ عمرؓ بن خطاب اسلام کی شمع بجھانے چلے۔ وہ پورے جوش و خروش کے ساتھ تیور بدلے، ننگی تلوار کندھے پر رکھے، مضبوط ارادہ دل میں کیے ہوتے اور سنگدلی کا مجسم نمونہ بنے ہوتے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک نومسلم دوست سے ملاقات ہو گئی۔ اُن کا مسلمان ہونا اُنہیں معلوم نہ تھا۔ دوست نے بھانپ لیا کہ آج کیوں برہم مزاج دوست ہے۔ بولے "کہتے جناب! آج ارادے کہاں کے ہیں؟" عمرؓ بن خطاب نے جواب دیا کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتمہ کرنے جا رہا ہوں۔ آج میں روز روز کا یہ جھگڑا ہی مٹا دوں گا۔" دوست نے کہا "عمرؓ پہلے گھر کی خبر لو پھر کہیں جانا!" پوچھا "کیا مطلب ہے؟" بتایا کہ "تمہارے بہن بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں۔"

یہ سننا تھا کہ عمرؓ کے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ بڑبڑائے، "اچھا یہ روگ خود ہمارے گھر میں آن گھسا۔" غصہ ور آدمی تو تھے ہی، وہیں سے بہن اور بہنوئی کے گھر کا رُخ کیا کہ پہلے اُن کو مسلمان ہونے کا مزہ چکھا دیں پھر آگے بڑھیں۔

بہن کے گھر کے پاس پہنچے۔ سن گن لی۔ کچھ پڑھے جانے کی آواز معلوم ہوئی۔ دروازے پر کان لگا کر سننے لگے۔ "اچھا! قرآن پڑھا

جار ہا ہے!" عمرؓ نے ہونٹ چبا کر کہا، پھر آواز دی. بہن اور بہنوئی آواز سُن کر چونکے۔ انہوں نے جھٹ آیاتِ قرآنی چھپا لیں۔ اتنے میں عمرؓ اندر آگئے۔ پوچھا "تم لوگ ابھی کیا پڑھ رہے تھے؟" صاف جواب نہ پاکر بہنوئی سے لپٹ گئے اور اُن کی جان لینے پر تُل گئے۔ عمر بُری طرح بہنوئی حضرت سعیدؓ بن زید کو مار رہے تھے۔ یہ منظر حضرت فاطمہؓ سے نہ دیکھا گیا۔ وہ شوہر کو بچانے پہنچ گئیں۔ اُن کا اس طرح بیچ میں آجانا عمر جیسے آدمی کی آتش مزاجی کو بھڑکانے کے لیے بہت تھا انہوں نے بہنوئی کو تو چھوڑ دیا اور بہن پر پل پڑے۔ مارتے مارتے لہولہان کر دیا۔ لیکن سُبحان اللہ! یقیناً اس وقت فرشتے حضرت فاطمہؓ کے صبر و استقلال کو مبارک باد دے رہے ہوں گے۔ اُن میں ذرا بھی کمزوری پیدا نہ ہوئی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ موت سر سے ٹلتی نظر نہیں آتی اور عمر آج جان ہی لے کر دم لیں گے تو وہ بھی اپنا ایمان بچانے کے لیے چٹان کی طرح جم گئیں۔ زخم پر زخم کھاتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں کہ "عمر جو چاہو کرو، اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔"

بہن کے یہ کلمات بار بار کانوں سے ٹکراتے اور زمین کو بہن کے خون سے رنگین دیکھا تو دنگ رہ گئے۔ ہاتھ رُکا۔ بہن پر اچٹتی نظر ڈالی

اُن کے سامنے جسم سے خون جاری تھا۔ آخر بھائی ہی تھے۔ دیکھا نہ گیا، نظریں نیچی کر لیں۔ آخر بہن کا خون رنگ لایا۔ کچھ شرم سی محسوس ہوئی کہ بہن کو مارنے سے کیا حاصل؟ دل کچھ اور پسیجا۔ پوچھ بیٹھے "اچھا بتاؤ، تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟" بہن نے کہا "ہم جو کچھ پڑھ رہے تھے، اسے اس وقت تک تمہارے ہاتھ میں نہیں دے سکتے جب تک تم پاک نہ ہو لو۔"

"آخر ہے تو میری ہی بہن۔ ضد پر آ گئی ہے۔" عمرؓ کے دل میں ایک خیال آیا۔ پتھر دل پگھلتا محسوس ہوا۔ "اچھا لو، نہائے لیتا ہوں۔" عمرؓ نے غسل کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے نئی نئی نازل شدہ آیات، جن کو حضرت سعیدؓ نے لکھ لیا تھا اور آج بیوی کو یاد کرا رہے تھے۔ عمرؓ کے ہاتھ میں دے دیں۔ بڑی چٹان چھوٹی چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ چکی تھی۔ عمرؓ نے آیاتِ قرآنی کو پڑھا، غور کیا تو خدائی رُعب و جلال سے کانپنے لگے۔ پڑھتے جا رہے تھے اور کانپتے جا رہے تھے۔ بالآخر اُن کی زبان سے بے ساختہ نکلا "کیا عمدہ کلام ہے" اور پھر پکار اُٹھے کہ:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں

کہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسُول ہیں۔)

وہ منظر بھی دیکھنے کے لائق ہوگا کہ ایک طرف کفارِ مکّہ منتظر تھے کہ کب عمر داعیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر لے کر آتے ہیں۔ دوسری طرف ابی ارقم کے گھر صحابہ کرامؓ حضورؐ سے کہہ رہے تھے کہ عمرؓ آرہے ہیں، اب کیا ہوگا؟ اور تیسری طرف عمرؓ اپنی بہن اور اپنے بہنوئی کے جسم سے خُون پونچھ رہے تھے اور اپنے گرم آنسوؤں سے اُن کے زخموں کو دھو رہے تھے اور زبان سے کہتے جاتے تھے "سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے اور جو بڑا رحمان اور رحیم ہے۔"

حضرت سمیّہ بنت خبّاط
(رضی اللہ عنہا)

بچپن کا زمانہ کھیل کود اور بے فکری کا زمانہ ہوتا ہے۔ بچّوں کا دین دھرم اور رہن سہن وہی ہوتا ہے جو اُن کے ماں باپ کا ہوتا

ہے۔ جوانی کا زمانہ جوش و جذبات کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس وقت ایک جوان جس طرف بڑھتا ہے آندھی کی طرح بڑھتا ہے۔ وہ اپنے جوش و جذبات میں انجام کی پرواہ نہیں کرتا۔ چاہے اس کا یہ جوش دُنیاوی اغراض کی خاطر ہو یا مذہبی بنیادوں پر۔ بڑھاپے میں انسان کے اندر سمندر کی سی گہرائی ہوتی ہے۔ تہذیب و اخلاق کے نظریے، رہن سہن کے اُصول، مذہبی عقائد اور جو کچھ وہ اختیار کیے ہوتا ہے، سب کا سب ..... اس عمر میں راسخ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے تجربات کی روشنی میں اپنے بچوں کو اسی لائن پر ڈالنا چاہتا ہے۔ جسے وہ اُن کے لیے مفید سمجھتا ہے۔ بڑھاپے میں ایک انسان یوں سوچنے لگتا ہے کہ اپنی تو کسی نہ کسی طرح کٹ گئی۔ اب تو وہ کچھ کرنا چاہیے، جس سے بچوں کی زندگی بنے۔ اسی دُور اندیشی کے تحت بڑی سے بڑی مصلحتیں اس کے سامنے آتی ہیں۔ زندگی کے تمام شعبوں میں احتیاط پیدا ہو جاتی ہے اور خاص کر بچوں کی زندگی بنانے کے لیے رقم پس انداز کرنے کی دُھن ہو جاتی ہے۔ اس عمر میں اُس کے رُخ کا مڑنا یا موڑنا قریب قریب ناممکن ہوتا ہے۔

لیکن

ہماری نظر میں ایک ایسی ہستی ہے جس نے بڑھاپے میں اپنے رُخ کو بدلا۔ اپنی زندگی کے تمام شعبوں کو ایک خاص سمت موڑا اور اس وقت کے ساتھ موڑا کہ بڑی سے بڑی طاقتیں اس کے رُخ کے موڑ کو روک نہ سکیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جس ہستی کے متعلق ہم نے یہ بات کہی ہے وہ ایک ضعیف خاتون تھیں۔ خاتون بھی ایسی کہ نہ مالدار، نہ عالی خاندان بلکہ اُن کا تعلق ایک غلام خاندان سے تھا اور وہ خود لونڈی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ضعیف العمر لونڈی کو اپنا مذہب، اپنی تہذیب، اپنا رہن سہن اور اپنا سب کچھ بدلنے میں جو جو رکاوٹیں پیش آئی ہوں گی وہ کس قدر دُشوار گزار گھاٹیاں ثابت ہوئی ہوں گی۔ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے مڑتے ہوئے رُخ کو روکنے کے لیے اُن کے ماحول کی بڑی سے بڑی طاقتیں ان سے ٹکرائیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ ایک مضبوط چٹان کی طرح ایسی جمی رہیں کہ مخالف طاقتیں ہلا نہ سکیں، یہ دیکھنے میں ضعیف اور لونڈی لیکن درحقیقت نہایت مضبوط خاتون رہی ہیں جن کے نام نامی کو ہم نے اپنے اس مضمون کا عنوان بنایا

ہے۔ ہمارے لیے اپنے ایمان کو راسخ اور اسلام کو مضبوط کرنے کے لیے اس مبارک ہستی کا تذکرہ ایک بہترین تذکرہ ہے اور اسی غرض کے لیے ہم نے حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا کے واقعات دُہرانے کی کوشش کی ہے۔

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسلام کی آواز مکّے کی گلیوں میں بلند کی اور لوگوں کو صرف ایک خدا کی بندگی کی دعوت دی تو جن نیک ہستیوں نے سب سے پہلے بڑھ کر اللہ کے نبیؐ کا ساتھ دیا۔ اُن میں ایک حضرت سمیّہؓ بھی ہیں۔ ان سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ (سب سے پہلے ایمان لانے والوں) میں حضرت سمیّہؓ کو ایک شرف یہ بھی حاصل ہے کہ ان کا پورا خاندان اللہ کے نام پر ایک ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے قدموں پر آگرا۔ وہ خود مسلمان ہوئیں۔ اُن کے شوہر "یاسر بن عامرؓ" مسلمان ہوئے اُن کے سعادت مند فرزند عمار بن یاسر بھی۔

حضرت سمیّہؓ مسلمان ہوتے وقت ضعیف العمر تھیں۔ بڑھاپے میں ہر انسان مصلحت اندیش ہو جاتا ہے۔ اوّل تو وہ دشوار گزار راہوں کی طرف رُخ نہیں کرتا لیکن اگر تن بہ تقدیر کوئی مشکل راستہ آن ہی پڑتا ہے تو راستے کے نشیب و فراز کو وہ دُور سے دیکھ کر راستہ کاٹ دیتا

ہے۔

جس وقت حضرت سمیہؓ مسلمان ہوئیں، وہ، وہ زمانہ تھا کہ مکہ میں اسلام کا نام لینے والے کی زبان کاٹ لی جاتی تھی۔ اسلام قبول کرنے کے "مجرم" میں مکے کا صاحبِ اقتدار طبقہ مسلمان ہونے والوں کو وہ سخت سزائیں دیتا تھا کہ اُن کے خیال ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن حضرت سمیہؓ نے یہ سب جانتے اور دیکھتے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی گواہی دی۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ شوہر پر کیا بیتے گی، بچے پر کیا مصیبت آئے گی اور خود ان کا کیسی کیسی جان لیوا آزمائشوں سے سابقہ پڑے گا۔ انہوں نے ہر جانی اور مالی مصلحت ٹھکرا دی اور اس ذرا سی چٹان نے مکے کے پہاڑوں سے ٹکرانے کی ٹھان لی۔

حضرت سمیہؓ مکے کے اس رئیس ابنِ رئیس کی لونڈی تھیں جو مال و دولت اور اولاد کی کثرت کے اعتبار سے بڑا مشہور تھا۔ ولید بن مغیرہ مکے کا ایک صاحبِ اقتدار شخص تھا، جسے اللہ نے مال اور اولاد کی کثرت سے نوازا تھا۔ ولید کا بڑا بھائی ابو اُمیّہ (ابو حذیفہ بن مغیرہ) تھا جو ایک نامور اور با اثر آدمی تھا۔ یہ سب قریش کے نامور قبیلے بنی مخزوم سے تھے۔ اس قبیلے کے تعارف میں صرف اتنا کہہ دینا

کافی ہے کہ خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) اسی قبیلے سے تھے
ابوجہل کو اسلام سے کتنا بغض تھا، اور وہ مسلمانوں کے ستانے
میں کتنا پُرجوش تھا؟ یہ اُس کی کُنیّت (ابوجہل) سے ظاہر
ہوتا ہے۔

اسی خاندان کی لونڈی حضرت سمیّہؓ نے اسلام قبول کرلیا۔ تو
آلِ مغیرہ نے مکّے میں اعلان کر دیا کہ آلِ یاسرؓ کے ساتھ ہر شخص
بد سے بدتر سلوک کرنے میں آزاد ہے۔ اس اعلان نے مشرکینِ مکّہ
کو آلِ یاسرؓ پر شیر کر دیا۔ وہ حضرت سمیّہؓ کو لوہے کی زرہ پہنا کر
مکّے کی تپتی ریت پر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے۔ اُن کے بیٹے
حضرت عمارؓ کو پانی میں مسلسل غوطے دیتے۔ دیر تک پانی میں رکھنے
کے بعد نکالتے تو کہتے کہ "محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو بُرا کہو!" وہ
حضورؐ کی تعریف کرتے تو پھر اُن کا سر پانی میں کر دیا جاتا۔ حضرت
سمیّہؓ کے شوہر یاسرؓ کو بھی اسی طرح ستایا جا رہا تھا۔ اُن پر بھاری
پتھر رکھ دیا جاتا۔ شریر بچوں کو اُن کے پیچھے چھوڑ دیا جاتا۔ یہ شریر
انھیں اس طرح ستاتے جیسے ایک دیوانے کو ستایا
جاتا ہے۔

آلِ یاسرؓ پر یہ مظالم حضرت سمیّہؓ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتیں

اور خود بھی سہتیں لیکن کیا کبھی اُن کے اسلام میں کمزوری آئی؟ ابوجہل جیسا سنگدل شخص بھی اُن کے ایمان کو متزلزل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا، نہیں، کبھی نہیں۔ حضرت سمیہؓ نے نہایت جرآت اور صبر و استقلال سے سارے مصائب کا مقابلہ کیا۔ ابوجہل اپنی ناکامی پر ایسا جھنجھلایا کہ ایک دن جب دن بھر عرب کے ریگستان کی تپتی ریت میں تپا کر حضرت سمیہؓ کو گھر لایا گیا تو ابوجہل نے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اس طرح اس کے دل کی بھڑاس نہ نکلی تو اس زور سے برچھی پھینک کر ماری کہ حضرت سمیہؓ اس کے صدمے کی تاب نہ لا سکیں۔ چوٹ کھا کر گریں اور اپنے اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ نے ماں کی اس بے بسی اور بے کسی کی موت کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ آپؐ نے صبر کی تلقین فرمائی اور دعا کی کہ اے اللہ! آلِ یاسرؓ کو جہنم سے بچا۔

حضرت سمیہؓ وہ پہلی شہید خاتون ہیں جنہوں نے اسلام پر اپنی جان قربان کر دی۔ بدر کی لڑائی میں جب ابوجہل مارا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے فرمایا "اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا۔"

اُمِّ سُلیم بنتِ مِلحان

(رضی اللہ عنہا)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "میں جنت میں گیا تو مجھے آہٹ معلوم ہوئی، میں نے پوچھا کون ہے؟ بتایا گیا کہ رمیصاؑ بنتِ ملحانؓ۔ (حدیث)

حدیث کے لفظوں کو پھر پڑھیے، دیکھئے، کیسے پیارے اور لطیف انداز میں ایک خوش قسمت خاتون کو جنتی ہونے کی بشارت سنائی جارہی ہے۔ یہ خاتون جن کا نام حدیث میں "رمیصاؑ" آیا ہے دراصل وہی مشہور صحابیہ ہیں جن کو تاریخ "اُمِّ سلیم" کے نام سے پکارتی ہے یہ مدینے کے انصار خاندان "بنی نجار" سے تھیں۔ کیا خیال ہے؟ کیا انصار خاندان کی اس قابلِ رشک خاتون کو یہ بشارت یوں ہی مل گئی؟ جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ جنت طرح طرح کی سختیوں سے ڈھانک دی گئی ہے[1]۔

---

[1] حُجبت النار بالشہوات وحُجبت الجنۃ بالمکارہ (حدیث)

یعنی دوزخ بڑی بڑی خواہشات سے ڈھانک دی گئی ہے اور جنت بڑی بڑی سختیوں سے ڈھانک دی گئی ہے۔

نہیں، حضرت امِ سلیمؓ نے جنت حاصل کرنے کے لیے سختیوں کا بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ وہ جنت کی راہ کی ساری رکاوٹوں کو دُور کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان پر یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ وہ ایک بہترین مُسلمہ، ایک بہترین ماں، ایک بہترین بیوی، اسلام کی ایک بہترین فداکار، محبتِ رسُولؐ میں سرشار، نہایت ذہین، صابرہ شاکرہ اور بہت سی خوبیوں والی خاتون تھیں۔ اُن کے فضائل کا ذکر احادیث کی کتابوں میں بھی ہے اور تاریخ نے بھی اُن کے کارناموں کی ایک طویل فہرست چھوڑی ہے۔ یہاں ہم بطور تذکرہ کچھ واقعات وہ بھی مختصراً بیان کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ جو پڑھے گا اُس کے ایمان میں استحکام اور اُس کے اسلام میں استقلال پیدا ہوگا۔

خاندان

اختصار کے پیشِ نظر تو یہی کافی تھا کہ ہم یہ بتاکر آگے بڑھ جاتے کہ امّ سلیمؓ (رمیصاءؓ) انصار کے قبیلہ نجار سے تھیں لیکن انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی خاندانی نسبت ہے جس کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس لیے ہم اس رشتہ کا تھوڑا سا حال بیان کیے دیتے ہیں۔

واقعہ یوں ہے کہ آلِ ہاشم کے جدِّ امجد جناب ہاشم ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے۔ راستے میں مدینہ پڑتا تھا۔ ہاشم مدینہ میں ٹھہر گئے۔ وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا۔ بازار میں گئے تو ایک عورت کو دیکھا۔ شکل و صورت اور چال ڈھال سے شریف اور سمجھدار معلوم ہوتی۔ حسین و جمیل بھی تھی۔ ہاشم نے لوگوں سے اس کا حال پوچھا۔ معلوم ہوا بنی نجار سے ہے اور سلمیٰ نام ہے۔ انہوں نے اسے شادی کا پیغام دیا۔ سلمیٰ نے منظور کر لیا۔ شادی ہو گئی۔ ہاشم کچھ دن مدینے میں ٹھہر کر شام چلے گئے۔ اور وہیں اُن کا انتقال ہو گیا۔ یہاں مدینے میں سلمیٰ سے اُن کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اُس کا نام "شیبہ" رکھا گیا۔ جب شیبہ آٹھ برس کا ہوا تو اس کا حال ہاشم کے بھائی "مطلب" کو معلوم ہوا۔ وہ مدینے گئے۔ بھتیجے کی تلاش کی۔ لوگوں سے پوچھا۔ سلمیٰ نے اُن کے آنے کا حال سُنا تو بلا بھیجا۔ مطلب کو تین دن مہمان رکھا۔ چوتھے دن شوہر کی امانت اُن کے بھائی کو سونپی۔ مطلب شیبہ کو لے کر مکّہ واپس آتے۔ یہاں آکر شیبہ کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔ اور یہی نام مشہور ہو گیا۔ یہی عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ انہی عبدالمطلب کی ماں سلمیٰ نے مدینے کے ایک بڑے آدمی زید سے شادی کر لی۔ یہ زید

امِ سلیم کے پَر دادا تھے۔ اس دلچسپ رشتہ سے امِ سلیم رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ مشہور ہو گئیں۔

امِ سلیم کا مسلمان ہونا

انصار میں سے جن بزرگوں نے مسلمان ہونے میں سبقت کی اُن میں حضرت امِ سلیم رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ ان کے مسلمان ہونے پر اُن کے شوہر مالک بن نضر کو بڑا دُکھ ہوا۔ وہ مشرک ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بچہ بھی دیا تھا۔ امِ سلیمؓ بچے کو ہر روز کلمہ پڑھنا سکھاتیں تو مالک بن نضر بھی سُنتے۔ وہ خفا ہو کر کہتے کہ تم میرے بچے کو بھی "بے دین" کیے دیتی ہو، اور وہ خفا ہو کر شام چلے گئے۔ شام میں اُن کا ایک دشمن تھا، اُس نے موقعہ پاکر اُن کو قتل کر دیا۔

حضرت امِ سلیمؓ شکل و صورت اور ذہن و عقل کے اعتبار سے مدینے بھر میں مشہور تھیں۔ اُن کے بیوہ ہوتے ہی شادی کے پیغام آنے لگے۔ لیکن انہوں نے فی الحال یہ کہہ کر شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ کہ جب تک میرا بچہ مجلسوں میں اُٹھنے بیٹھنے اور بات کرنے کے لائق نہ ہو جائے گا، اس وقت تک شادی نہ

کر دوں گی۔ پھر جب انس (بچے کا نام) راضی ہو گا تو نکاح کر دوں گی۔"
اُن کو اندیشہ تھا کہ سوتیلے باپ سے بچے کو تکلیف پہنچے گی۔

حضرت اُمّ سلیم کو بڑی فکر تھی کہ اُن کے بچے کی تربیت اچھی سے اچھی ہو۔ وہ اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن کر اُٹھے۔ اسی لیے وہ اُسے ہر وقت نیکیوں پر ابھارتی اور اسلام کا عقیدہ سکھاتی رہتی تھیں۔ اُن کی خواہش تھی کہ بچہ بڑا ہو کر اسلام کے تقاضوں کو کھلے دل سے پورا کرے۔

اللہ کا فضل دیکھیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ اور دُور اندیش اُمّ سلیم نے موقعہ پاکر انس کو حضورؐ کی خدمت میں رہنے کی درخواست پیش کر دی۔ حضورؐ نے بڑی خوشی سے انس کو اپنے پاس رکھ لیا اور اب جو بچہ انصار خاندان کی ایک خاتون کے پاس پل رہا تھا وہی بچہ اللہ کے آخری رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں تربیت پانے لگا۔ انس کی عمر اس وقت آٹھ برس کی تھی۔ یہی انس وہ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ ہیں جو بہت سی حدیثوں کے مشہور راوی ہیں۔ اور جن کو حضورؐ نے دونوں جہان میں کامیابی کی بار بار دُعائیں دیں۔ حضرت انسؓ بڑے ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ میری ماں کو جزائے خیر دے، انہوں نے مجھے

خوب ہی پالا۔"

حضرت انسؓ ماں کے اس احسان کو کبھی نہ بھولے کہ انہوں نے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دے دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسولؐ کی غلامی سے بڑھ کر اور کیا شرف ہو سکتا ہے۔

اُمِّ سلیمؓ اب بھی بچے کی دیکھ بھال میں کمی نہ کرتیں۔ ایک بار حضورؐ نے حضرت انسؓ کو کسی کام سے کہیں بھیجا اور کہا کسی کو نہ بتانا اس کام میں حضرت انسؓ کو دیر ہو گئی۔ لوٹے تو اُمِّ سلیم نے وجہ پوچھی۔ جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کام تھا اور وہ ایک راز ہے جو میں ہرگز نہ بتاؤں گا۔" اُمِّ سلیم نے بیٹے سے یہ سنا تو شاباش دی اور کہا ہرگز نہ بتانا، کسی سے نہ کہنا، یہ نبیؐ کا راز ہے۔"

تبلیغ اسلام اور دوسری شادی

حضرت اُمِّ سلیمؓ ایک پُرجوش مسلمان خاتون تھیں اور نہایت سمجھدار بھی۔ اس لیے وہ جہاں موقعہ پاتیں اسلام کی تبلیغ بڑے سلیقے طریقے سے کرتیں۔ نمونے کے طور پر ہم یہاں صرف ایک دلچسپ واقعہ لکھتے ہیں:

تبلیغ کے جوش میں وہ اپنے قبیلے کے مردوں، عورتوں اور بچوں میں زیادہ کام کرتی تھیں۔ جب حضرت انس رضی اللہ عنہٗ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں رہنے لگے تو اب حضرت امّ سلیمؓ کی دعوتی سرگرمیوں میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اب حضرت انسؓ کی تربیت کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا اس لیے اُن کے قبیلہ کے ایک شخص ابو طلحہ نے، جو ابھی مشرک تھے، شادی کا پیغام دیا۔ امّ سلیمؓ نے بڑے حکیمانہ انداز میں ابو طلحہ کے پیغام کو رد کر دیا۔ فرمایا "ابو طلحہ! میں تو محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لائی ہوں اور گواہی دیتی ہوں کہ وہ اللہ کے رسُول ہیں۔ تعجب ہے تم جیسا سمجھدار آدمی مسلمان نہیں ہُوا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم لکڑی اور پتھر کو پوجتے ہو۔ اُن کے بُت بناتے ہو۔ یہ بے جان بُت تم کو کیا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تم کو سوچنا چاہیے اور تمہیں یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ میں مسلمان ایک مُشرک سے کس طرح شادی کر سکتی ہوں۔"

ابو طلحہ خوش قسمت آدمی تھے۔ امّ سلیمؓ کی تلقین نے اُن پر اثر کیا۔ انھوں نے اُن کی باتوں پر غور کیا۔ بات سچّی تھی، سمجھ میں بھی آ گئی۔ تیسرے چوتھے دن آ کر حضرت امّ سلیمؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ اُن کے مسلمان ہونے سے امّ سلیمؓ کو بڑی خوشی ہوئی۔ ابو طلحہؓ

نہایت غریب آدمی تھے۔ امّ سلیمؓ نے اُن کی غریبی کی پرواہ نہ کی اور اب اُن سے نکاح کرنے کو راضی ہو گئیں۔ ابو طلحہؓ کے پاس مہر کے لیے رقم بھی نہ تھی۔ امّ سلیمؓ نے جواب دیا۔ کچھ ہرج نہیں۔ میں تم سے نکاح کرتی ہوں اور تم سے اسلام کے سوا کوئی مہر نہیں لینی۔ ابو طلحہؓ سے اُن کا یہ نکاح حضرت انسؓ کے اہتمام سے ہوا تھا۔

مامتا اور صبر

حضرت انسؓ کے سلسلے میں یہ بات واضح ہو گئی کہ اُمّ سلیمؓ کو اُن سے بہت محبّت تھی۔ ابو طلحہؓ سے بھی اُن کے ایک بیٹا ہوا۔ اس بچّے کا نام ابو عمیر تھا۔ ابو عمیر بھی بڑا پیارا بچّہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اس بچّے کو پیار کرتے اور اس سے کھیلا کرتے تھے۔ اور اسے ہنسایا کرتے تھے۔ اس بچّے کا انتقال ہوا تو لوگوں نے امّ سلیمؓ کے صبر اور تلقین کا عجیب و غریب نمونہ دیکھا۔

جب ابو عمیر کا انتقال ہوا تو اُس وقت ابو طلحہؓ گھر میں نہ تھے امّ سلیمؓ نے بچّے کی میّت کو بڑے صبر اور اطمینان سے نہلایا اور کفنا کر ایک طرف رکھ دیا، اور لوگوں کو منع کر دیا کہ ابو طلحہؓ آئیں تو اُنھیں بتایا نہ جائے۔ ابو طلحہؓ شام کو گھر آئے۔ بچّے کا حال پوچھا

بولیں "جس حال میں تم نے دیکھا تھا، اس سے بدرجہا بہتر ہے" پوچھا کہاں ہے؟ جواب دیا "نہایت آرام کی نیند سو رہا ہے۔" اس کے بعد امّ سلیمؓ نے شوہر کو بڑے اطمینان سے کھانا کھلایا، بٹھایا، باتیں کرنے لگیں۔ باتیں کرتے کرتے ابو طلحہؓ سے ایک سوال کر بیٹھیں پوچھا ابو طلحہؓ! اگر کسی کو کوئی چیز بطور امانت دی جائے اور وہ اس سے پھر لے لی جائے تو اُس شخص کو ناگوار تو نہ ہونا چاہیے؟ ابو طلحہؓ نے جواب دیا "جس کی امانت ہو اُسے خوشی خوشی واپس کر دینا چاہیے۔" اب امّ سلیمؓ بولیں "اچھا تو تمہارا لڑکا بھی اللہ کی امانت تھا جسے اللہ نے واپس لے لیا۔"

تلقینِ صبر کا یہ انداز دیکھا تو ابو طلحہؓ بے ساختہ بول اُٹھے "اُمّ سلیمؓ خدا کی قسم، تم صبر میں بازی لے گئیں اور وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور امّ سلیمؓ کے صبر اور تلقینِ صبر کا واقعہ بیان کیا۔ حضورؐ نے سُن کر دُعا دی کہ اللہ ابو عمیر کا بدل عطا فرمائے۔ اس دُعا کی بدولت اُن کے یہاں عبداللہ نامی ایک بچے کی ولادت ہوئی۔ حضورؐ نے انسؓ کی طرح عبداللہ کی بھی تربیت فرمائی اور جیسی دُعائیں انسؓ کو دی تھیں، عبداللہ کو بھی

دیں۔ ان دُعاؤں کا اثر ایک طرف انسؓ کے حق میں یہ تھا کہ وہ دین و دُنیا کی تمام نعمتوں سے مالا مال ہوئے، تو دوسری طرف عبداللہؓ کا گھر بھی برکتوں سے معمور تھا۔ حضرت انسؓ انصار کے دولت مند لوگوں میں سے تھے۔ اور اُن کی سوا سو سے زیادہ اولادیں ہوئیں۔ حضرت عبداللہؓ کی قسمت دیکھئے۔ ان کی اولادوں میں سے دس قاری ماہرِ فن پیدا ہوئے۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی عربوں کا ہمیشہ سے خاصہ رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو مہمان نوازی کے آداب و طریق بھی بتائے۔ اور ترغیب بھی دلائی۔ اس سلسلے میں منجملہ بہت سی حدیثوں کے ایک حدیث ہے:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں انہیں چاہیئے کہ اپنے مہمانوں کی خاطر و تواضع کریں۔"

(مسلم و بخاری)

چنانچہ تمام صحابہ کرامؓ مہمان نواز تھے۔ لیکن اس وصف میں

ابوطلحہؓ اور امّ سلیمؓ کی مہمان نوازی عجیب وغریب تھی۔ ہم یہاں صرف دو واقعے نقل کرتے ہیں۔

۱۔ ایک بار حضرت ابو طلحہؓ گھر آئے اور کہا کہ "رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بھوکے ہیں، کچھ کھانا بھیج دو۔" یہ سُن کر امّ سلیمؓ بے چین ہو گئیں۔ اسی وقت کچھ روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر انسؓ کو دیں۔ حضرت انسؓ روٹیاں لے کر مسجدِ نبویؐ میں پہنچے۔ حضورؐ نے اُن کو دیکھا تو سمجھ گئے، فرمایا: تم کو ابو طلحہؓ نے بھیجا ہے، عرض کیا "جی ہاں" یہ سُن کر آپؐ صحابہؓ کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ابو طلحہؓ سب کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ امّ سلیمؓ سے کہا "اب کیا کیا جائے؟ کھانا تو بہت کم ہے اور حضورؐ کے ساتھ آدمی زیادہ ہیں"۔ امّ سلیمؓ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔" ان باتوں سے اللہ اور اللہ کا رسُولؐ ہی واقف ہیں۔" یہ کہہ کر سب کو بٹھایا اور جو کچھ تھا لا حاضر کیا۔ حضورؐ نے تمام صحابہؓ کے ساتھ معجزانہ طور پر پیٹ بھر کر کھانا نوش فرمایا۔

۲۔ اُوپر جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس میں حضورؐ کے معجزے کو دخل تھا۔ لیکن دوسرا واقعہ

ہایت انوکھا اور نرالا ہے جو عربوں کی مہمان نوازی میں اپنی مثال
پ ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ مسجد نبویؐ میں کچھ مہمان آئے۔ آپؐ نے اپنے گھروں میں کہلا بھیجا۔ جواب آیا کہ اللہ کے نام کے سوا گھر میں کچھ نہیں ہے۔ اب آپؐ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا تو ابو طلحہؓ نے اپنے کو پیش کیا۔ حضورؐ نے مہمانوں کو اُن کے ساتھ کر دیا۔ رات کا وقت ہو چکا تھا۔ مہمان گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں بھی برکت ہی برکت ہے۔ صرف بچوں کے لیے کھانا رکھا ہے۔ یہ سُن کر ابو طلحہؓ نے امّ سلیمؓ سے کہا "بچوں کو سلا دو اور چراغ بجھا دو"۔ اس کے بعد مہمانوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے تو کھانے تک ہاتھ لے جاتے اور خالی ہاتھ واپس لا کر منہ تک لے جاتے۔ اندھیرے میں مہمان یہ سمجھے کہ وہ بھی کھا رہے ہیں۔ اس طرح مہمانوں کو کھلایا اور رات کو گھر بھر بھوکا سو رہا۔ صبح کو ابو طلحہؓ حضورؐ کی خدمت میں گئے تو حضورؐ اُن کو دیکھ کر مسکرائے ابو طلحہؓ نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ حضورؐ اس وقت بہت خوش نظر آرہے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "ابو طلحہؓ رات کو تم دونوں نے مہمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا، اُسے اللہ

نے دیکھ لیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے گھر بھر کے لیے دُعا کی۔

جہاد کا شوق

اسلام میں جہاد کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ مجاہدین کے لیے حضورؐ نے بڑی بڑی بشارتیں سنائی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد سے بڑھ کر کوئی عبادت اور نیکی نہیں۔ شہید کے بارے میں آیا ہے کہ قرض کے سوا اس سے قیامت میں اور کوئی حساب نہ ہوگا اور اُسے حساب لیے بغیر جنّت میں بھیجا جائے گا۔

جہاد کی اس فضیلت نے تمام صحابہؓ کو جہاد کا والہ و شیدا بنا دیا تھا۔ مسلمان عورتیں بھی جہاد میں شریک ہوتیں۔ اور کوئی نہ کوئی خدمت اپنے ذمّے لیتیں۔ کوئی مجاہدین کو پانی پلاتی، کوئی زخمیوں کی تیمارداری کرتی اور بعض لڑتی بھی تھیں۔ حضرت اُمِّ سلیمؓ ان جانباز صحابیات میں سے ہیں جو یہ سارے کام کرتی تھیں۔

اُحد کی لڑائی میں اُمِّ سلیمؓ اپنے شوہر ابو طلحہؓ کے ساتھ شریک ہوئیں اور انھوں نے بڑی مستعدی سے مجاہدین کو پانی پلایا اور سخت سے سخت حالات میں زخمیوں تک پہنچیں۔ اُن کے بیٹے انسؓ کہتے ہیں کہ

میں نے (ام المومنین) حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو پائنچے چڑھائے مشک بھر بھر کر لاتے اور زخمیوں کو پانی پلاتے دیکھا۔ مشک خالی ہو جاتی تو نہایت پھرتی سے جاتیں اور پھر بھر لاتیں۔

ام سلیمؓ خیبر کی لڑائی میں بھی شریک ہوئیں۔ حنین کی جنگ میں بھی موجود تھیں۔ حنین کی لڑائی میں تو یہ حال تھا کہ عبداللہ بن ابی طلحہؓ پیٹ میں تھے اور خود خنجر ہاتھ میں لیے پھری کھڑی تھیں۔ حضورؐ نے دیکھا تو پوچھا "کیا کرو گی؟" بولیں "کوئی مشرک میری طرف نکلا تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔"

حضورؐ مسکرائے۔ پھر بولیں "یا رسولؐ اللہ! دشمن بھاگ کھڑے ہوتے۔ ان کے قتل کا حکم دیجئے۔" آپؐ نے فرمایا "اللہ کافی ہے اور اور اس نے بہتر انتظام فرمایا۔" یہ کہنے سے حضورؐ کا یہ منشا تھا کہ تم کو آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

خاص امتیاز

یوں تو ام سلیمؓ میں اور بہت سی خوبیاں تھیں لیکن ہم طوالت مضمون کی وجہ سے ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ لیکن ان کے ایک شرف کا ذکر کیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔ اس شرف میں امہات المومنین

کے سوا کوئی دوسری عورت ان سے بڑھ کر نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ:-

"حضورؐ اپنی بیویوں کے علاوہ کسی اور کے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے لیکن (اپنے رشتہ کی خالہ) اُمّ سلیمؓ کے یہاں جاتے تھے۔ اُمّ سلیمؓ کو یہ شرف حاصل تھا کہ حضورؐ اُن کے یہاں آرام بھی فرماتے تھے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ مجھے اُن پر ترس آتا ہے کیونکہ ان کے بھائی نے میری اعانت میں شہادت پائی۔"

حضورؐ نے تو یہ وجہ بیان فرمائی لیکن اس کے علاوہ اور خصوصیّت بھی تھی جس کی وجہ سے حضورؐ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضورؐ سے ان کو اتنا خلوص تھا کہ ایک بار آپؐ نے اُن کے یہاں مشکیزے سے مُنہ لگا کر پانی پیا تو انہوں نے مشکیزے کا مُنہ کاٹ کر رکھ لیا۔ حضورؐ بال ترشواتے تو اُمّ سلیمؓ بال منگوا کر رکھ لیتیں۔ ایک بار حضورؐ اُن کے یہاں سو رہے تھے، پسینہ نکلا تو اُنہوں نے پسینہ پونچھ کر شیشی میں رکھ لیا۔ حضورؐ کی آنکھ کھل گئی تو پوچھا "یہ کیا ہے؟" جواب دیا کہ برکت حاصل کر رہی ہوں۔"

حضورؐ بھی ہر وقت اپنے خالہ کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔ حضورؐ اکثر اُن کے یہاں چٹائی پر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار حج کو تشریف لے گئے تو اُمِ سلیمؓ کو بھی ساتھ لے لیا۔

اُمِ سلیمؓ نے حضورؐ سے بہت سے مسائل بھی سیکھے۔ جب دو صحابہؓ میں کسی مسئلے کے بارے میں اختلاف ہوتا تو اُمِ سلیم کے پاس آتے اور انہیں ثالث بناتے۔ اس سے ان کی عقلمندی اور مسائل میں سوجھ بوجھ کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے اور جنت میں اُن کے مرتبے بڑھائے۔ اور ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت اسماؓ بنتِ الصدیقؓ

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے تعارف کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بڑی بہن تھیں۔ یہ وہ صادق الایمان بی بی تھیں جو ایمان لانے کے بعد

بڑی مضبوطی سے اسلام پر بھی رہیں اور زیادہ سے زیادہ دین کی خدمات انجام دیں۔ یہ اس وقت مسلمان ہوئیں جب سترہ بزرگ اللہ کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت پر گواہی دے چکے تھے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت اسماءؓ سابقون الاوّلون (پہلے ایمان لانے والوں) میں اٹھارہویں نمبر پر تھیں۔ ان کے مسلمان ہونے کا زمانہ، وہ زمانہ تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور تمام مسلمان بُری طرح مشرکینِ مکّہ کے ظلم و ستم کا شکار ہو رہے تھے۔ حد یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جیسا با اثر اور فیّاض آدمی بھی اُن کے ہاتھوں چین سے نہ رہ سکتا تھا۔ اُس وقت حضرت اسماءؓ کی عمر پندرہ سال کی تھی۔

اس زمانے میں حضرت اسماءؓ نوجوان تھیں۔ لیکن اتنی سمجھدار اور اسلام کی فدا کار تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بڑے سے بڑے راز میں شریک رہتی تھیں۔ حضورؐ کا مکے سے مدینے کو ہجرت فرمانا ایک اتنا اہم واقعہ تھا کہ اس کی ناکامی پر داعیٔ اسلام سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ آپؐ نے جس اِخفا کے ساتھ ہجرت فرمائی۔ اس میں چند ہی ہستیاں شریک تھیں۔ حضورؐ کے خاندان میں صرف

حضرت علیؓ اس راز سے واقف تھے یا پھر حضرت صدیق اکبرؓ کا گھرانہ تھا جس پر حضورؐ کو پورا اعتماد تھا۔ انہی صدیق اکبرؓ کے گھرانے کی نوجوان مومنہ کو ہجرت کے تمام راز معلوم تھے اور اس سفر کے انتظامات میں وہ اپنے والد بزرگوار حضرت صدیقؓ کی سب سے بڑی مددگار تھیں۔

جب حضورؐ راتوں رات اپنے گھر سے نکل کر غارِ ثور میں پہنچے تو بعض احتیاط کے تحت غار میں کئی روز ٹھہرنا پڑا۔ حضرت اسماءؓ روزانہ آپؐ کی خدمت میں کھانا لے کر جاتیں اور کھلا کر واپس آتیں۔ اُن کے بھائی عبداللہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ دن بھر مکّے کے کافروں میں گھلے ملے رہتے اور اُن کی سرگرمیوں کو دیکھتے رہتے تھے۔ شام کو بہن کے ساتھ غار میں جاتے اور حضورؐ کو ساری خبریں دیتے۔ عامر جو حضرت صدیق اکبرؓ کا چرواہا تھا اسے گلہ سمیت ساتھ لے جایا کرتی تھیں۔ بکریوں کا تازہ دُودھ حضورؐ کی خدمت میں پیش کرتیں۔ اور جب دونوں بہن بھائی واپس ہوتے تو پیچھے پیچھے بکریوں کا گلہ ہوتا۔ اس طرح اُن کے پاؤں کے نشانات بکریوں کے کھروں سے مٹ جاتے اور کوئی سمجھ نہ

سکتا کہ اس طرف کون گیا ہے۔ یہ تدبّر حضرت اسماءؓ کی سوجھ بوجھ کا پتہ دیتا ہے۔

ذات النطاقین[1] کا لقب

غار میں تین دن ٹھہرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت اسماءؓ سے فرمایا "جا کر علیؓ سے کہہ دینا کہ کل رات کو تین اونٹ اور ایک دلیل (راستہ جاننے والا) لے کر یہاں آجائیں"۔ حضرت علیؓ اونٹ اور دلیل لے کر حضورؐ کی خدمت میں ٹھیک وقت پر پہنچے ادھر حضرت اسماءؓ کئی روز کا کھانا پانی لے کر پہنچ گئیں۔ یہاں کھانے اور پانی کے مشکیزے کو باندھنے کی ضرورت ہوئی تو بنت صدیقؓ نے جھٹ اپنا نطاق کھولا اور اس کے دو ٹکڑے کیے، ایک سے کھانا اور دوسرے سے مشکیزے کا منہ باندھا۔ اس اہتمام کو دیکھ کر حضورؐ نے تبسّم فرمایا اور خوش ہو کر "ذات النطاقین"

---

[1] یعنی نطاق والی، عربی میں "نطاق" اس رومال کو کہتے ہیں جسے عورتیں اپنے کُرتے کے اوپر کمر سے لپیٹ لیتی تھیں۔ حضرت اسماءؓ دو نطاق والی اس لیے مشہور ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے نطاق کے دو ٹکڑے کر کے کھانے اور پانی کا مشکیزہ باندھا تھا۔

کہہ کر پکارا۔ حضرت اسماءؓ کا یہ لقب اتنا مشہور ہوا کہ آج تک وہ اسی لقب سے مشہور ہیں۔

ایک اور شرف

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کے حکم سے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم سنایا اور مسلمان مکّے سے مدینے پہنچنے لگے تو مدینے کی آب و ہوا اُن کی صحت کے لیے موافق نہ آئی۔ خدا کی قدرت کہ کئی برس تک اُن کے گھروں میں کسی بچّے کی ولادت بھی نہیں ہوئی۔ دشمنوں نے مسلمانوں کا ایمان ڈگمگانے کے لیے مشہور کر دیا کہ اُن پر جادو کر دیا گیا ہے، اُن کے یہاں اولاد ہی نہ ہوگی۔ حضرت اسماءؓ نے ابھی تک ہجرت نہیں کی تھی، اُن کی شادی حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی اور حضرت اسماءؓ مکّے ہی میں تھیں۔ حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہٗ نے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ جاکر بال بچّوں کو لے آئے۔ ساتھ ہی حضورؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور اپنے غلام حضرت ابو رافعؓ کو بھیجا۔ یہ سب لوگ مکّہ پہنچے اور پھر اُن کے ساتھ عبداللہ بن ابو بکر اپنی والدہ اور دونوں بہنوں (حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ) کو لے کر مدینے کی طرف چل دیے۔

حضرت اسماءؓ ہجرت کرکے مدینے پہنچیں تو کچھ دنوں کے بعد اُن کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی۔ بچے کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ حضرت اسماءؓ عبداللہ کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچیں تو مسلمانوں نے خوشی کا نعرہ بلند کیا۔ حضورؐ نے عبداللہ کو گود میں لیا۔ گھٹی پلائی اور دُعا فرمائی۔ دُشمنوں کو اس ولادت کی خبر ہوئی تو اُن کے چہرے اتر گئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ حضرت اسماءؓ کی اور بھی اولادیں ہوئیں اور اللہ کے فضل سے وہ سب نامور ہوئیں اور دینِ اسلام کا ستون بنیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، عروہ بن زبیرؓ، منذر بن زبیرؓ عاصم بن زبیرؓ اور مہاجر بن زبیرؓ۔ یہ تمام فرزندِ ارجمند دین کے کسی نہ کسی شعبے میں مشہور ہوئے۔

گھریلو زندگی

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا مکے کے ایک رئیس (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کی بیٹی تھیں، جوان ہوئیں تو اُن کی شادی بھی رئیس خاندان کے ایک نوجوان (زبیر ابن عوامؓ) سے ہوئی۔ حضرت اسماءؓ کی والدہ بھی قریش کے ایک با اثر رئیس سردار عبدالعزیٰ کی بیٹی تھیں۔ یہ تینوں خاندان مکے

کے مالدار اور با اثر خاندان تھے۔ لیکن مسلمان ہونے کے "جرم" میں قریش مکہ کی "مہربانی" سے جس طرح بڑے بڑے لوگوں کی مالی حالت تباہ و برباد کر دی گئی اسی طرح حضرت اسماءؓ کے شوہر حضرت زبیرؓ کو بھی دانے دانے کا محتاج بنا دیا گیا۔ زبیرؓ سترہ برس کے نوجوان تھے کہ مسلمان ہوتے اس "جُرم" میں اُن کے گھر والوں نے پہلے مارا پیٹا، قید رکھا، لیکن جب اُن کا نشہ نہ اُترا تو گھر سے بے گھر کر دیا۔ آخر زبیرؓ حبش کو ہجرت کر گئے۔

حضرت اسماءؓ کا نکاح اسی غریب رئیس زادے (حضرت زبیرؓ) سے ہوا۔ لیکن حضرت اسماءؓ کے ماتھے پر بل نہ آیا۔ غریب سہی لیکن مومن شخص کو خوشی خوشی قبول کیا۔ کچھ دنوں کے بعد آگے پیچھے دونوں ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو جو کچھ رہا سہا تھا وہ بھی مکے میں رہ گیا۔ مدینے میں اللہ کے نام کے سوا اُن دونوں کے پاس اور کچھ نہ تھا۔ کچھ دنوں کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا نخلستان عطا فرمایا۔ مدینے کی ابتدائی زندگی کا نقشہ (آپ بیتی) حضرت اسماءؓ خود بیان فرمایا کرتی تھیں۔ ہم اُن کی آپ بیتی انہی کے لفظوں میں نیچے نقل کرتے ہیں:۔

"جب میری شادی حضرت زبیر بن عوامؓ سے ہوئی تو اس وقت اُن کے پاس نہ مال تھا نہ کوئی غلام، بے حد تنگ دست، فقیر و مفلس

تھے۔ صرف ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تھا۔ اور میں ہی اُن کی خبر رکھتی تھی۔ مدینے پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک قطعہ نخلستان حضرت زبیرؓ کو عطا فرمایا تھا جو مدینے سے تین فرسخ (تقریباً ۹ میل) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے فاصلے پر تھا۔ میں وہاں سے روزانہ کھجور کی گٹھلیاں اکٹھا کرتی پھر گٹھری باندھ کر سر پر رکھتی اور گھر تک لاد کر لاتی۔ گھر آ کر اپنے ہاتھ سے دلتی اور گھوڑے کو کھلاتی، پانی بھرتی، ڈول کھینچتی اور گھر کا سارا کام کاج کرتی۔ مجھ کو اچھی روٹیاں پکانی نہیں آتی تھیں۔ اس لیے صرف آٹا گوندھ کر رکھ دیتی۔ میرے گھر کے قریب انصار خواتین رہتی تھیں، وہ خلوص اور محبّت کے ساتھ روٹیاں پکا دیا کرتی تھیں۔

ہر روز مجھے ایسی ہی دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن میں نخلستان سے کھجور کی گٹھلیاں لادے آرہی تھی کہ راستے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم ملے۔ آپؐ اونٹ پر سوار تھے۔ چند صحابہؓ آپؐ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے مجھے اس محنت میں دیکھا تو ازراہِ کرم اونٹ کو بٹھایا تاکہ میں آپؐ کے پیچھے اونٹ پر سوار ہو جاؤں۔ لیکن میں شرم و حیا کی وجہ سے سوار نہ ہوئی۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد میرے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے

ایک غلام بھیج دیا جس کی بدولت گھوڑے کی خدمت سے مجھے نجات مل گئی اور میری مشکل کسی قدر آسان ہو گئی۔"

اس غریبی کی وجہ سے حضرت اسمارؓ گھر کا خرچ بڑی احتیاط کے ساتھ چلاتی تھیں۔ ہر چیز ضرورت بھر ناپ تول کر اٹھاتیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اس ناپ تول سے منع فرمایا کہ اس طرح ناپ تول مت کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ اتنا ہی دے گا۔ حضورؐ کے فرمانے سے حضرت اسمارؓ نے یہ عادت چھوڑ دی۔

حضرت اسمار رضی اللہ عنہا ایک عرصے اسی افلاس کے ساتھ گزر بسر کرتی رہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے برکت نازل فرمائی۔ حضرت زبیرؓ آگے چل کر فارغ البال ہو گئے۔ اللہ نے اُن کو مالا مال کیا۔ اس تموّل کے زمانے میں حضرت اسمارؓ نے اپنی سادہ زندگی کو نہ چھوڑا۔ وہ اب بھی موٹا کپڑا پہنتیں۔ رُوکھی سوکھی کھاتیں اور فقیرانہ زندگی بسر کرتیں۔ اسی زمانے میں اُن کے ایک بیٹے حضرت منذر بن زبیرؓ عراق کی لڑائی سے واپس آئے تو ماں کے لیے نہایت عمدہ اور باریک کرڈھائی کے کچھ کپڑے لائے۔ خدمت میں پیش کیا تو کپڑے کی نرمی اور ملائمت اور اس کے بیل بوٹے دیکھ کر واپس کر دیا۔ کہلا بھیجا کہ میں ایسے باریک کپڑے نہیں

پہنتی۔ سعادت مند بیٹے نے پھر موٹے اور سادے کپڑے بھیجے تو قبول کیا اور انہیں پہنا بھی۔

سخاوت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مالدار ہونے کے بعد بھی جب حضرت اسماءؓ موٹا جھوٹا پہنتیں اور روکھا سوکھا کھاتیں اور فقیرانہ طور پر رہتی تھیں، تو کیا مال بچا بچا کر رکھتی تھیں؟ نہیں، ان کا یہ ذہن نہیں تھا۔ اللہ نے اُن کو مال دیا تو انھوں نے سخاوت اختیار کی۔ بڑی فیاضی سے دوسروں کو بانٹا۔ اپنی اولاد کو بھی نصیحت فرمایا کرتیں کہ مال دوسروں کی مدد کرنے اور اُن کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اللہ دیتا ہے جمع کرنے کے لیے نہیں۔ اس لیے اللہ کے بندوں کی مدد کرو۔ اگر تم اپنا مال اللہ کے بندوں پر خرچ نہ کروگے تو یہ کنجوسی ہے اور خدا بھی تم کو اپنے فضل و کرم سے محروم کر دے گا۔ تم جو صدقہ اور خیرات کروگے، دراصل وہی تمہارے لیے ایک اچھا ذخیرہ ہے جو نہ کبھی کم ہو گا اور نہ اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

اس طرح کی نصیحتیں وہ کرتیں بھی اور اس کا نمونہ عملاً پیش

فرماتیں۔ جب بیمار ہوتیں تو جتنے غلام اس وقت ہوتے سب کو آزاد کر دیتیں۔ اُن کی چھوٹی بہن ام المومنین حضرت عائشہؓ کا انتقال ہوا تو انھوں نے ایک قطعۂ زمین ترکہ میں چھوڑا۔ چونکہ حضرت اسماءؓ کے سوا ترکہ کا کوئی اور وارث نہ تھا، اس لیے یہ زمین اُن کو ملی۔ حضرت اسماءؓ نے یہ زمین بیچ ڈالی اور ساری رقم اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دی جو ایک لاکھ درہم تھی، (پچیس ہزار روپیہ)

راسخ الاعتقادی

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا عقیدے کی بڑی مضبوط تھیں وہ اپنے عقیدے میں اتنی سخت تھیں کہ مشرک آدمی سے انھیں بڑی نفرت تھی چاہے وہ مشرک اُن کا کوئی قریبی عزیز ہی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی سختی کے غلو کو اعتدال پر لانے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

واقعہ ہے کہ ایک بار اُن کی والدہ مکے سے ان کو دیکھنے کے لیے مدینے تشریف لائیں۔ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئی تھیں اور مشرکانہ عقیدہ رکھتی تھیں۔ وہ بیٹی کے لیے کچھ تحفے بھی لائی

تھیں۔ حضرت اسماءؓ کو شرک سے بے حد نفرت تھی۔ انہوں نے نہ تحفے لیے اور نہ مشرک ماں کو گھر میں ٹھہرایا۔ لیکن پھر بھی ماں تو ماں ہی ہوتی ہے، اولاد کو ماں سے فطری محبت ہوتی ہے، پریشان تھیں کیا کریں؟ حضورؐ کے پاس کہلا بھیجا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ تحفے قبول کر لو اور ماں کو عزت کے ساتھ اپنے گھر میں مہمان رکھو۔ اس کے بعد آپؐ نے قرآن کی یہ آیات تلاوت فرمائیں جن کا ترجمہ یہ ہے :-

"جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اُن کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے اللہ نے تم کو نہیں روکا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تم کو انہی لوگوں سے دوستی کرنے کو منع فرماتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں (تمہارے مخالفوں کی) مدد کی۔ اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا تو جان لو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔"

حضورؐ کی یہ مدلّل تقریر جب حضرت اسماءؓ کے سامنے نقل کی گئی تو وہ نرم ہوئیں۔ اب انہوں نے ماں کا تحفہ بھی قبول کیا اور انہیں گھر میں ٹھہرایا اور پھر بڑی خاطر مدارات کی۔

جرأت اور بہادری

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جس طرح صبر واستقلال کا پہاڑ تھیں اور سخاوت میں دریا دل تھیں، اسی طرح وہ جرأت و بہادری کا نمونہ بھی تھیں۔ ہمارے پیشِ نظر چونکہ اختصار ہے اور حضرت اسماءؓ کی سیرت سے غرض محض تذکیر ہے۔ اس لیے اُن کے بہت سے واقعات کو نظر انداز کر کے صرف ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔

صحابہؓ کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ آلِ زبیرؓ جرأت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے۔ اور یہ شرف اُن کو اپنے بزرگوں اور رشتہ داروں سے گویا ترکہ میں ملا تھا۔ حضرت زبیرؓ کے بیٹوں میں ایک بہادر اور جری فرزند حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ یہ وہی ابنِ زبیرؓ ہیں جو مہاجرینِ مدینہ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت اسماءؓ کے گھر میں پیدا ہوئے اور حضورؐ نے انہیں گھٹی پلائی اور دُعا دی تھی۔ یہ وہی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہیں جن کے نانا حضرت

ابوبکر صدیقؓ تھے۔ جن کی دادی حضرت صفیہؓ (حضورؐ کی پھوپھی اور حضرت حمزہ کی بہن) تھیں۔ یہ وہی عبداللہ بن زبیرؓ ہیں جو بڑے ہوئے تو بہادری اور جراٗت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ یہ وہی عبداللہ بن زبیرؓ ہیں جنہوں نے حضرت معاویہؓ کی خلافت کے بعد یزید کے مقابلے میں متوازی خلافت قائم کر لی تھی۔ اور یہ وہی عبداللہ بن زبیرؓ ہیں جن کے ڈر سے خلفائے بنی امیہ کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔

واقعہ یوں ہے کہ حضرت معاویہؓ کے بعد اُن کا بیٹا خلیفہ ہوا۔ لیکن چار یا پانچ بزرگوں نے اسے خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا۔ ان بزرگوں میں سے دو تین نے بس اسے خلیفہ نہیں مانا لیکن اس کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں کیا۔ ہاں دو بزرگوں نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور عملاً اُس سے ٹکرا بھی گئے۔ ان میں سے ایک بزرگ حضرت علیؓ کے نورِ نظر اور حضرت فاطمہؓ کے لعل سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہٗ تھے۔ اور دوسرے بزرگ حضرت زبیرؓ کے سپوت اور حضرت اسماءؓ کے لختِ جگر تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہٗ کے اس اقدام کا یزیدی لشکر نے چند گھنٹوں میں فیصلہ کر دیا۔ لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ٹکر برابر

برابر کی تھی اور اُن کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ بنواُمیہ کو اپنی خلافت بچانی تھی، چنانچہ لڑائیوں کا ایک سلسلہ شروع ہُوا اور خاتمہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت پر ہُوا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کا واقعہ اپنے اندر بڑی عبرتیں رکھتا ہے۔ ہم اس وقت حضرت اسماءؓ کی سیرت کے چند نمونے دکھانا چاہتے ہیں۔ اس لیے تمام واقعات سے قطع نظر صرف وہی حصّہ بیان کرتے ہیں جو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے متعلق ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ٹکر یزید سے برابر کی رہی۔ یزید کے بعد مروان خلیفہ ہوا۔ اس سے بھی کامیابی کے ساتھ نمٹتے رہے۔ مروان کے بعد عبدالملک خلیفہ ہوا۔ عبدالملک کو ایک ایسا سمجھدار اور مدبر شخص ہاتھ آگیا جس نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا تختہ اُلٹ کر رکھ دیا۔ یہ مشہور و معروف شخص حجاج بن یوسف تھا۔ حجاج نے کس طرح کامیابی حاصل کی ؟ یہ ہمارے مضمون سے متعلق نہیں۔ واقعہ یہی ہے کہ اس نے اپنے تدبر سے کامیابیاں حاصل کیں۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو اتنا دبایا کہ انہیں خانہ کعبہ میں پناہ لینی پڑی۔ اتنا ہی نہیں۔ اس نے ایسی تدابیر سے

کام لیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھی ان سے کٹ کٹ کر اس سے جا ملے۔ اور وہ اپنے چند جانثاروں کے ساتھ رہ گئے۔ لڑائی کا انجام اب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو نظر آرہا تھا۔ وہ زرہ پہن کر اور ہتھیار لگا کر آخری ملاقات کرنے ماں کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت اسماءؓ کی عمر اس وقت سو برس کے قریب تھی اور وہ بینائی سے معذور ہو چکی تھیں۔ عبداللہؓ خدمت میں حاضر ہوئے۔ لڑائی کا رُخ اور صورتِ حال بیان کرکے مشورہ طلب کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ بیٹے کے اس سوال پر صدّیق اکبرؓ کی بیٹی نے جو جواب دیا وہ سونے کے حروف میں تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے۔ ہم کسی تصنّع کے بغیر اس کا ترجمہ نیچے لکھتے ہیں۔ حضرت اسماءؓ حضرت عبداللہ کو جواب دیا۔

"اے فرزند تم اپنی مصلحت کو خود ہی بہتر سمجھتے ہو۔ اگر تم کو اپنے حق پر ہونے کا یقین ہے تو تم کو ثابت قدم رہنا چاہیے۔ تم مردوں کی طرح لڑو اور جان کے ڈر سے کسی ذلّت کو برداشت نہ کرو۔ عزّت کے ساتھ تلوار کھانا ذلّت کے سکھ اٹھانے سے لاکھ بہتر ہے۔ اگر تم شہید ہو گئے تو مجھے خوشی ہوگی۔ اور اگر تم اس مٹ جانے والی

دُنیا کے پجاری نکلے، تو تم سے زیادہ بُرا کون ہو سکتا ہے؟ کہ وہ خود ہلاکت میں پڑا اور اللہ کے بندوں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تنہا رہ گئے ا . اب اطاعت کے بغیر چارہ نہیں تو اس طرح سوچنا شریفوں کا طریقہ نہیں۔ تم کب تک جیو گے؟ بہرحال ایک نہ ایک دن مرنا ہی ہے۔ اس لیے اچھا یہی ہے کہ نیک نام ہو کر مرو کہ میں فخر کر سکوں۔"

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس تقریر کو پھر پڑھیے، غور کیجئے یہ تقریر ایک ماں کی ہے جسے معلوم ہو چکا ہے کہ اب لڑنا موت کو پیغام دینا ہے۔ اور اُن کے دیکھتے دیکھتے ایسا نامور فرزند موت کے گھاٹ اتر جائے گا۔ جس کے علم و فضل کو عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے سراہا۔ جو جرأت اور بہادری میں اس وقت اپنی مثال آپ تھا لیکن واہ! ماں ہو تو ایسی ہو۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے ماں کے یہ مردانہ بول سُنے تو عرض کیا "اندیشہ ہے کہ اہلِ شام مجھے قتل کر کے طرح طرح کا عذاب دیں گے۔" فرمایا "بیٹا! تمہارا خیال دُرست ہے، لیکن بکری کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال نکالنے اور اُس کی بوٹیاں قیمہ کرنے سے

تکلیف نہیں ہوتی۔"

اصل میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بات اس طرح اس لیے پیش کی تھی کہ دیکھیں بوڑھی ماں کس طرح اس دُکھ کو برداشت کرتی ہیں۔ ادھر سے اطمینان ہوا تو انہوں نے بڑھ کر ماں کے ہاتھوں کو چوما، اور بولے کہ "اماں جان! میں بھی اسی طرح سوچ رہا ہوں کہ حق کے مقابلے میں دُنیا ہیچ ہے اور میں نے جو کچھ کیا ہے اسلام کی مضبوطی کے لیے کیا ہے۔" اس کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے ماں کے سامنے اس لڑائی کے اسباب بیان کیے اور یزید کے مقابلے میں جو اقدام کیا اسے حق بتایا اور آخر میں ماں سے صبر کرنے کو کہا تو بولیں۔

"اے فرزند! میرا خیال ہے کہ انشاءاللہ میرا صبر لوگوں کے لیے نمونہ بنے گا۔ اگر تو نے میرے سامنے حق پر جان دی تو تیری شہادت میرے لیے ثواب کا باعث ہوگی۔ اور اگر تو کامیاب ہوا تو مجھے خوشی ہوگی۔ اب اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو اور دیکھو کیا ہوتا ہے؟"

یہ سُن کر عبداللہ بن زبیرؓ ماں سے لپٹ گئے۔ حضرت اسماءؓ

بینائی سے محروم تھیں، بیٹے کو گلے لگایا تو ہاتھوں نے محسوس کیا کہ وہ زرہ پہنے ہیں۔ بولیں "بیٹا! جن لوگوں کو شہادت کی تمنا ہوتی ہے وہ زرہ نہیں پہنتے، اسے اتار دو۔ دامن کو کمر میں لپیٹو اور حملہ کر دو۔"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایسا ہی کیا۔ جا کر لڑے اور شہید ہو گئے۔ شہادت کے بعد حجاج نے اپنے مظالم کی فہرست میں یہ اور اضافہ کیا کہ صحابیؓ رسولؐ کی لاش لٹکوا دی اور دفن نہ ہونے دی۔ تیسرے دن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنی لونڈی کے ساتھ اپنے بیٹے کی لاش کے پاس آئیں۔ لاش لٹکی ہوئی پائی۔ صدیق اکبرؓ کی بیٹی تھیں۔ صبر کی سِل چھاتی پر رکھی اور سننے والوں نے اُن کی زبان سے یہ بول سُنے کہ "اسلام کا یہ شہسوار اور فداکار ابھی گھوڑے سے نہیں اُترا؟"

حجاج بن یوسف زبان اور خطابت کے اعتبار سے بڑا فصیح و بلیغ تھا۔ اس کی زبان آوری کی دھوم تھی۔ اس کے سامنے حضرت اسماءؓ کا یہ فقرہ دہرایا گیا تو اپنے ہونٹ چبانے لگا ذرا اُٹھا، حضرت اسماءؓ کے پاس آیا اور صدیق اکبرؓ کی بیٹی

سے زبان لڑانے لگا۔ بولا "تمہارے بیٹے عبداللہ نے کعبے میں بیٹھ کر خدا کے حکموں کے خلاف اقدام کیا، اس لیے اللہ نے اس پر عذاب نازل کیا۔" حضرت اسماءؓ نے جواب دیا "تو جھوٹا ہے میرا لڑکا خدا کا نافرمان نہ تھا، وہ روزہ دار، تہجد گزار، پرہیزگار، دیندار، ماں باپ کا فرماں بردار تھا۔ مگر سن! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبیلہ ثقیف میں سے دو نالائق آدمی پیدا ہوں گے۔ اُن میں سے پہلا کذاب اور دوسرا ظالم ہوگا۔ تو کذاب (مختار ثقفی) کو تو میں دیکھ چکی، اور دوسرا ظالم اس وقت میرے سامنے ہے۔"

یہ جواب سن کر حجاج تلملا کر رہ گیا۔ کچھ دیر کے بعد بولا، "میں نے تمہارے بیٹے کے ساتھ یہ سب کیا ہے"۔ جواب دیا تو نے میرے بیٹے کی دُنیا خراب کی اور میرے بیٹے نے تیری آخرت تباہ کی۔" یہ بھرپور جواب سنا تو حجاج بوکھلا گیا۔ بوکھلاہٹ میں اُس کی زبان سے نکل گیا "دو نطاق والی بڑھیا سٹھیا گئی ہے۔" یہ طنز سنا تو حضرت اسماءؓ نے ڈانٹ کر کہا "رسولؐ خدا نے سچ فرمایا، واقعی تو ہی وہ ظالم ہے جس کی پیشن گوئی اللہ کے رسولؐ نے فرمائی۔ اے ظالم! جواب

سُن! ہاں، میں ہی ذات النطاقین ہوں، اللہ کے نبیؐ نے یہ کہہ کر مجھے پکارا، اور تو ہے کہ اس لفظ پر مجھے طعنہ دیتا ہے۔"

حجاج سے کوئی جواب بن نہ پڑا، اپنا سا مُنہ لے کر چپکا چلا گیا۔ پھر عبدالملک کا فرمان آیا کہ عبداللہ کی لاش ماں کو دے دی جاتے۔ لاش کا جوڑ جوڑ اُکھڑ چکا تھا۔ واقعی حضرت اسماءؓ بنتِ ابی بکر صدیقؓ عجیب دل و گردہ کی خاتون تھیں کہ دردناک منظر سامنے تھا مگر زبان پر اللہ کی حمد جاری تھی۔ لاش کی نزاکت دیکھتے ہوتے بڑی احتیاط کے ساتھ غسل دیا گیا، اور کفنا کر کسی نہ کسی طرح دفن کیا گیا۔

حضرت اسماءؓ کے بارے میں ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ اُن کے علم و فضل اور احادیثِ نبویؐ روایت کرنے کے واقعات ہم قصداً نظرانداز کر رہے ہیں۔ آخر میں صرف دو باتیں اور عرض کرنی ہیں۔

آپ نے اللہ سے دُعا مانگی تھی کہ جب تک بیٹے کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آتے۔ اللہ نے یہ دُعا قبول فرمائی، بیٹے کو دفنا کر اسی ہفتہ میں اُن کی وفات ہوئی۔ پورے سو برس کی عمر میں مکہ معظمہ ہی میں انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جنگِ جمل سے واپسی میں اُن کے شوہر حضرت زبیرؓ کو ایک دُشمن نے نماز ادا کرنے کی حالت میں عین سجدے میں شہید کر ڈالا تھا۔ حضرت اسماءؓ کو خبر ہوئی تو ایک دردناک مرثیہ کہا جس کے چند اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے جس سے اُن کی زبان آوری کے علاوہ ہمّت اور استقلال کے موتی بھی چنے جا سکتے ہیں فرمایا:

"ابنِ جرموز (قاتلِ زبیرؓ) نے لڑائی کے دن ایک شہسوار اور ہمّت سے دغا کی، ایسی حالت میں کہ وہ تنہا اور بے سروسامان تھا۔ اے عمرو بن جرموز اگر تو (اقدامِ قتل سے پہلے) اُسے اپنے ارادے سے آگاہ کر دیتا تو تُو اُسے ایسا پاتا کہ نہ اُس کے دل میں ہراس ہوتا اور نہ ہاتھ میں لرزہ۔ تیری ماں تجھ کو روئے تُو نے اللہ کے ایک بہترین بندے کو قتل کیا۔ تجھ پر ضرور اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔"

یہ تھیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا۔ ہم مسلمان مردوں اور عورتوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اسلام کی اس جانباز خاتون کے واقعات پڑھیں۔ اور خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمارے اندر بھی ایسی جری اور حق پسند مائیں پیدا فرما دے، جن کا شعار یہ

ہو کہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو حق پر قربان ہونے کے لیے تیار کریں۔
اے کاش! کہ آج ہم ایسی مائیں دیکھتے!!

حضرت اُمِّ عمّارہ رضی اللہ عنہا

انسان کے لیے دراصل سب سے بڑی خوش نصیبی کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے۔ اُس کے احسانوں کو مانے اور پھر تن من دھن سے اسی کا ہو رہے۔ یعنی اسلام لائے اور اپنے اسلام سے ایسی محبّت کرے کہ اس کے مقابلے میں اپنی جان اور مال کی پرواہ نہ کرے۔ اس کے بعد یہ اس کا شرف ہے کہ جب اسلام اپنی مدد کے لیے اُسے پکارے تو اس کی حفاظت کے لیے پیش قدمی کرے اور پھر سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے وہ ایسی سر فروشی دکھائے کہ اللہ اُس سے راضی ہو جائے اور اسلام کے بڑے بڑے فداکار اُس کی سر فروشی پر رشک کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہو کر جن مردوں اور

عورتوں نے اپنی فداکاری کے جوہر دکھائے۔ ان میں حضرت امِ عمارہ کا مقام اتنا اُونچا ہے کہ بڑے بڑے صحابہؓ اُن کی خوش قسمتی پر رشک کرتے تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ جس ہستی کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ رسالت سے شرف و منزلت کی بڑی سے بڑی سند ملے اس پر رشک آنا ہی چاہیے۔ ایسی خوش نصیب اور مبارک ہستیوں میں جن میں خواتینِ اسلام کا نام اسلامی تاریخ میں چاند اور سورج کی طرح روشن ہے اُن میں ایک حضرت امِ عمارہؓ بھی ہیں۔ آج ہم انہی امِ عمارہؓ کی اسلام سے والہانہ محبت کا مختصر تعارف کرائیں گے۔

حضرت امِ عمارہؓ انصاریہ ہیں۔ یعنی مدینے کے اس انصار خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جو خزرج کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اپنے چچازاد بھائی زید بن عاصمؓ سے بیاہی گئیں جن سے دو بیٹے ہوئے، اُن میں سے ایک کا نام عبداللہؓ اور دوسرے کا حبیبؓ تھا۔ زیدؓ کے بعد عربہ بن عمروؓ سے شادی کی، ان سے بھی دو بیٹے ہوئے، ایک تمیم دوسرے خولہ۔ حضرت امِ عمارہؓ کے یہ چاروں بیٹے ماں کی طرح اسلام پر جس طرح پروانہ وار نثار رہے اس کا مختصر حال ہم آگے بیان کریں گے۔

اُمِّ عمارہؓ کا مسلمان ہونا

توحید کی گھٹا گو مکّے پر چھا رہی تھی
لیکن زمین مدینے کی مسکرا رہی تھی

تحریکِ اسلامی کے متعلق یہ ہمیشہ سے دیکھا جا رہا ہے کہ یہ تحریک جہاں سے اُٹھی وہاں کے کچھ ہی لوگوں نے اس کے لیے اپنے کو پیش کیا۔ اور یہ کہ داعیٔ تحریک کو وہاں سے ہجرت ہی کرنی پڑی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے عراق کے مرکزی مقام اُر میں یہ دعوت پیش کی تو اُن کو وہاں سے نکلنا پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے لیے مصر سے نکلنا پڑا۔ اور سب سے آخر میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بھی یہی پیش آیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بدولت دعوتِ اسلامی کے کیسے کیسے بادل مکّے پر چھاتے، مگر اجتماعی طور پر برسنے کا شرف مدینے جا کر حاصل ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ مکّے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسلام کے پرچار کے لیے کیا کچھ کوششیں نہ کیں لیکن فرداً فرداً کچھ ہی نفوس دامنِ اسلام کے سائے میں

آسکے۔ اسی زمانے میں مدینے کے کچھ لوگوں سے آپؐ کی ملاقات ہو گئی، آپؐ نے اُن کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا اور عرض کیا کہ ہمیں اسلام کا ایک ایسا داعی چاہیے جو مدینے میں چل کر اس کا پرچار کر سکے۔ حضورؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اُن کے ساتھ کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے مدینے میں پہنچ کر اسلام کی آواز بلند کی تو آگے بڑھ کر ایمان لانے والوں میں حضرت اُمّ عمارہؓ بھی تھیں۔ مدینے کے خواتین ہی میں نہیں بلکہ وہاں کے جن مردوں کو سابقون الاوّلون کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں ایک اور صرف ایک یہی خاتون تھیں۔ اس کے بعد جب مدینے کے پچھتّر جانباز اللہ کے نبیؐ کو مدینے میں تشریف لانے کی دعوت دینے چلے تو ان میں دو جانباز خواتین بھی تھیں۔ ایک اُمّ عمارہؓ، دوسری اُمّ منیعؓ۔ جس وقت یہ جانباز عقبہ کی گھاٹی میں رات کے پچھلے پہر حضورؐ پر جان و مال فدا کرنے کا عہد کر رہے تھے اور حضورؐ اُن سے اسلام کے لیے سارے جہاں سے ٹکرانے کی بیعت لے رہے تھے اس وقت اُمّ عمارہؓ کے شوہر نے عرض کیا۔ "یا رسولؐ اللہ! ہمارے ساتھ دو عورتیں بھی ہیں۔"

اور یہ کہہ کر انھوں نے دونوں جانباز خواتین کو بلا کر حضورؐ کے سامنے پیش کیا۔ حضورؐ نے دونوں عورتوں کی طرف دیکھا، پھر فرمایا "خدا کی قسم! میں نے جس عہد پر تم سے بیعت لی ہے اسی پر ان سے بھی بیعت لیتا ہوں۔"

یہ سننا تھا کہ حضورؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے لیے دونوں خواتین آگے بڑھیں۔ لیکن حضورؐ نے اُن سے فرمادیا کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارا زبان ہی سے عہد کرنا کافی ہے۔ ان دونوں خواتین نے اسلام پر مرمٹنے کا عہد کیا۔ پھر اسے کس طرح نباہا؟ اس کے ثبوت میں اُن کی پوری زندگی گواہ ہے۔ ہم سے صرف اُمّ عمارہؓ کا حال سُنیے!

اس زمانے میں مسلمان ہونے کے یہ معنی نہ تھے کہ کلمہ پڑھ کر اور اسلامی نام اختیار کر کے گھر میں چین سے بیٹھ رہیں اور کوئی اُن سے تعرض نہ کرے۔ اس وقت مسلمان ہونے کے معنی دُنیا کے سارے بناوٹی خداؤں سے جھگڑا مول لینا اور دُنیا کی ہر مصیبت و آزمائش کو دعوت دینا تھا۔

مدینے میں لوگ مسلمان ہونے لگے تو مکے والوں کو تشویش پیدا ہوئی اور انھوں نے مدینے پر دھاوا بول دیا۔ پہلی ٹکر میں تو بری

طرح پسپا ہوتے لیکن دوسری بار بڑے ساز و سامان اور لاؤ لشکر کے ساتھ حملہ کیا۔ مدینے سے دو تین میل دُور اُحد کے میدان میں گھمسان کا رن پڑا۔ اس لڑائی میں اسلام کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا حضرت حمزہؓ کے شہید ہو جانے سے ایسا نازک وقت آگیا کہ اسلامی لشکر کچھ دیر کے لیے تتر بتر ہو گیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ تن تنہا رہ گئے۔ اور آپؐ کے پاس کسی وقت دو یا کسی وقت دس جانباز ہی پہنچ سکے۔ اس وقت جب کہ اللہ کے نبیؐ پر چاروں طرف سے تیر و تلوار کی بارش ہو رہی تھی اور اسلام کے بڑے بڑے فداکاروں کا پتہ پانی ہو رہا تھا۔ اس وقت جی ہاں! اس وقت جو دس جانباز یکے بعد دیگرے آپ پر قربان ہونے کو آگے بڑھے اُن میں ایک خاتون وہ بھی تھیں جنہوں نے عقبہ کی گھاٹی میں اسلام پر نثار ہونے کا عہد کیا تھا۔ یعنی حضرت امِّ عمارہؓ، اور اُن کے ساتھ اور کون؟ اُن کے شوہر عزیہ بن عمروؓ اور اُن کے ساتھ کون؟ ان کے پہلے شوہر کے دونوں بیٹے حضرت عبداللہ اور حضرت حبیب رضی اللہ عنہما۔

اس لڑائی کے موقعہ پر پہلے پہل جب حضرت حمزہؓ اور دوسرے

بہادروں کے حملوں سے مکّے کے کافر پسپا ہو رہے تھے۔ اس وقت حضرت اُمّ عمارہؓ مشک کاندھے پر لادے دوڑ دوڑ کر مجاہدین کو پانی پلا رہی تھیں، لیکن جب یہ دوسرا موقع آیا اور حضورؐ کی جان خطرے میں پڑ گئی تو اُمّ عمارہؓ نے مشک کاندھے سے اُتار کر پھینک دی .... تلوار سونت کر کافروں پر پل پڑیں، اور لڑتے لڑتے اور بڑھتے بڑھتے حضورؐ کے پاس پہنچ گئیں اور پھر اُن کا یہ حال تھا جیسے ایک شمع کے گرد پروانہ چکّر کاٹتا ہے اسی طرح حضورؐ کے چاروں طرف پھر رہی تھیں۔ اور ان کی تلوار بجلی کی طرح چمک رہی تھی۔ کفّار جب بڑھ کر حضورؐ پر وار کرتے تو وہ کبھی اپنی ڈھال پر روکتیں اور کبھی تلوار سے کاٹتیں۔ بہادر بیٹوں کو سمجھا دیا تھا کہ جب میں دُشمنوں کا وار روکوں تو تم پیچھے سے دُشمن کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دینا چنانچہ ایسا ہی ہوتا۔ اس تدبیر سے جب سوار زمین پر گرتا تو ماں بیٹے مل کر اس کا خاتمہ کر دیتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ خود ہی دُشمن کا وار روکتیں اور پھر جھپٹ کر اس کے گھوڑے پر وار کرتیں۔ عین اسی وقت حضورؐ اُن کے بیٹے عبداللہ کو آواز دیتے۔ وہ جھپٹ کر آتے اور دُشمن زمین پر تڑپتا ہوتا۔

اسی لڑائی میں اسی موقعہ پر ایک جیالا کافر ابنِ قمیہ تلوار سونت

کہ حضورؐ کو شہید کرنے آگے بڑھا۔ وہ ابھی پاس نہیں آیا تھا کہ کسی کافر نے حضورؐ پر پتھر پھینک مارا جس سے حضورؐ کے دو دانت مبارک شہید ہو گئے۔ یہ نازک پہلو دیکھ کر ابن قمیہ نے تلوار کا وار کیا۔ اس کی تلوار حضورؐ کے خُود کے حلقوں پر پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حلقے حضورؐ کے گال میں دھنس گئے اور خون بہنے لگا۔ امّ عمّارہؓ حضورؐ کا یہ حال دیکھ کر بے چین ہو گئیں۔ انہوں نے بڑھ کر ابن قمیہ کے تلوار ماری، مگر وہ ظالم دہری زرہ پہنے ہوتے تھا۔ اس پر تلوار کا اثر نہ ہوا۔ اس نے پلٹ کر امّ عمّارہؓ پر وار کیا تو اس کی تلوار ان کے کندھے پر پڑی جس سے گہرا زخم آیا۔ بہادر خاتون نے زخم کی پرواہ نہیں کی۔ اور چاہا کہ پھر اس پر تلوار ماریں کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ امّ عمّارہؓ کندھے کی زخم کی وجہ سے خون میں نہا گئیں۔ حضورؐ نے کھڑے ہو کر اپنے سامنے زخم پر پٹی بندھوائی۔ جن صحابہؓ نے اس موقعہ پر جان پر کھیل کر آپؐ کو بچایا تھا۔ آپؐ نے ان کا نام لے کر فرمایا: "واللہ آج امّ عمّارہؓ کا کارنامہ ان سب کے کارناموں سے بڑھ کر ہے۔" یہ سُن کر حضرت امّ عمّارہؓ نے عرض کیا۔ "یا رسولؐ اللہ! میرے لیے دُعا فرمائیے کہ میں جنّت میں آپ کے ساتھ ہوں۔" آپؐ نے اللہ سے دُعا کی تو حضرت امّ عمّارہؓ بے ساختہ

پکار اٹھیں۔" اب مجھے دُنیا کی کسی مصیبت کی پرواہ نہیں۔"

دیکھا آپ نے وہ کیا تڑپ تھی جس پر اللہ کے نبیؐ کے ساتھ والوں اور ساتھ والیوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا؟ وہ تھی آخرت کی کامیابی، جنّت کی طلب، اللہ کی رضا، اللہ کے نبیؐ کی زبان سے اس کی سند مل گئی۔ تو پھر حضرت اُمّ عمّارہؓ کو دُنیا کی کسی مصیبت کی پرواہ نہ رہی۔ اسی لڑائی میں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ بھی سُنے گئے کہ میں تو جنگِ اُحد میں اپنے دائیں بائیں اُمّ عمّارہؓ ہی کو لڑتے دیکھتا تھا۔ اس لڑائی میں جب حضرت اُمّ عمّارہؓ کے سپوت حضرت عبداللہؓ زخمی ہو کر گر گئے تو ماں نے بڑھ کر زخم پر پٹّی باندھی اور کہا "اُٹھو! بڑھو اور کافروں سے لڑو۔" حضورؐ نے یہ سُنا تو فرمایا۔ "اے اُمّ عمّارہؓ! جتنی طاقت تجھ میں ہے وہ دوسرے میں کہاں؟"

اللہ اکبر! حضرت اُمّ عمّارہؓ نے حضورؐ سے جو عہد کیا تھا کس کس انداز سے اسے پورا کر رہی تھیں؟ اے کاش! کہ آج ہم اور ہماری عورتیں سوچیں کہ ہم نے بھی ایک عہد اپنے رب سے کر رکھا ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی میدان میں کارگزاری دکھاتے

دکھاتے کام کا جوش ٹھنڈا ہونے لگتا ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھیوں کے دلوں میں اسلام اور ایمان کی جو آگ سلگ رہی تھی وہ زمانے کے ساتھ روشن سے روشن تر ہوتی گئی۔ حضرت اُمّ عمارہؓ کا کارنامۂ فداکاری جنگ اُحد پر ختم نہیں ہوتا، وہ حدیبیہ، حنین اور خیبر جیسے موقعوں پر بھی پیش پیش رہیں اور عہدِ رسالت کے بعد جنگ یمامہ تو اس طرح لڑیں کہ بڑے بڑے بہادروں کو محوِ حیرت بنا دیا۔

اس کا واقعہ یوں ہے کہ حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہل یمامہ میں سے ایک ظالم اور زبردست شخص "مسیلمہ" نے نبوّت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے قبیلے کے تقریباً چالیس ہزار مرد اس کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ طاقت فراہم کر کے وہ بزور اپنی نبوّت ہر ایک سے منوانے لگا۔ انہی دنوں میں حضرت اُمّ عمارہؓ کے عزیز بیٹے حضرت حبیبؓ عمّان گئے ہوئے تھے۔ وہ عمّان سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں مسیلمہ کے ہاتھ لگ گئے۔ اس نے اُن کو قید کر کے کہا "کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسولؐ ہیں۔" حضرت حبیبؓ نے جواب دیا۔ "ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

للہ کے آخری رسولؐ ہیں۔" یہ سُن کر بولا " نہیں، تم یہ گواہی دو کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔" حضرت خبیبؓ نے پھر " لا حول " پڑھی اور سختی سے انکار کر دیا تو اُس نے جھنجھلا کر اُن کا ایک ہاتھ کٹوا دیا۔ اور بولا " اب کہو کہ مسیلمہ اللہ کا رسُول ہے" حضرت خبیبؓ نے پھر لاحول پڑھی، اور پھر انکار کر دیا تو اُس نے دوسرا ہاتھ کٹوا دیا۔ اور پھر اصرار کیا کہ اسے اللہ کا رسُول کہہ دیں لیکن امّ عمّارہؓ کے سپوت نے اس کا کہا نہ مانا اور اپنی صداقت پر اڑے رہے۔ اُس نے ہر انکار پر اُن کا ایک ایک عضو کاٹتے کاٹتے تکا بوٹی کر دیا۔ مگر اُس جانباز اسلام نے اپنے جسم کی بوٹی بوٹی کٹوا دی مگر تسلیم و رضا کی راہ سے قدم نہ ہٹایا۔ وہی کہتا رہا جو اُس کا ایمان تھا۔

یہ دردناک واقعہ حضرت امّ عمّارہؓ نے سُنا، صبر کی سِل چھاتی پر رکھ کر دل میں عہد کیا کہ اگر مسلمانوں نے مسیلمہ پر لشکر کشی کی تو اس ظالم کو انشاء اللہ اپنی تلوار سے جہنّم کی طرف روانہ کروں گی۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار ہزار لشکر کے ساتھ یمامہ کی طرف روانہ کر دیا تو حضرت امّ عمّارہؓ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو

ساتھ لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، سے اجازت لی اور اس لشکر میں شریک ہو گئیں۔ یہ لشکر یمامہ پہنچا، اور مسیلمہ کذّاب کے لشکر سے جا ٹکرایا۔ مسیلمہ بڑے جوش وخروش سے لڑا۔ اس لڑائی میں بارہ سو مسلمان اور آٹھ نو ہزار کذّاب مارے گئے۔

جنگ یمامہ میں حضرت امّ عمّارہؓ نے مسیلمہ کو شروع ہی سے تاک رکھا تھا۔ پھر جب حملہ ہوا تو بیٹے کو اشارہ کیا اور اپنی برچھی اور تلوار سے صفیں چیرتی اور زخم پر زخم کھاتی ہوئی مسیلمہ کی طرف بڑھیں۔ کذّابیوں نے بڑھ کر روکنا چاہا۔ اس کش مکش میں گیارہ بڑے بڑے زخم تلوار اور نیزے کے حضرت امّ عمّارہؓ نے کھائے۔ ایک ہاتھ بھی کلائی سے جدا ہو گیا لیکن اللہ کی اس جانباز بندی نے ہمّت نہ ہاری۔ کسی نہ کسی طرح مسیلمہ کذّاب تک پہنچ گئیں۔ اور چاہتی ہی تھیں کہ اس پر وار کریں کہ ایک ساتھ دو تلواریں چمکیں، اور دونوں تلواریں بجلی بن کر مسیلمہ پر گریں اور وہ کٹ کر گھوڑے سے نیچے ڈھیر ہو گیا۔ حضرت امّ عمّارہؓ نے پلٹ کر دیکھا تو عبداللہ کو پاس کھڑا پایا۔ پوچھا "بیٹے! تو نے ہی مارا اسے؟" بیٹے نے جواب دیا "ماں! اس کذّاب پر ایک تلوار میری پڑی اور دوسری وحشی کی۔ اب معلوم نہیں

کہ کس کی تلوار سے وہ ظالم موت کے گھاٹ اُترا۔" یہ سُنا تو اُمّ عمارہؓ بہت خوش ہوئیں اور اللہ کا شکرادا کیا۔

حضرت اُمّ عمارہؓ نے اس لڑائی میں بہت سے زخم کھائے تھے۔ ایک ہاتھ بھی کٹ کر گر گیا تھا۔ اس لیے بے حد کمزور ہو گئی تھیں۔ حضرت خالدؓ بن ولید پہلے سے اُن کی جانبازی کے قائل تھے اور دل سے قدر کرتے تھے۔ انہوں نے بڑی توجّہ سے اُن کا علاج کرایا۔ اللہ کا فضل شامل حال تھا۔ اُمّ عمارہؓ اچھی ہو گئیں۔ اچھا ہونے پر اللہ کا شکرادا کرنے کے ساتھ حضرت خالدؓ کی خدمات کا تذکرہ بڑی مسرّت کے ساتھ کرتی تھیں۔ اُن کا بیان ہے کہ خالدؓ بڑے ہمدرد افسر، بڑی اچھی طبیعت کے امیرِ لشکر اور بڑے متواضع سردار ہیں۔

اوپر ہم نے حضرت اُمّ عمارہؓ کی جانبازی کے دو واقعات مختصراً بیان کیے۔ دکھانا یہ ہے کہ انہوں نے اوّل روز عقبہ کی گھاٹی میں اسلام کے لیے سارے جہاں سے لڑ جانے کا جو عہد کیا تھا اُسے پوری طرح نباہا۔ اس جانبازی اور مجاہدانہ کارناموں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ محض بہادر ہی تھیں۔ بخدا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بتائے ہوئے راستے پر اس طرح چل رہی

تھیں کہ اُن سے اللہ خوش ہوا اور اللہ کا رسولؐ خوش ہوا۔ ایک مومن کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا شرف نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اُن کی بڑی قدر و منزلت فرماتے تھے۔ حضرت اُمّ عمارہؓ حضورؐ کے بعد بہت دنوں تک حیات رہیں۔ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی اُن کا بڑا احترام کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے زمانۂ خلافت میں ایک بار مالِ غنیمت آیا تو اس میں بیش قیمت کپڑے بھی تھے۔ ان کپڑوں میں ایک کپڑا نہایت قیمتی تھا۔ اُس پر سنہرا کام کیا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اُن کے بیٹے عبداللہؓ کے تقدس کی دھوم ہو رہی تھی۔ لوگوں نے سفارش کی کہ یہ دوپٹہ عبداللہؓ کی بیوی کو دے دیا جائے۔ کچھ لوگوں نے یہ رائے دی کہ دوپٹہ حضرت کلثومؓ بنت علیؓ کو دیجئے جو آپ کی بیوی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ سب سُن تو لیا، لیکن فرمایا کہ میں یہ دوپٹہ اسے دوں گا جو اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ اس کے بعد دوپٹہ حضرت اُمّ عمارہؓ کو دے کر فرمایا "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے اُحد کے دن سُنا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اُحد کے دن میں جدھر دیکھتا تھا اُمّ عمارہؓ ہی لڑتی نظر آ رہی تھیں۔

حضرت امِّ عمارہؓ ساری زندگی بڑی سختی سے اسلام پر قائم رہیں۔ جنگِ یمامہ کے بعد وفات ہوئی۔ تمام صحابہؓ اور عام مسلمانوں نے اُن کے لیے دُعا کی اور غم منایا۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اُن کے نقشِ قدم پر چل سکیں، اور اسی طرح اللہ سے کیے گئے عہد کو پورا کرنے کی کوشش کریں جس طرح ہمارے اسلاف نے اس عہد کو پورا کیا۔

اُمّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ

"اے نبیؐ! تو ان لوگوں کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، ان لوگوں سے محبت کرتے ہوئے نہ دیکھے گا، جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے مخالف ہوں۔ چاہے وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے رشتہ دار۔"

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان جما دیا ہے اور اپنے فیضانِ خاص سے اُن کی مدد فرمائی ہے اور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ اُن میں

ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ اللہ کے گروہ والے لوگ ہیں، سن لو، اللہ کے گروہ والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔"

(سورہ مجادلہ آیت ۲۲)

جب میں سورۃ مجادلہ کی آخری آیت پڑھتا ہوں جس کا ترجمہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ تو ایک ایک کرکے وہ تمام بزرگ یاد آنے لگتے ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا، اور پھر اپنے اسلام پر چٹان کی طرح جمے رہے۔ ان بزرگوں میں سارے جہان کے مسلمانوں کی ماں حضرت امّ حبیبہؓ کا نام نامی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ہماری اُن پیاری ماں کی پوری زندگی سورۃ مجادلہ کی بائیسویں آیت کی زندہ تعبیر نظر آتی ہے۔ ام المومنین نے واقعی اسلام کے مقابلے میں نہ اپنے کافر باپ کی پرواہ کی، نہ بھائیوں کی نہ شوہر کی۔ نیچے ہم اپنی پیاری ماں کے مختصر حالات بیان کرتے ہیں۔ ان سے ہماری بات کی پوری پوری تائید ہوتی ہے۔

امّ المومنین حضرت ام حبیبہؓ کا حال بیان کرنے سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اُن کے خاندان کا تعارف کرادیں تاکہ یہ سطریں پڑھنے

والا اچھی طرح سمجھ لے کہ اُمّ المومنین کس عالی مرتبت خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، اور اس خاندان کا عرب میں کیا مقام تھا؟ اور پھر جب مسلمان ہوئیں تو کیسی غریب الوطنی کی زندگی سے سابقہ پڑا؟ پھولوں کی سیج چھوڑ کر کانٹوں میں کس طرح ثابت قدمی سے اپنے ایمان کو لیے پہاڑ کی طرح اڑی رہیں

سارے عرب میں قریش کا خاندان تمام خاندانوں میں معزز مانا جاتا تھا۔ اس خاندان کو اللہ نے بڑی برکت دی۔ آگے چل کر اس کی مختلف نسلیں پھیلیں۔ ان ساری نسلوں میں بنو ہاشم اور بنو امیّہ سب سے زیادہ مشہور ہوتے۔ بنو امیّہ میں ایک نامور گزرا ہے جس نے اپنے زمانے میں سارے قریش کی سرداری حاصل کر لی تھی۔ یہ تھا مشہور بہادر حرب بن امیّہ۔ عرب کی مشہور لڑائی (جنگ فجار) میں قریش کا سپہ سالار اعظم۔ اسی مشہور و معروف جرنیل کا ایک بیٹا تھا۔ باپ کی طرح بہادر، باپ جیسا مدبّر، اور اُسے باپ کی طرح قریش کی سرداری حاصل تھی۔ یہ نامور بیٹا تھا "ابوسفیان" ابوسفیان قریش کے وہ مشہور سردار ہوتے ہیں جو اپنے کفر کے زمانے میں اسلام کی راہ کے سب سے بڑے پتھر بنے رہے۔ کفر و اسلام کی ایک مشہور لڑائی جو اُحد کے میدان میں ہوئی اور جس میں

مسلمانوں کو بہت زیادہ جانی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اس لڑائی میں کفارِ قریش کے عظیم لشکر کے سالارِ اعظم ابوسفیان ہی تھے۔ اس سے ابوسفیان کے عالی مرتبت ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

امّ المومنین حضرت امّ حبیبہؓ اسی عالی مرتبت باپ کی بیٹی تھیں۔ باپ بھی رئیس اعظم، دادا بھی رئیس اعظم، خاندان بھی ایسا جس کی سارے عرب میں دھوم، پھر یہ کہ حضرت امّ حبیبہؓ کی شادی ایسے خاندان میں ہوئی جو بنوامیّہ کی ٹکر کا تھا۔ وہ خاندان عرب میں "بنواسد" کے نام سے مشہور تھا۔ بنواسد کے مشہور فرزند عبیداللہ بن جحش سے آپ کی شادی ہوئی جو حرب بن امیّہ کا حلیف تھا۔

ایسے رئیس ابن رئیس کی بیٹی اور اسی کی ٹکر کے خاندان کی بہو، کس ناز و نعم سے رہ رہی ہوگی۔ اگر ہم کہیں کہ وہ ہر وقت پھولوں سے کھیلتی ہوگی تو بے جا نہ ہوگا۔ لیکن عین اس وقت جب رئیس ابنِ رئیس طرح طرح کی نعمتوں کے مزے لوٹ رہی تھی۔ ایک آواز مکّے کی گلیوں میں گونجی "اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں"۔ تو یہی پھولوں سے کھیلنے والی "امّ حبیبہؓ" آواز سننے کے ساتھ پکار اٹھے

والے کی طرف بڑھیں اور جب اس پکارنے والے سیدنا محمد رسول اللہ کو دیکھا تو پکار اٹھیں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ اور پھر جب واپس ہوئیں تو اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کو بھی اسلام کے قدموں میں لا گرایا۔

جس وقت حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہوئیں، وہ، وہ زمانہ تھا جب قریشِ مکہ اسلام کا نام سننا گوارہ نہ کر سکتے تھے۔ مسلمان ہونے والوں پر ایسے مظالم توڑ رہے تھے کہ اُن کا ذکر ہی دل کو ہلا دینے کے لیے کافی ہے۔ قریش کے "غیرت مندوں" میں ایک عجیب و غریب غیرت یہ دیکھی گئی کہ اگر کسی بڑے خاندان کا کوئی فرد مسلمان ہو جاتا تھا، تو اس خاندان کی ہم چشموں میں ناک کٹ جاتی تھی، اس خاندان کے لوگ اپنوں میں اپنا (و)قار قائم رکھنے کے لیے اس طرح کوشش کرتے کہ اپنے (خ)اندان کے مسلمان ہو جانے والے فرد کو کسی نہ کسی طرح (ا)پنے دین میں پھر واپس لے آئیں اور واپس لانے کے لیے میں "اپنے آدمی" پر وہ مظالم ڈھانا پڑتے جن کے دیکھنے (ک)ے لیے بڑے دل گُردے کی ضرورت ہوتی تھی۔ کوئی تو اپنے (خا)ندان کے مسلمان ہو جانے والے فرد کو کھال میں بند کر کے

عرب کی ریت پر ڈال دیتا۔ کوئی اندھیری کوٹھری میں بند کرکے دھواں پہنچاتا۔ اور کوئی قید و بند اور مار دھاڑ سے کام لیتا۔ مدعا یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مجبور کرکے اسلام سے منحرف کر دیں۔ حضرت امِّ حبیبہؓ رضی اللہ عنہا بھی اسی آزمائش کی بھٹی میں تپائی گئیں مگر اُن کا ایمان تھا کہ کوئی مضبوط چٹان جو آگ کی بڑی سے بڑی گرمی سے بھی نہ پگھل سکی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم یہ سارے مظالم دیکھتے تھے اور خدا سے دُعا کیا کرتے تھے کہ ان غریبوں کو کہیں جائے پناہ مل جائے۔ آخر آپؐ نے مشورہ دیا کہ جو مسلمان چاہیں حبش کی طرف چل کھڑے ہوں۔ اُن میں حضرت امِّ حبیبہؓ اور اُن کے شوہر عبیداللہ بھی تھے۔ اگر وہ چاہتیں تو زبان سے ذرا کہہ دیتیں کہ حاشا وکلا مجھے اسلام سے کوئی سروکار نہیں، تو پھر امِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا پھر وہی ام حبیبہؓ ہوتیں جو کبھی سارے خاندان کی پیاری تھیں، مگر نہیں، انھوں نے اسلام کے لیے۔ ماں باپ، خاندان، وطن، آرام و عیش سب کو ٹھکرا دیا۔ اور غریب الوطنی کی زندگی اختیار کر لی۔ ہم نے بڑی شرح و بسط سے اپنی ان پیاری ماں کا حال پڑھا ہے۔ ہمیں بخدا کوئی کہیں ایسا لفظ ان کی سوانح میں نہ ملا

جس سے لفظ شکوہ کا احتمال ہوتا ہو۔ ہم نے تو یہ پڑھا ہے کہ حبش پہنچ کر جب شوہر نے مرتد ہو کر عیسائی دھرم اختیار کر لیا تو بھی جبینِ مبارک پر ذرا سا بھی اضطراب نہ آیا، اور آپ نے اس غریب الوطنی میں شوہر پر بھی لات مار دی اور راضی برضا ہو کر دیں زندگی کے بظاہر "اندھیرے دن" گزارنے لگیں۔
اس غریب الوطنی میں جب کہ بڑے پکار نے لگتے ہیں کہ سے

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

غور کرنے کا مقام ہے کہ اس غریب الوطنی میں ایک چھاؤں (شوہر کے روپ میں) تھی وہ بھی نہ رہی۔
اب سونا تپ کر کھرا ہو چکا تھا، آخر اللہ کی رحمت جوش پر آئی اور حضرت ام حبیبہؓ کو اسی دُنیا میں وہ اعزاز حاصل ہوا جس سے بڑھ کر دوسرا اعزاز ہو ہی نہیں سکتا۔ عمر مبارک تقریباً ۳۷ سال کی ہو چکی تھی۔ یہاں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکّے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے جا چکے تھے۔ آپؐ نے امّ حبیبہؓ کا حال سُنا تو حضرت عمرو بن امیہ ضمیریؓ کو پیغامِ نکاح دے کر حبش روانہ کیا۔ وہاں شاہِ حبش مہاجر مسلمانوں سے مل

حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا۔ عمرو بن اُمیہ ضمیریؓ اس کے پاس پہنچے اور پیغام نکاح دیا۔ شاہ حبش نے اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ پیام نکاح حضرت اُم حبیبہؓ تک پہنچایا۔ آپ نے قبول فرما لیا۔ حضورؐ کی طرف سے شاہ حبش وکیل بنا اور حضرت ام حبیبہؓ کی طرف سے خالد بن سعیدؓ وکیل مقرر ہوئے۔ نکاح ہو گیا۔ اور پھر ام المومنین بن کر حضرت ام حبیبہؓ ایک جہاز پر سوار ہوئیں اور اس وقت مدینے پہنچیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی مہم پر تھے۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ اپنے اسلام میں اس درجہ یکسو تھیں کہ اپنے عزیز قریب کا فرتک کی پرواہ نہ کرتی تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد کافر باپ، کون؟ قریش کا رئیس اعظم ابو سفیان کسی غرض سے مدینہ آیا۔ بیٹی کو دیکھنے اُن کے گھر گیا۔ گھر جا کر چاہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے بستر اُلٹ دیا، باپ سخت ناراض ہوا۔ بولا "میرے مقابلے میں تجھ کو بچھونا اتنا عزیز ہے؟" جواب دیا "یہ بستر خدا کے رسولؐ کا ہے، تو شرک میں مبتلا ہے، میں خدا کے رسولؐ کے بستر کو تیرے ناپاک قدموں سے گندہ نہیں کر سکتی۔"

یہ جواب سُن کر باپ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ تعاقب

آدمی۔ بولا! تو میرے بعد بہت سی خرابیوں میں مبتلا ہو گئی ہے۔"
یہ سب سنا پھر بھی ام المومنین نرم نہ ہوئیں، اور ابوسفیان کو زمین پر بیٹھنا پڑا۔

اس کے بعد ام المومنینؓ کے سوانح کے تحت بہت سے واقعات تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ ان سب کا لب لباب یہ ہے کہ ہر وقت رسولؐ خدا کے اشارے اور کنائے پر نگاہ رکھتی تھیں، اور جو بات پا جاتیں اس پر سختی اور پابندی سے عمل کرتی تھیں۔ ایک بار حضورؐ سے سُنا کہ جو شخص بارہ رکعت نفل روزانہ پڑھے اس کے لیے جنّت میں ایسا اور ایسا گھر بنایا جائے گا۔ پس اسی دن سے معمول بنالیا اور عمر بھر روزانہ بارہ رکعت نفل کی پابند ہو گئیں۔

۷۳ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ انتقال کے وقت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور کہا "ہم دونوں حضورؐ کی بیویاں رہیں۔ بہ تقاضائے بشریّت سوکن ہونے کی بنا پر مجھ سے کوئی لغزش ہو گئی ہو تو معاف کر دیجئے۔ اور میرے لیے مغفرت کی دعا کیجئے۔" حضرت عائشہؓ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو بولیں "آپ نے مجھے خوش کر دیا، اللہ آپ کو خوش کرے۔"

آپ کے سوانح میں لکھا ہے کہ آپ بڑی فاضل اور تمام انسانی

اوصاف میں کامل تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کچھ نہ استفادہ کیا ہوگا۔ بہت سی احادیث آپ سے مروی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں بڑے بڑے صحابہؓ اور بزرگ لوگ شامل ہیں۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی پیاری ماں کے نقشِ قدم پر چلیں اور اس پر ثابت قدم رہیں۔

ہند بنتِ عتبہ رضؓ

ایک چٹان جسے اسلام نے توڑا

اللہ تعالیٰ جن بے پایاں صفات کا مالک ہے۔ کوئی ان کی حدود انتہا کو پا ہی نہیں سکتا۔ نہ تو اللہ جلّ شانہٗ کے قہر و غضب کا اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے اور نہ اس کے رحم و کرم کی حد بندی کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا مظہر انبیاء علیہم السلام کو بنایا۔ انبیاء علیہم السلام میں جناب نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات جس شرح و بسط سے ہمیں ملتے ہیں اس طرح کسی دوسرے نبی کے حالات ہمارے سامنے نہیں۔ حضورؐ کے بہت سے واقعات ایسے حیران کن ہیں کہ جب ہم انہیں پڑھتے ہیں تو یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ایک انسان ایسا کر بھی سکتا ہے ؟ مثال کے طور پر فتح مکہ کے وقت حضورؐ نے جس عفو و کرم سے کام لیا۔ درحقیقت وہ تمام کا تمام نہایت حیرت انگیز ہے۔ اس وقت حضورؐ کے سامنے آپ کے بدترین دشمن سر جھکائے کھڑے تھے، اور منتظر تھے کہ دیکھئے زبانِ رسالت سے کیا حکم صادر ہوتا ہے ؟ لیکن اللہ کے نبیؐ نے سب کو معاف کر دیا۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ جو آپ کے چچا تھے، اور اسلام کے سرفروشوں میں جن کا مقام اونچے سے اونچا ہے۔ انہی حمزہؓ کے قاتل وحشیؓ جب معافی مانگنے آئے تو اللہ کے نبیؐ نے واقعی معاف کر دیا۔ حالانکہ چچا کی شہادت کا حضورؐ کے دل پر بے حد صدمہ تھا۔ پھر بر بنائے شفقت وحشیؓ سے فرمایا کہ "دیکھو! تمہیں معاف تو کر دیا گیا ہے لیکن اب میرے سامنے مت آنا"۔ شاید یہ کہنے سے منشاء یہ ہو کہ کہیں بتقاضائے بشریت زبان سے کوئی لفظ ایسا نکل جائے جو وحشیؓ کی عاقبت کے لیے

نقصان دہ ہو۔ یا پھر یہ کہ چچا کی شہادت سے حضورؐ کے دل پر جو چوٹ پڑی تھی وہ تازہ ہو جاتے۔

دیکھا آپ نے ؟ ایسے شخص کو معاف کر دیا۔ اور آج ہم اُن ہی وحشی کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ کا رسولؐ اُن سے راضی ہو گیا۔ اسی طرح حضرت وحشی سے زیادہ مجرم ایک ایسی عورت کو معاف کر دیا جس نے حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد اُن کی لاش کو مُثلہ کیا۔ ناک کان کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہنا۔ اُس کے دل کی شقاوت کو پھر بھی تسکین نہ ہوئی تو سینہ چیر کر کلیجہ نکالا اور چبا کر چاہا کہ نگل جائے لیکن نگلا نہ گیا اور مُنہ سے اگل دیا۔ اُسے بھی حضورؐ نے معاف کر دیا۔ اور پھر آج ہم اسی عورت یا انہی خاتون کو بالکل اسی طرح یاد کرتے ہیں جس طرح ایک صحابی کو یاد کیا جاتا ہے۔ ہم اُن کا نام اس احترام سے لیتے ہیں " حضرت ہند بنتِ عتبہ رضی اللہ عنہا" ہمارے اس طرح نام لینے کی وجہ وہی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے معاف کر دیا اور اُن سے راضی ہو گیا۔

آج ہم انہی حضرت ہندؓ کا مختصر حال بیان کرتے ہیں۔ اور اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اُن کے واقعات جان کر ہم خود عبرت

حاصل کریں۔

حضرت ہند بنتِ عتبہ رضی اللہ عنہا، قریش کے سب سے بڑے رئیس عتبہ کی بیٹی تھیں۔ یہ عتبہ وہی شخص ہے جسے قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس مصالحت کے لیے بھیجا تھا کہ حضورؐ اپنی دعوت میں کچھ نرمی اور لچک پیدا کرلیں اور اس کے صلے میں چاہیں تو انہیں سرداری دے دی جائے چاہیں تو اتنی دولت دے دی جائے کہ سات پشتوں تک کافی ہو یا چاہیں تو عرب کی سب سے بڑی حسینہ آپ کی خدمت میں پیش کر دی جائے۔

یہ عتبہ وہی عتبہ ہے جو جنگِ بدر میں لشکرِ کفار کا سپہ سالار بن کر گیا تھا۔ اور اپنے کو اتنا صاحب مرتبت سمجھتا تھا کہ اپنے سے کمتر سپاہی سے لڑنا پسند نہیں کرتا تھا۔ یہی عتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہادر چچا حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہی عتبہ حضرت ہندؓ کا باپ تھا۔ آپ سمجھ لیجئے کہ ایسے باپ کی تربیت میں جو لڑکی پروان چڑھے وہ کس دل ودماغ کی عورت بن سکتی ہے؟ سونے پر سہاگہ یہ کہ شادی بھی ہوئی تو ایسے شخص سے جو مزاج و کردار کے اعتبار سے عتبہ ثانی تھا۔ یعنی ابوسفیان بن حرب۔ حرب

عرب کا وہ مشہور بہادر شخص ہوا ہے جو عرب کی مشہور لڑائی جنگِ فجار میں قریش کا سپہ سالارِ اعظم تھا۔ غور کیجئے باپ ویسا اور شوہر ویسا۔ اب اس شراب کے دو آتشہ ہونے میں کون شک کر سکتا ہے؟

حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت ہندؓ بنت عتبہ کا دل چٹان کی طرح سخت تھا۔ جب تک وہ اسلام نہ لائیں مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی بدترین دُشمن رہیں۔ پھر جب مسلمان ہو گئیں تو دل کی سختی کا رُخ کُفر کی طرف ہو گیا۔ اور وہ عداوتِ کفر میں بھی چٹان ہی ثابت ہوئیں۔ حضرت ہندؓ کے یہ دونوں رُخ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ عبرت انگیز بھی ہیں۔ ایک طالبِ تربیت بڑی نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے حضرت ہندؓ کو اپنے خیالات ظاہر کرنے کا موضوع بنایا۔

ہم اوپر یہ بتا ہی چکے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں مکے کا رئیسِ اعظم عتبہ حضرت حمزہؓ کی تلوار سے جہنم رسید ہوا۔ جنگِ بدر میں مکے کے اور بھی بہت سے بڑے بڑے لوگ مارے گئے تھے۔ چنانچہ اُن کے بعد قریش کا سب سے بڑا رئیس ابوسفیان ہوا۔ اِدھر ابوسفیان نے جنگِ بدر کا بدلہ لینے کی قسم کھائی اُدھر اُس کی بیوی

ہندنے باپ کے قاتل حضرت حمزہؓ سے انتقام لینے کی ٹھانی۔

جنگ بدر کے بعد دوسرے سال ہی جب مکے سے بڑے لاؤلشکر کے ساتھ ابو سفیان سپہ سالار بن کر مدینے کی طرف چلا تو ہند بھی بہت سی عورتوں کے ساتھ ساتھ چلیں۔ ہند نے مکے کے مشرکوں کی حمایت میں اس لڑائی (جنگ اُحد) میں جس جوش و خروش اور غیض و غضب کا مظاہرہ کیا اس سے دل کانپ جاتا ہے۔

جس وقت مکے کے کافروں اور مدینے کے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا اُس وقت ہند رجزیہ اور جوشیلے اشعار گا گاکر کافروں کو مارنے اور مرنے پر ابھار رہی تھیں۔ اُن کے جوش کا اندازہ اُن کے اشعار سے لگایا جا سکتا ہے جو وہ دوسری عورتوں کے ساتھ عرب کے مشہور ساز "دف" پر گا رہی تھیں۔ نمونے کے طور پر صرف دو اشعار کا ترجمہ نیچے دیا جاتا ہے۔

ہم آسماں کے تاروں کی بیٹیاں ہیں ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
اگر تم بڑھ کر لڑوگے تو ہم تم سے گلے ملیں گی اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی

اس لڑائی میں ہند کی وہ دلی مراد پوری ہوئی جو حضرت حمزہؓ کی شہادت کے لیے وہ مانگ رہی تھیں۔ جیسے ہی سنا کہ حضرت حمزہؓ

زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے اور اُن کی رُوح جسم سے نکل گئی۔ وہ حضرت حمزہؓ کی لاش کی طرف بڑھیں۔ لاش کا مُثلہ کیا، کلیجہ نکال کر چبایا اور اس طرح اپنے دل کو تسکین دی۔ ہند کا یہ انتقام اس قدر دردناک تھا کہ بڑے بڑوں سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ خود اُن کے شوہر ابوسفیان نے جب یہ سُنا تو بولا کہ میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا، لیکن ہند نے جو کچھ کیا اس سے مجھے رنج نہیں ہوا۔

حضرت حمزہؓ حضورؐ کے چچا تھے۔ عرب کے مشہور بہادر پہلوان تھے۔ اسلام کے ایک بڑے حامی اور پشتیبان تھے۔ سچے مسلمان تھے۔ حضورؐ کے دُودھ شریک بھائی بھی تھے۔ ساتھ کے کھیلے تھے۔ عمر میں سال ہی سوا سال کا فرق تھا۔ رشتہ کے اعتبار سے بھی کافی محبت کرتے تھے۔ پھر یہ کہ غریبوں کے ہمدرد اور بڑے فیاض انسان تھے۔ اُن کی ان خصوصیات نے حضورؐ کو اُن کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ انہی حضرتؓ حمزہؓ کی دل ہلا دینے والی صورتِ حال دیکھی تو آپؐ کو کتنا غم ہوا؟ اس کا اندازہ آپؐ کی اس قسم سے ہو سکتا ہے جو آپؐ نے اس موقعہ پر کھائی۔ "خدا کی قسم! ایک حمزہؓ کا بدلہ ستر کا فروں سے لوں گا۔" لیکن فوراً اللہ تعالیٰ نے ایسا بدلہ لینے سے منع فرما دیا۔ آپؐ نے صبر کیا اور قسم کا کفارہ دے دیا۔

ہند کی یہ سنگ دلی ہرگز اس قابل نہ تھی کہ انہیں معاف کیا جاتا۔ لیکن جب حضورؐ نے فتح مکہ کیا تو ابوسفیان کو بھی معاف کر دیا اور ہند کو بھی۔ ہند کو جب اس معافی کی خبر ملی تو وہ حیران رہ گئیں۔ اب دل نے کروٹ بدلی، اپنے کیے پر نادم ہوئیں۔ شرم کے مارے چہرے پر نقاب ڈال کر حضورؐ کی خدمت میں آئیں لیکن اس شان کی عورت کو بھلا حضورؐ کیسے نہ پہچان لیتے؟ آپ نے پہچان لیا تو حضرت ہند نے کہا کہ میں بیعت کرتے وقت آپؐ سے سختی کے ساتھ بات کروں گی۔ حضورؐ نے منظور فرمایا۔ اس کے بعد یہ گفتگو ہوئی۔

ہند: "یارسول اللہ! آپؐ ہم سے کن باتوں پر بیعت لیتے ہیں؟"

حضورؐ: "یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔"

ہند: "یہ اقرار آپؐ نے مردوں سے نہیں لیا، پھر بھی ہمیں منظور ہے"

حضورؐ: "چوری نہ کرنا۔"

ہند: "میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہوں، معلوم نہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟"

حضورؐ: "اولاد کو قتل نہ کرنا۔"

ہند: ہم نے اپنے بچوں کو پالا تھا، بڑے ہوتے تو جنگ بدر میں آپؐ نے اُن کو مار ڈالا، اب آپؐ اور وہ باہم سمجھ لیں۔"

حضرت ہندؓ نے اس ڈھٹائی کے ساتھ بیعت کی۔ لیکن جب دیکھا کہ حضورؐ کے چہرے پر بل تک نہیں آیا تو بولیں "یارسولؐ اللہ! اس وقت سے پہلے میں آپؐ کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتی تھی۔ لیکن اب آپؐ سے بڑھ کر میرا کوئی محبوب نہیں۔"

بیعت کے بعد حضرت ہندؓ گھر پہنچیں تو اب وہ، وہ ہندہ نہ تھیں جو پہلے تھیں۔ گھر میں عبادت کے لیے جو بت نصب کر رکھا تھا اُسے اُٹھا کر پٹک دیا۔ اُس پر لعنت بھیجی، اور کہا "تیری ہی بدولت ہم سب گمراہی میں پڑے تھے۔"

مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے اپنے ایمان کو پختہ سے پختہ تر کیا۔ پہلے جس قدر بغض اُن کو اسلام سے تھا۔ اب اس کی جگہ کفر نے لے لی۔ چنانچہ ایک ایسا ہی ولولہ جو عالمِ کفر میں اُحد کی لڑائی کے وقت اُن میں جوش مار رہا تھا، ویسا ہی ولولہ جنگِ یرموک کے موقع پر دیکھا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی خلافت کے زمانے میں یرموک کی لڑائی سخت ترین جنگوں میں سے ایک تھی۔ اس جنگ میں حضرت ابوسفیانؓ، اُن کی بیوی ہندؓ اور اُن کے بیٹے یزید بن ابی سفیان بڑے جوش کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس لڑائی میں ایک وقت ایسا

بھی آیا کہ مسلمانوں کے ایک دستے نے کم ہمتی دکھائی اور انہوں نے قدم پیچھے ہٹایا، تو حضرت ہندؓ نے تمام عورتوں کے ساتھ خیموں کی چوبیں ہاتھوں میں لے کر ڈانٹا اور کہا کہ اگر تم پیچھے ہٹے تو ہم ان چوبوں سے تمہیں ماریں گے۔ اُن کے اس طرح غیرت دلانے سے اُن پست ہمت مسلمانوں کے قدم جمے اور پھر انہوں نے یہ لڑائی جیت لی۔

حضرت ہندؓ بڑے باپ کی بیٹی اور رئیس کی بیوی تھیں۔ اس لیے سخاوت میں بڑھ بڑھ کر حصہ لیتیں۔ مسلمان ہونے کے بعد تو بہت زیادہ خیرات کرتیں۔ عالمِ کفر میں اسلام کے مقابلے میں جو طاقت صرف کر چکی تھیں اُسے یاد کر کے روتیں، اور اپنے رب سے معافی مانگا کرتی تھیں۔ وہ بے حد سمجھدار بھی تھیں۔ خود اُن کے والد عتبہ اُن سے اہم معاملات میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ حضرت ابوسفیان سے شادی خود انہوں نے اپنی مرضی اور باپ کی اجازت پاکر کی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں وفات پاگئیں حضرت معاویہؓ انہی حضرت ہندؓ کے بیٹے تھے جو آگے چل کر مشہور فاتح اور مسلمانوں کے خلیفہ ہوئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

دُنیا میں لاتعداد ایسے بزرگ گزرے ہیں اور آج بھی ہیں جن کی نیکی اور بزرگی کی قسم کھائی جا سکتی ہے، بے شمار ایسے جری اور پہلوان ہوتے ہیں اور آج بھی ہیں جن کی بہادری اور جرأت کے جھنڈے گڑے ہیں۔ ان گنت ایسے پاکباز اور اہل دل ہستیاں ہو چکی ہیں اور آج بھی ہیں کہ اگر وہ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔ اور نہ جانے کتنے اللہ کے بندے ایسے ہو گئے اور آج بھی ہیں جنہیں صبر و استقلال کا پہاڑ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ لیکن انہی خوش نصیبوں میں زیادہ تر بزرگ ایسے ملیں گے جو اپنی جگہ نہایت نیک، بڑے بہادر، انتہائی پاکباز اور حد درجہ صابر و شاکر تھے اور آج بھی ہیں۔ لیکن کوئی اپنے بھائی کی نالائقی سے نالاں نظر آتے گا، کوئی اپنی اولاد کی غلط روش سے متفکر دکھائی دے گا، کوئی اپنی بہو کا شاکی ہو گا اور کوئی اپنے پوتوں کے کرتوتوں کو رو رہا ہو گا۔ ہم نے بڑی دیدہ ریزی سے ان ہستیوں میں ایک ایسے خوش نصیب کو تلاش کرنا شروع کیا جو اپنی

جگہ بھی نیک ہو، بہادر ہو، پاکباز ہو، صبر و شکر کی چٹان ہو۔ اور اس کا بھائی بھی ایسا ہو، بیٹا بھی ایسا ہی ہو، اور پوتوں کی طرف سے بھی اُسے اطمینان ہو۔ تاریخ کے صفحات اُلٹتے اُلٹتے ہم پریشان ہو گئے۔ ہم تقریباً مایوس ہو چکے تھے کہ ہمیں ایک اور صرف ایک ہستی ایسی ملی۔ ہم ان سطروں کے پڑھنے والوں سے اس مبارک ہستی کا تعارف کراتے ہیں، اور اپنے قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ اس ہستی کے علاوہ اگر کسی کی نظر میں کوئی دوسرا ہو تو وہ ہماری واقفیت میں اضافہ فرمائیں۔

ہماری نظر میں وہ مبارک ہستی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ ہیں۔ نہایت جری اور حد درجہ صابر و شاکر۔ اُن کے بھائی کا نام سنئیے۔ اُن کے سگے بھائی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ترین چچا، اور اسلام کے جانبازوں میں صف اوّل کے فداکار سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، جن کی بہادری پر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناز تھا اور جن کی تلوار کے جوہر بدر و اُحد کی جنگ دیکھنے والوں نے دیکھے تھے۔ اور بہادرانِ عرب اُن کی جراًت و بہادری کا لوہا مانتے تھے۔

حضرت صفیہؓ کے فرزندِ ارجمند تھے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ الله

کے آخری رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص حواری جن کی ساری زندگی
جرات و بہادری کا نمونہ تھی۔ اور جنہوں نے اپنی جاں بازی اور
فداکاری کے باعث حواریٔ رسُولؐ کا لقب زبانِ رسالت سے پایا۔
یہ وہی زبیرؓ ہیں جن کا دُشمن اس وقت انہیں شہید کر سکا جب
کہ وہ اپنے مولیٰ کے آگے سر بسجود تھے۔ ویسے آنکھ ملانے کی
ہمت اُسے بھی نہ ہوئی۔

اب دیکھئے حضرت صفیہؓ کے گھر میں بہو آتی ہے۔ یہ بہو وہ
بزرگ اور بہادر خاتون ہیں جن کا نام تاریخ کی کتابوں میں سنہرے
حرفوں میں لکھا ہے۔ یہ بہو صبر و شکر کا وہ نمونہ ہیں جو اللہ کے
رسُولؐ کے یارِ غار حضرت صدیق اکبر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر
میں ڈھالی اور پالی گئیں اور پھر انہیں حضرت صفیہؓ کی بہو ہونے
کا شرف حاصل ہوا۔ اُن کا نام ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا،
جن کا بچپن، جن کی جوانی اور جن کا بڑھاپا، سب جرأت و بہادری
اور صبر و شکر کا آئینہ دار رہا۔ خاص طور پر اُن کے بڑھاپے کا وہ
واقعہ جو اُن کے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے سلسلے میں
پیش آیا، اور پھر اس وقت کے سب سے بڑے ظالم شخص "حجاج"
سے جس جرأت مندی سے ترکی بہ ترکی بے لاگ گفتگو کی، وہ انہی

کا حصہ تھا۔

یہی عبداللہ بن زبیرؓ حضرت صفیہؓ کے پوتے تھے، جو میدانِ جہاد میں "دجن"، کہے جاتے تھے۔ دوسرے پوتے حضرت مصعب بن زبیرؓ اپنے وقت کے تین بڑے بہادروں میں گنے جاتے تھے۔ نیز عروہ بن زبیرؓ اور حضرت صفیہؓ کے دوسرے پوتے بھی ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔

غور فرمایئے، کیسی ٹھنڈی ہوتی ہوں گی حضرت صفیہؓ کی وہ آنکھیں جو ایک طرف حضرت حمزہؓ جیسے بھائی کو، دوسری طرف زبیرؓ جیسے سپوت کو، تیسری طرف اسماءؓ جیسی بہو کو، اور پھر اپنے چاروں عبداللہؓ، مصعبؓ، اور عروہؓ جیسے پوتوں کو دیکھتی ہوں گی۔ واقعی اُن کا دل اللہ کے تشکر و احسان سے بھر جاتا ہوگا۔ حضرت صفیہؓ کا یہ مقام اتنا اونچا ہے کہ اس بلند مقام پر ہم انھیں تنہا ہی پا رہے ہیں۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔)

حضرت صفیہؓ کے اس تعارف کے بعد اب ہم اُن کی جراءت و بہادری کا ایک واقعہ نقل کریں گے۔ اور ایک ہی واقعہ اُن کے صبر و استقلال کا بھی لکھیں گے۔

غزوۂ خندق کا واقعہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کو روکنے کے لیے لشکرِ اسلام کو لے کر اُن کے مقابلے پر جا ڈٹے۔ یہاں عورتوں کو مشہور شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ کی نگرانی میں ایک قلعہ کے اندر ٹھہرا دیا تھا۔ حضرت حسانؓ کے سوا قلعہ میں دوسرا مرد نہ تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، مستقل طور پر (شاید) اعصابی مریض تھے۔ اس لئے وہ جنگ و قتال کے نام سے سہم جاتے تھے۔ معلوم نہیں کہ دُشمنوں کو پتہ چل گیا یا پتہ لگانا مقصود تھا، ایک بہادر سپاہی قلعے کے گرد سُن گن لینے آیا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ اگر واقعی عورتیں ہی عورتیں قلعے میں ہوں تو حملہ کر دیا جائے اور مسلمانوں کو دُہری مصیبت میں مبتلا کر دیا جائے۔ حضرت صفیہؓ نے اس شخص کو دیکھ لیا اور بھانپ بھی لیا کہ وہ کس غرض سے آیا ہے! انہوں نے حضرت حسانؓ سے کہا کہ جا کر اسے قتل کر دیں۔ حسانؓ نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ جواب دیا کہ اگر میں اس قابل ہوتا تو اللہ کے رسولؐ مجھے عورتوں میں کیوں چھوڑ جاتے؟ حضرت حسانؓ سے یہ سُنا تو حضرت صفیہؓ نے دُشمن کو خود ہی قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ خیمے کی ایک چوب اکھاڑلی اور اتنی جلد پہنچ کر اس کے سر پر دے ماری کہ دُشمن خبردار بھی نہ ہو سکا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اُسے گرا کر حضرت صفیہؓ نے حضرت

حسانؓ سے کہا "اچھا اب جاؤ، اُس کافر کا سر کاٹ لاؤ"، حضرت حسانؓ نے اب بھی وہی جواب دیا۔ آخر حضرت صفیہؓ ہی نے جاکر سر کاٹا اور قلعے کے باہر دُشمنوں کی طرف پھینک دیا۔ اپنے بہادر جاسوس کا سر دیکھ کر دُشمنوں نے سمجھ لیا کہ قلعے میں بہادر مردوں کی خاصی تعداد ہے۔ اور ادھر حملہ کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ چنانچہ حضرت صفیہؓ کی اس جرأت سے تمام مسلمان عورتیں محفوظ رہیں۔

حضرت صفیہؓ کی بہادری کا صرف ایک ہی واقعہ نہیں ہے ہم نے نمونے کے طور پر اسے پیش کیا ہے، ورنہ حضرت صفیہؓ حضورؐ کے ساتھ اکثر لڑائیوں میں شریک رہیں۔

جنگِ اُحد میں حضرت صفیہؓ کے بہادر اور پیارے بھائی قوتِ بازوئے اسلام حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے۔ دشمنوں نے اُن کی لاش کے ساتھ بڑی بے دردی کا برتاؤ کیا۔ ایک عورت نے لاش کے کان، ناک وغیرہ کاٹ کر ہار بنایا اور سینہ چیر کر کلیجہ نکالا اور چبا ڈالا۔ سیدالشہداءؓ کی یہ حالت دیکھ کر بڑے بڑوں کے دل ہل گئے۔ اللہ کے نبیؐ سے بڑھ کر صابر اور شاکر کون ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے قسم کھائی کہ ایک حمزہؓ کا بدلہ ستّر کافروں

سے لوں گا۔ لیکن اللہ نے اس قسم کو پورا کرنے سے روکا۔ حضورؐ نے قسم کا کفارہ ادا کر دیا اور اسلام کے جانباز سپاہی اور اپنے عزیز چچا کی موت پر صبر جمیل اختیار کیا۔

حضرت حمزہؓ عرب کے ان نامور پہلوانوں میں سے تھے کہ دوست اور دشمن سب اُن کی بہادری کے قائل تھے۔ سب کے دلوں پر اُن کی بہادری اور شجاعت کا رُعب بھی تھا۔ اور لوگ اُن کی عزت بھی کرتے تھے۔ پھر بھلا ایک بہادر بہن (حضرت صفیہؓ) کے بارے میں سوچیے، وہ اپنے بہادر اور فداکار اسلام بھائی کو کتنا چاہتی ہوں گی؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کی عاشق تھیں۔ انھوں نے سُنا کہ حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے اور کافروں نے اُن کی لاش کا مُثلہ کر ڈالا تو دیکھنے چلیں۔ جس وقت یہ جنگ کے میدان میں پہنچیں اس وقت کافروں کا دباؤ لشکرِ اسلام پر اتنا زیادہ تھا کہ انھوں نے سارے مسلمانوں کو منتشر کر دیا تھا۔ مسلمان پیچھے قدم ہٹانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ حضرت صفیہؓ نے یہ حالت دیکھی تو نیزہ ہاتھ میں لیا جس مسلمان کو دیکھا کہ پیچھے مڑ کر بھاگا، اُس کے پاس پہنچ کر اسے نیزے کی ڈانڈ (چھڑ) ماری روکا اور غصے ہو کر بولیں ۔۔ حیف ہے تم پر اللہ کے رسولؐ کا ساتھ

چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہو؟"

کافر مسلمانوں پر بُری طرح پلے پڑتے تھے اور حضرت صفیہ رضؓ مسلمانوں پر برس رہی تھیں۔ اُن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا۔ حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ "تمہاری ماں بھائی کی لاش کے پاس جا رہی ہیں۔ دیکھو وہ حضرت حمزہؓ کی لاش ہرگز نہ دیکھنے پائیں۔ حضورؐ کا خیال تھا کہ حضرت حمزہؓ کی لاش کی حالت بیحد خراب ہے۔ کوئی آنکھوں والا لاش کی دردناک حالت دیکھ کر صبر نہ کر سکے گا۔ پھر بھلا بہن سے کس طرح دیکھا جاتے گا اُن سے ضرور بے صبری ہو گی اور پھر سارے لشکر میں کہرام مچ جاتے گا۔

حضورؐ کے اس ارشاد کے مطابق حضرت زبیرؓ ماں کے پاس پہنچے۔ کہا "اماں جان! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ آپ واپس تشریف لے جائیں۔"

حضرت صفیہ رضؓ نہایت سمجھ دار اور ذہین خاتون تھیں، وہ حضورؐ کے حکم کا منشا سمجھ گئیں۔ جواب میں کہا "کیوں؟ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے بھائی کی لاش کا مُثلہ کیا گیا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ یہ بات میرے لیے ناقابلِ برداشت اور ناپسند ہے۔ لیکن میں صبر کروں گی اور اللہ نے چاہا تو ضبط سے کام لوں گی۔"

حضرت زبیرؓ نے ماں کا یہ پیغام حضورؐ کی خدمت میں پہنچایا۔ آپ نے اجازت دے دی۔ اب عاشق زار بہن ہر دلعزیز بھائی کی لاش کے پاس پہنچی۔ دیکھنے والے حیران تھے کہ حضرت صفیہؓ کہاں سے وہ دیدہ و دل لائیں گی اور اس بھیانک منظر کو دیکھ سکیں گی؟ مگر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ صبر کی ایک چٹان سرکتی ہوئی حمزہؓ کی لاش کے پاس پہنچی، رُکی، پھر اس چٹان سے آواز آئی " اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" اور پھر نہایت خاموشی سے واپس ہو گئی۔

واپسی پر حضرت صفیہؓ نے حضرت زبیرؓ کو دو چادریں دیں کہ کفن کے کام میں لائیں۔ لیکن حضرت حمزہؓ کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش بھی پڑی تھی۔ ایک چادر اس لاش کو دے دی گئی۔ اور دوسری سید الشہداءؓ کو ملی۔

حضرت صفیہؓ بہت عمدہ شاعرہ تھیں۔ بھائی کے غم میں انہوں نے صبر کی سل چھاتی پر رکھ تو لی، لیکن اس سے اُن کے دل و دماغ میں بھائی کی محبت کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ یہ طوفان ایک مرثیہ بن کر ظاہر ہوا۔ لیکن اس میں کوئی ایسی طاقت نہیں جس سے بے صبری و ناشکری کا اظہار ہوتا ہو۔ اس میں حضرت حمزہؓ کی

کی سخاوت اور شجاعت کا اعتراف ہے۔ آخر میں حضرت حمزہؓ کی شہادت سے اسلام کو، مسلمانوں کو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ پہنچا اسے منظم کیا ہے اس مرثیے میں حضورؐ سے مخاطب کرکے فرمایا:۔

"یا رسول اللہ! آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں سورج سیاہ ہو گیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ روشن تھا۔"

حضرت حمزہؓ بڑے فیاض تھے۔ اس کا بیان ایک انوکھے پیرائے میں کیا۔ فرمایا:۔

"وہ، وہ سخی تھا کہ مرنے پر بھی اس کی سخاوت جاری رہی۔ اس کی لاش کے لیے دو کفن لائے گئے۔ لیکن اس نے ایک اپنے پڑوسی کو دے دیا۔"

پڑوسی کا اشارہ انصاری شہید کی لاش طرف ہے۔ جن لوگوں نے یہ سنا، اعتراف کیا کہ صداقت اور فصاحت کے اعتبار سے یہ مرثیہ اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا عرب کی مشہور مرثیہ گو شاعرہ گزری ہیں۔ انہوں نے جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا۔ اور پھر مسلمان ہو کر اسلامی حکومت اور اسلامی نظریہ کی برکتیں بھی دیکھیں۔ اُن کی جاہلیت کی زندگی اور اسلامی زندگی پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان کے عقائد بدلنے کے بعد اس کے اندر کتنا زبردست انقلاب آتا ہے اور پھر اسی سے اسلامی اور غیر اسلامی زندگی کا نمایاں فرق ہمارے سامنے آجاتا ہے اور ہم اس نتیجے پر آسانی سے پہنچ جاتے ہیں کہ اسلامی تعلیم کی بدولت ایک انسان کتنا صابر و شاکر ہو جاتا ہے۔ نیچے ہم حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی زندگی کے دونوں رُخ نہایت اختصار سے پیش کرتے ہیں۔

پہلا رُخ

حضرت خنساءؓ کے مسلمان ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اُن

دو بھائی تھے۔ ایک کا نام معاویہ اور دوسرے کا صخر تھا۔ یہ دونوں بھائی خنساءؓ کو بے حد پیارے تھے۔ انہیں دونوں سے محبت تھی۔ لیکن صخر کے علم، اُس کی سخاوت، شجاعت، اور دوسری خوبیوں نے خنساء کو زیادہ گرویدہ کر رکھا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے اندر قبیلوں کے درمیان آئے دن تلواریں چلا کرتی تھیں۔ ایک بار قبیلۂ بنی اسد اور اُن کے قبیلے میں ٹھن گئی۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اُن کا ایک بھائی معاویہ اس لڑائی میں مارا گیا اور دوسرا بھائی صخر دُشمن کے نیزے سے زخمی ہو کر صاحبِ فراش ہو گیا۔ ایک بھائی (معاویہ) کے غم کی ماری بہن نے دوسرے بھائی کو موت سے بچانے کے لیے اپنی صحت کی پرواہ نہ کی۔ دل و جان سے اُس کی (صخر کی) تیمارداری میں لگ گئیں۔ لیکن صخر کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے۔ وہ جان بَر نہ ہو سکا اور پورے ایک سال تک بہن سے تیمارداری کی خدمات لے کر اس دُنیا سے چل بسا۔ اس حادثے نے بہن کو دیوانہ بنا دیا۔ خنساءؓ دن رات بھائی کی یاد میں روتیں۔ وہ ایک نہایت فصیح و بلیغ شاعرہ تھیں۔ بھائی کی یاد میں مرثیے ان کی زبان پر جاری ہو گئے۔ ان مرثیوں کو وہ عام مجمعوں میں بڑی دلسوزی اور رقت

کے ساتھ پڑھتیں۔ خود روتیں، اور سننے والوں کو رُلاتیں۔ وہ اپنے بھائی کی یاد میں روتے وقت اپنا سینہ پیٹتیں۔ سر کو پتھروں سے ٹکراتیں، اپنے کپڑے پھاڑتیں اور ایسے دردناک اشعار میں گریہ کرتیں کہ دُشمنوں کو اُن پر ترس آنے لگتا۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے یہ مرثیے عربی ادب کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ آج بھی عربی ادب میں ان مرثیوں کا مقام بہت اُونچا سمجھا جاتا ہے۔ عرب کے تمام نامور شعراء نے حضرت خنساءؓ کو مرثیوں کا بادشاہ تسلیم کیا ہے۔

دوسرا رُخ

اس کے بعد ایک دن وہ بھی آیا کہ وہ اپنے قبیلے کے وفد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آئیں اور مسلمان ہو گئیں۔ اُن سے اشعار سنانے کی فرمائش کی گئی۔ وہ دیر تک اشعار سناتی رہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے بڑھ کر اس وقت فصیح و بلیغ کون تھا۔ لیکن حضورؐ بھی حضرت خنساءؓ کی فصاحت و بلاغت پر تعجب کا اظہار فرماتے رہے۔

حضرت خنساءؓ حضورؐ کے بعد مدینے آیا کرتی تھیں۔ وہ ام المومنین

حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضری دیتیں۔ حضرت عائشہؓ اُن کے مرثیے سنتیں اور صبر کی تلقین کرتیں۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں بھی آیا کرتیں۔ حضرت عمرؓ کے ایک بھائی زیدؓ بن خطاب نہایت متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ اُن کے تقویٰ کی وجہ سے حضرت عمرؓ اُن کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ وہ ایک لڑائی میں شہید ہو گئے۔ تو حضرت عمرؓ کو بڑا صدمہ ہوا۔ حضرت خنساؓ تعزیت کے لیے آئیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے زیدؓ کا مرثیہ لکھنے کے لیے کہا۔ اس کے جواب میں حضرت خنساءؓ نہایت فصیح و بلیغ اور نہایت سچی بات کہی۔ انہوں نے کہا:

"خدا کی قسم! میں صخر اور معاویہ پر ہرگز نہ روتی اگر اُن کی موت زیدؓ کی طرح ہوتی۔"

یہ سُن کر حضرت عمرؓ پھڑک اُٹھے، فرمایا:

"خنساءؓ سے بہتر میرے بھائی کی تعزیت کسی نے نہیں کی۔"

بات صاف ہے۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے دونوں بھائی کفر کی حالت میں مارے گئے تھے۔ اور حضرت زیدؓ نے شہادت پائی تھی۔

دیکھا آپ نے! اب جو حضرت خنساءؓ نے اسلام قبول کر کے آخرت کی کامیابی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا تو اب وہ اپنے بھائیوں کے لیے کیا رونا روتی ہیں۔ اسی آخرت کی کامیابی کی تلقین وہ اپنی اولاد کو کیا کرتی تھیں اور انہیں شہادت کے لیے اکسایا کرتی تھیں۔

حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں قادسیہ کی جنگ بڑی مشہور جنگوں میں سے ایک ہے۔ اس جنگ میں حضرت خنساءؓ اپنے چار جوان بیٹوں کے ساتھ شریک ہوئیں۔ اس لڑائی میں مسلمان لشکر کے سپہ سالار مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ ایک دن انہوں نے فیصلہ کن جنگ کا تہیہ کیا۔ اس دن حضرت خنساءؓ نے اپنے بیٹوں کو جن لفظوں میں خطاب کیا۔ اُن کا ترجمہ ہم نیچے دیتے ہیں۔ کس قدر پر جوش اور فصیح و بلیغ ہے یہ خُطبہ، فرمایا:

"میرے پیارے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے اور اپنی مرضی سے تم نے ہجرت کی۔ قسم ہے اس ہمیشہ رہنے والے خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جس طرح تم اپنی ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اسی طرح تم اپنے ایک ہی باپ کے سگے بیٹے ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے خیانت نہیں کی اور نہ تمہارے ماموں کو رُسوا کیا۔ تمہارا نسب

بے داغ ہے اور تمہارے خاندان میں کوئی عیب نہیں ہے۔
اے بیٹو! تم جانتے ہو کہ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفّار سے جہاد کرنا بڑا ثواب ہے۔ تم اس کو اچھی طرح جان لو اور خوب سمجھ لو کہ ہمیشہ رہنے والی آخرت کے مقابلے میں یہ مٹ جانے والی دُنیا کچھ بھی نہیں۔ خدا تعالیٰ آلِ عمران میں فرماتا ہے "مسلمانو! ان تکلیفوں کو جو اللہ کی راہ میں تم کو پیش آئیں برداشت کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرو اور آپس میں مل کر رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ (آخرت میں) تم اپنی مراد کو پہنچو۔" تو اے بیٹو! جب تم دیکھو گھمسان کا رن پڑا اور جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور اس کے انگارے لڑائی کے میدان میں بکھر گئے تو دُشمن کی فوجوں میں گھس جاؤ اور بے دریغ تلوار چلاؤ اور اللہ تعالیٰ سے نصرت و کامرانی کی دُعا کرتے رہو۔ اللہ نے چاہا تو آخرت کے دن شرف پاؤ گے اور کامیاب ہو گے۔"

حضرت خنساءؓ کے چاروں بیٹے اپنی ماں کی نصیحت کے مطابق جوش میں بھرے ہوئے لشکرِ کفار پر حملہ آور ہوئے۔ لڑائی پورے شباب پر تھی وہ دُشمن کی فوج میں گھس گئے۔ بہت دیر تک بہادری سے لڑتے رہے

آخر ایک ایک کرکے شہید ہو گئے۔ اُن کی شہادت کی خبر حضرت خنساءؓ نے سُنی تو کہا، "خُدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے بیٹوں کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا، مجھے اللہ کی رحمت سے اُمید ہے کہ میں اپنے بچوں سے اللہ کی رحمت کے سایے میں ملاقات کروں گی۔" اور پھر صبر اختیار فرمایا۔ یہ وہی خنساءؓ ہیں جو اپنے بھائی کی وفات پر دیوانی ہو رہی تھیں اور اب اپنے جگر گوشوں کی موت پر فخر کا اظہار کر رہی ہیں۔ اسلام کی تعلیم اور ایمان کے تقاضوں نے کیا سے کیا بنا دیا حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو۔

اُمّ المومنین

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

" ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں مجھے اتنا رشک کسی پر نہ آتا تھا جتنا خدیجہؓ پر۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہ تھا۔ بس اتنی بات تھی کہ آنحضرتؐ ان کو اکثر یاد کیا کرتے تھے۔"

اوپر جو سطور لکھی گئی ہیں مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کے ابتدائی حصے کا ترجمہ ہیں۔ یہ حدیث ہماری ان محترم اور بزرگ ماں نے بیان فرمائی ہے جن کے فضل و کمال اور علم و اجتہاد سے احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان

کی موجودگی میں حضورؐ[1] کا حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو یاد کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ خدیجہؓ غیر معمولی خوبیوں اور صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ آیئے غور کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اکثر کیوں یاد فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ کیا ام المومنین حضرت خدیجہؓ بے حد حسین اور خوبصورت خاتون تھیں ؟ حسن و جمال کے سلسلے میں حضرت عائشہؓ آگے چل کر خود فرماتی ہیں کہ حضرت خدیجہؓ ایک معمرؓ خاتون تھیں۔ دوسری حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امہات المومنین میں خود حضرت عائشہؓ حضرت صفیہؓ اور حضرت زینب زیادہ حسین تھیں۔ پھر ہمیں پورے یقین کے ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ ظاہری حسن و جمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف مائل نہیں کر سکتا تھا پھر کیا وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اکثر یاد فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہؓ سے شادی کی اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔ ۶۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا ان کی موجودگی میں حضورؐ نے کوئی شادی نہیں کی۔

۲:۔ کیا امّ المومنین حضرت خدیجہؓ علم میں اعلیٰ مقام رکھتی تھیں؟ ایسا بھی نہ تھا، ان کی علمی استعداد کا تذکرہ ہمیں کہیں نہیں ملتا۔ تمام محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ علم و کمال کے اعتبار سے حضرت عائشہؓ اکابر صحابہؓ کی صف میں بھی ممتاز تھیں۔ پھر کیا وجہ تھی کہ حضورؐ اس عالم فاضل ام المومنین کے سامنے حضرت خدیجہؓ کو یاد فرمایا کرتے تھے۔

۳۔ کیا ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مال و دولت اور حسب و نسب میں اعلیٰ و ارفع مقام رکھتی تھیں؟ بے شک یہ بات تھی لیکن ان صفات میں دوسری امہات المومنینؓ بھی کم نہ تھیں، حضرت عائشہؓ رئیس مکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کی بیٹی تھیں۔ ابوبکرؓ فیاض، غربا پرور اور عالی خاندان بھی تھے۔ حضرت صفیہؓ سردار خیبر کی بیٹی اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ حضرت حفصہؓ فاروقِ اعظم حضرت عمرؓ کی اور حضرت ام حبیبہؓ رئیس مکہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں اسی طرح تمام امہات المومنین عالی نسب اور صاحب ثروت

رؤسا کی بیٹیاں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ رشتے حسب ونسب اور جاہ وثروت کے اعتبار سے عرب کے معزز اور ممتاز گھرانوں سے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہؓ اس حیثیت سے منفرد نہیں تھیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کیا مال و دولت اور حسب نسب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی وجہ کشش ہو سکتی تھی؟ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بار سردار قریش عتبہ نے حضورؐ کے سامنے دعوت دین میں معمولی لچک اور رواداری پیدا کرنے کے لیے کہا تھا اور اس کے عوض عرب کی منتخب تینہ، سات پشتوں تک کے خرچ کا خزانہ اور عرب کی سرداری کی پیش کش کی تھی، مگر حضورؐ نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔ جب یہ بھی وجہ کشش نہیں تو پھر کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ حضورؐ حضرت خدیجہؓ کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے؟

۴:- اس چھان بین کے بعد حضرت خدیجہؓ کا صحیح مقام جاننے کے لیے ہم حضرت عائشہؓ ہی کی ارشاد فرمائی ہوئی ایک حدیث کے آخری حصے سے رجوع کرتے ہیں۔ حضرت

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

"خدا کی قسم ہرگز نہیں، خدا نے ان سے بہتر بیوی مجھے نہیں دی۔ خدیجہؓ اس وقت ایمان لائیں جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے اور انھوں نے اس وقت مجھے اپنا مال (اقامتِ دین کے لیے) دیا جب لوگ مجھے مال دینے کے لیے تیار نہ تھے۔"

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہؓ ہی کی زبانی مزید یہ الفاظ ملتے ہیں۔

"جب میرا کوئی معین و مددگار نہ تھا۔ اس وقت انھوں نے اقامت دین میں میری مدد کی۔"

دراصل یہی وجہ تھی انھیں یاد کرنے کی۔ حضرت خدیجہؓ کا عقد جس دن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا اس دن سے لے کر مرتے دم تک تن من دھن سے حضورؐ پر قربان رہیں۔ پھر مسلمان ہونے کے بعد تو سراپا "ایثار" بن گئیں، ان کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے اس دعوے کی دلیل ہے۔ اقامتِ دین میں تمام امہات المومنین میں وہ اپنی مثال آپ تھیں۔ آج اقامت دین کے لیے دنیا میں ہر جگہ تحریکیں چل رہی ہیں مرد

بھی اس تحریک میں حصہ لے رہے ہیں اور عورتیں بھی۔ ضرورت ہے کہ اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے حالات زندگی بار بار ہمارے سامنے آتے رہیں، انہیں پاک نمونوں کی روشنی میں ہمیں وہ راہ مل سکتی ہے جس کے ذریعے ہم اپنی منزلِ مقصود کی طرف ثابت قدمی سے بڑھ سکتے ہیں۔

تعارف

حضرت خدیجہؓ مکّے کے ایک رئیس خویلد کی بیٹی تھیں ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ ماں باپ دونوں قریش خاندان سے تھے۔ قریشی ہونے کی حیثیت سے انھیں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی نسبت تھی یہ خاندانی نسبت کچھ زیادہ دور کی نہ تھی۔ تیسری چوتھی پشت پر ہی حضرت خدیجہؓ کا نسبی سلسلہ حضورؐ کے جدِ اعلیٰ قصی سے مل جاتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ اس زمانے میں پیدا ہوئی تھیں۔ جب عرب کی جہالت اپنے پورے شباب پر تھی۔ اس جہالت کا آلۂ کار مادی حیثیت سے کمزور اور غلام مردوں اور نفسانی خواہشات

کی تکمیل کے لیے عورتوں کو بنا پڑتا تھا۔ کفر و شرک نے عام طور پر لوگوں کو توہمات۔ فخر و غرور، شراب نوشی، قماربازی، سود خوری، عیاشی اور جنگ و جدال میں مبتلا کر دیا تھا۔ بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ شعراء اپنے اشعار میں اپنی محبوبہ کا نام بھری محفل میں فخر کے ساتھ لیتے تھے اور جتنے بڑے گھرانے کی عورتیں ان کی طرف ملتفت ہوتی تھیں اسی نسبت سے ان کے فخریہ کلام میں گرمی اور روانی پیدا ہو جاتی تھی۔ آنکھوں کا پانی اس درجہ مر چکا تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹے اپنی سوتیلی[1] ماؤں کو ترکہ کی طرح آپس میں تقسیم کر لیا کرتے اور اپنی بیویاں بنا لینے میں ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ جن اخلاقی خرابیوں میں مرد پیش پیش تھے۔ عورتیں بھی بڑھ بڑھ کر ان میں حصہ لیتی تھیں۔ ایسے بگڑے ماحول اور گندے معاشرے میں حضرت خدیجہؓ شرم و حیا

---

[1] اس وقت عام رواج تھا کہ مرد جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا۔ مردوں کے لیے کسی مخصوص تعداد ازدواج کی پابندی نہ تھی۔ سیاسی اور معاشرتی اغراض کے اعتبار سے یہ بات عام پسند تھی کہ کسی کی بہت سی بیویاں ہوں

اور پاک دامنی کے اس مقام پر فائز تھیں کہ لوگ انہیں "طاہرہ" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ کبریٰ لقب پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمام امہات المومنین میں بزرگ و برتر تھیں اور ام المومنین کا خطاب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات کو عطا فرمایا تھا۔

ابتدائی حالات

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایک معزز اور مالدار باپ کی خوبصورت اور نیک سیرت بیٹی تھیں اس لیے ان کے بالغ ہوتے ہی قریش کے بڑے بڑے گھرانوں سے شادی کے پیغامات آنے لگے۔ چنانچہ ایک صاحب ریاست و امارت گھرانے کے ایک نوجوان ابو ہالہ سے شادی ہوئی۔ ابو ہالہ سے ان کے دو لڑکے ہوئے ایک ہالہ دوسرے ہند، ہالہ نوجوانی میں ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ ہند نے کافی عمر پائی وہ مسلمان ہوئے اور ایک لڑائی میں کام آئے۔

ابو ہالہ زیادہ دنوں زندہ نہیں رہے۔ شادی سے کچھ سال

بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ نے عتیق بن عائذ سے عقد کر لیا۔ عتیق بھی ایک بڑے گھرانے (مخزومی قبیلے) سے تعلق رکھتے تھے۔ ان سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس لڑکی کا نام بھی ہند تھا ہند نے آگے چل کر اسلام قبول کیا اور صاحب اولاد ہوئیں ممتاز صحابی حضرت محمد مخزومیؓ انہی کے بطن سے تھے۔

دوسرے شوہر عتیق بھی جلد ہی چل بسے۔ اسی زمانہ میں حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد مشہور لڑائی "حرب الفجار" میں مارے گئے اور حضرت خدیجہؓ دوسری بار بیوہ ہونے کے ساتھ یتیم بھی ہو گئیں۔ چونکہ باپ ایک تاجر پیشہ اور مالدار شخص تھے اس لیے ان کے بعد حضرت خدیجہؓ ایک بڑی جائداد کی مالک ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر تیس سال کی تھی۔ اب بھی بہت سے لوگوں نے ان سے شادی کرنا چاہی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ ایک عقلمند اور باہمت خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی جائداد کی طرف توجہ کی اور کاروبار کو سنبھالا، کاروبار کے سلسلہ میں انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کسی تجربہ کار

اور دیانت دار آدمی سے معاملہ کرلیتیں۔ پھر جب تجارتی قافلے مکے سے سامان تجارت لے کر باہر جاتے تو ان کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا مال بھی ہوتا۔ قافلے کی واپسی پر حساب کتاب ہو جاتا اور حصہ رسد فریقین کو نفع مل جاتا۔

حضرت خدیجہؓ نے اس طرح دس برس تک کاروبار کو چلایا۔ اس کے لیے انھیں ایک امین اور خوش معاملہ آدمی کی مستقل تلاش رہی۔ وہ اپنے غلاموں سے لوگوں کے نجی حالات دریافت کیا کرتیں۔ آخر انھیں اس میں کامیابی ہوئی ایسی کامیابی جو ان کے خواب وخیال میں بھی نہ آسکتی تھی وہ چند روزہ دنیاوی تجارت کو فروغ دینے کے لیے ایک بہترین شریک کار کی تلاش کر رہی تھیں۔ خوش قسمتی سے انھیں وہ مبارک اور برگزیدہ ہستی مل گئی، جس سے آگے چل کر ہمیشہ رہنے والی آخرت کی زندگی کا سودا ہوگیا، اس ہستی نے ان کو اُخروی تجارت کے سامان سے مالا مال کر دیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پچیس سال کے ہو چکے تھے، اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہ کر آپ نے تجارت میں اچھا خاصا تجربہ حاصل کر لیا تھا۔ آپ کی صداقت

دیانت اور خوش معاملگی کا چرچا خاص و عام کی زبان پر تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے سنا تو ایک شخص کے ذریعہ کہلایا کہ اگر آپ میرے شریک کار ہو جائیں تو میں جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا آپ کو دوں گی۔ حضورؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ کر کے منظور کرلیا۔ اور حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر ایک قافلے کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ اور ایک رشتہ دار خزیمہ کو آپؐ کے ساتھ کر دیا۔ واپسی پر حضرت خدیجہؓ نے دیکھا کہ اس دفعہ تجارت میں دوگنا منافع ہوا۔ انھوں نے اپنے دونوں آدمیوں سے سفر کا حال پوچھا تو دونوں نے حضورؐ کے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ اطوار کی بے حد تعریف کی، اب خدیجہؓ کے دل میں خود بخود آپ سے شادی کرنے کی تمنا پیدا ہوئی۔ لیکن اس تمنا کے ظاہر کرنے میں وہ بڑی جھجک محسوس کر رہی تھیں۔ غیور خاتون تھیں، اس لیے سوچ رہی تھیں کہ بڑے بڑے متمول قریشیوں کے پیغام نکاح رد کر چکی ہوں۔ اب ایک غیر دولتمند شخص سے شادی کر لینے پر لوگ نہ جانے کیا کہیں؟ نیز یہ بھی خیال آتا تھا کہ ان کی عمر چالیس سال کی ہے۔ اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال۔ عمر کے اعتبار سے بھی جوڑ نہیں۔ معلوم نہیں حضورؐ قبول فرمائیں یا انکار کر دیں۔ الغرض اسی ذہنی الجھن سے وہ بے چین رہنے لگیں۔

حضرت خدیجہؓ نہایت پختہ ارادہ اور فہیم خاتون تھیں انھوں نے اس معاملے کو نہایت سلیقے سے طے کیا۔ انہوں نے اپنی ایک معتمد سہیلی نفیسہ کو اپنا راز دار بنا کر حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ نفیسہ نے بڑی خوبصورتی سے اس مسئلے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ حضرت خدیجہؓ کی سیرت سے بخوبی واقف تھے۔ آپؐ نے نفیسہ کی تجویز منظور کر لی، اپنے چچا ابو طالب سے ذکر کیا۔ انھوں نے بھی پسند کیا، حضرت خدیجہؓ کی مراد بر آئی۔ اور حضورؐ سے ان کا عقد ہو گیا۔

حضورؐ سے محبت

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر انسان کی فکر و عادت میں ایسی پختگی آ جاتی ہے کہ پھر

وہ آسانی سے انھیں دوسری طرف موڑ نہیں پاتا اور اگر اس کی فکر و عادت کی پشت پر مال و دولت کی طاقت ہوتی ہے، تو پھر ان کا موڑنا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے لیکن حضرت خدیجہؓ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ رئیس زادی تھیں، یکے بعد دیگرے دو رئیسوں سے شادی کر کے عیش و آرام کی زندگی گزار چکی تھیں۔ انہیں اپنی چالیس سالہ زندگی کے ہر دور میں خوشی و مسرت حاصل رہی اور وہ اب بھی رئیس تھیں، ہو سکتا تھا کہ مال دار ہونے اور مال دار گھرانوں سے وابستہ ہونے پر ناز و نعم میں پلی ہوئی عورتوں کی طرح بدمزاج، مغرور اور ضدی ہوتیں اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ حضورؐ کو غریب جان کر خاطر میں نہ لاتیں اور بات بات میں دبانے کی کوشش کرتیں، لیکن وہ ایک عالی ظرف اور نہایت سلامت رو انسان تھیں۔ اس شادی کے بعد پچیس سال تک زندہ رہیں پچیس سال کی اس طویل مدت میں ہمیں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے پتہ چل سکے کہ انھوں نے حضورؐ کی مرضی کے خلاف کوئی ادنیٰ کام بھی کیا ہو۔ حضورؐ کی فقر پسندی

کے باوجود نہایت خندہ جبینی کے ساتھ آپؐ کا استقبال کیا اور عمر بھر قدم قدم پر آپؐ کا ساتھ دیا اور اپنی خدمات سے ہمیشہ آپؐ کو خوش رکھا۔

ابھی تک حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ کو دُور سے دیکھا تھا، حضورؐ کی دیانت، صداقت اور خوش اخلاقی کے چرچے سُنے تھے، اب جو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو حضورؐ کو اخلاق حسنہ کے اس بلند مقام پر پایا جس سے زیادہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کی توفیق شاملِ حال تھی۔ حضرت خدیجہؓ حضورؐ کی حرکات و سکنات سے متاثر ہوئیں اور پورے طور پر حضورؐ کے رنگ میں رنگ گئیں۔ انھوں نے دیکھا کہ حضورؐ یتیموں، غلاموں، بیواؤں اور غریبوں کی سرپرستی اور امداد کو پسند فرماتے ہیں، تو انہوں نے اپنا سارا کاروبار اور اپنی تمام دولت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دی اور حضورؐ نے جتنا مال جس طرح چاہا خرچ کیا۔ جو مال جسے چاہا دے دیا اور جس غلام کو جب چاہا آزاد کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے دیکھا کہ حضورؐ سادہ اور معمولی زندگی سے خوش ہوتے ہیں تو انھوں نے

سی تاخیر اور تامل کے بغیر سادہ اور معمولی زندگی اختیار کرلی اور اب تک خدیجہؓ کی جو دولت ذاتی آسائش پر خرچ ہو رہی تھی، خلقِ خدا کے کام آنے لگی۔

حضورؐ دیکھ رہے تھے کہ چچا ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہیں ہے، ان پر گھر کے خرچ کا بہت زیادہ بوجھ ہے اس لیے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے علی ابن ابی طالب کو اپنی کفالت میں لے لینے کا مشورہ کیا۔ حضرت خدیجہؓ فوراً راضی ہوگئیں۔ حضورؐ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی حضرت خدیجہؓ کے گھر رہنے لگے۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی پرورش و پرداخت اور انھیں پروان چڑھانے میں حضرت خدیجہؓ کا ہاتھ نہیں تھا جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کی زندگی بے حد مصروف زندگی تھی اور آپؐ اس زمانے کے بعد نزول وحی تک زیادہ سے زیادہ گوشۂ تنہائی پسند فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ حضورؐ سے اس درجہ محبت کرتی تھیں کہ بیسیوں لونڈیوں اور غلاموں کے باوجود وہ حضورؐ کی خود

خدمت کرتیں اور خدمت کر کے مسرت محسوس کرتی تھیں نزولِ وحی سے پہلے جب حضورؐ غارِ حرا میں گوشہ نشین رہنے لگے تھے۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ ضرورت کا سامان خود لے جا کر دے آتی تھیں، غارِ حرا ان کے مکان سے تین میل کی دوری پر تھا۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا حضرت خدیجہؓ کی کامیاب ازدواجی زندگی کا روشن نمونہ ہے لیکن یہ حضرت خدیجہؓ کا کوئی کارنامہ نہیں ہے۔ اگر وہ ایک فرمانبردار بیوی ہی کی حد تک ہوتیں تو دنیا میں ایسی بہت سی عورتیں گزری ہیں۔ جن کے لیے ہم قلم اٹھا کر معاشرتی زندگی کی کوئی نہ کوئی مثال پیش کر دیتے۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا اصل کارنامہ وہ ہے جو ہم آگے بیان کرتے ہیں۔

حمایتِ اسلام

حضرت خدیجہؓ سے شادی ہونے کے پندرہ برس بعد اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا، غارِ حرا میں پہلی بار جب آپؐ پر وحی کا

نزول ہوا تو نبوت کی اہم ذمہ داریوں کے احساس سے
آپؐ کے قلب مبارک پر ایک طرح کا لرزہ طاری ہو گیا۔ آپؐ
وہاں سے گھر تشریف لائے آکر لیٹ گئے اور حضرت خدیجہؓ
سے فرمایا۔ "مجھے کپڑا اوڑھا دو۔" حضرت خدیجہؓ نے اوڑھا
دیا کچھ دیر بعد جب آپؐ کا دل قابو میں آیا تو حضرت خدیجہؓ
سے نزول وحی اور راہِ نبوت کے خطرات کا ذکر کیا۔ اس موقعہ
پہ اگر کوئی دوسری عورت ہوتی تو یہ انوکھا ماجرا سن کر گھبرا
جاتی یا معاملہ ہی اس کی سمجھ میں نہ آتا۔ لیکن حضرت خدیجہؓ
جیسے پہلے سے یقین کیے بیٹھی تھیں کہ جو ہستی انسانیت کا مکمل
نمونہ ہے اسے اللہ کا رسول بننا ہی چاہیے۔ وہ نہ تو گھبرائیں
اور نہ ہی ان کے دل میں کسی قسم کا وسوسہ پیدا ہوا۔ وہ
معاملے کی نوعیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھ گئیں۔ انھوں نے آپؐ
کو تسلی دی۔ آپ کی صلہ رحمی، صداقت، دیانت، خوش معاملگی، غربا نوازی، یتیم پروری
اور دیگر خوبیوں کو سراہتے ہوئے کہا "نہیں ہرگز نہیں، آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔
خدا آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ قرابت داروں کا حق ادا کرتے ہیں۔
لوگوں کے بوجھ کو اٹھاتے ہیں، فقیروں اور مسکینوں کی امداد
فرماتے ہیں۔ مسافروں کو مہمان رکھتے ہیں۔ اور انصاف و حق

کی خاطر مظلوموں کے کام آتے ہیں۔ خدا آپؐ کا ساتھ ہرگز نہ چھوڑے گا۔

اس موقعہ پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے نفسیاتی اعتبار سے ایک بڑی ذہانت کا کام کیا، ان کے ایک قریبی رشتہ دار ورقہ بن نوفل تھے۔ وہ انبیاءِ کرام کی تعلیم اور ان کے طریقِ دعوت سے واقف تھے۔ عرب کی بُت پرستی اور رسم و رواج اور توہمات سے متنفر ہو کر عیسائی ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے یہ سمجھ لیا کہ اگر حضورؐ کا یہ ماجرا وہ سنیں تو یقین ہے ضرور تصدیق کریں گے۔ اور اس سے حضورؐ کے قلب کو تقویت پہنچے گی۔ چنانچہ وہ آپؐ کو لے کر ان کے پاس گئیں۔ حضرت خدیجہؓ کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ ورقہ بن نوفل نے وحی کا واقعہ سن کر کہا:۔

"یہ تو وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا تھا۔ اے کاش کہ میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تمہاری قوم تم کو نکال دے گی۔"

حضورؐ نے پوچھا۔ "کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی؟" جواب دیا۔ "ہاں" تم جو کچھ لے کر آئے ہو اسے لے کر جو کوئی بھی آیا اس سے لوگوں نے دشمنی ہی کی۔ اگر میں اس

وقت تک زندہ رہا تو میں تمہاری مدد کروں گا۔

اس گفتگو کے بعد حضرت خدیجہؓ حضورؐ کو لے کر گھر چلی آئیں، اس کے تھوڑے دنوں بعد ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا۔ وہ غریب حمایتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا اپنے دل میں لیے دنیا سے سدھار گئے لیکن ان کی یہی تمنا انہی کے خاندان کی ایک خاتون (حضرت خدیجہؓ) کے جسم و روح میں سرایت کر گئی۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس وقت حضرت خدیجہؓ پچپن سال کی پختہ کار خاتون تھیں اس عمر میں پہنچ کر انسان عموماً دُور اندیش اور مصلحت کیش ہو جاتا ہے اور خطرات میں پڑنے سے گریز کرتا ہے۔

اقامتِ دین میں پہلی قربانی

عام بات ہے کہ عورت کو بڑھاپے میں شوہر سے زیادہ اولاد سے محبت ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت خدیجہؓ کا معاملہ اب دوسرا تھا، حضورؐ اب شوہر سے بڑھ کر رسولِ خدا تھے۔ اب معاملہ شوہر کی رضا کا نہیں بلکہ

رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ رسولؐ کا تھا۔ اب معاملہ اس دنیا کی چند روزہ زندگی کا نہ تھا بلکہ اُس دنیا کی زندگی کا تھا جو چند روزہ نہیں دائمی ہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اس دنیا (آخرت) کو سامنے رکھ کر اپنے کو سنوارنا شروع کر دیا اور اپنی اولاد کی زندگی کا انحصار بھی اسی دنیا کی کامیابی پر رکھا اور اسی کے لیے رضائے الٰہی محبت رسول اور حمایتِ اسلام کو بنیاد بنا کر اپنی اولاد کو پوری تربیت دینا شروع کر دی اور بحمد اللہ وہ اس میں کامیاب ہوئیں۔

واقعہ ہے کہ تحریکِ اسلامی کے ابتدائی ایام میں ایک بار جب رسولِؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا علان کیا تو دفعتاً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، کفار قریش کے نزدیک کعبے میں توحید کا اعلان حرم کی سب سے بڑی توہین تھی چنانچہ ہر طرف سے لوگ آپؐ پر ٹوٹ پڑے۔ یہ خبر سن کر سب سے پہلے جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو پہنچا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب یعنی حضرت خدیجہؓ کے جانباز بیٹے ہالہ تھے۔ وہ بلا تامل بیچ میں کود پڑے ان کی اس مداخلت سے حضورؐ تو محفوظ رہے مگر چاروں

طرف سے ان پر اتنی تلواریں پڑیں کہ وہ جانبر نہ ہو سکے
اسلام کی راہ میں جان کی پہلی قربانی اسی محترم ماں کے جانباز
بیٹے نے پیش کی جس نے مردوں اور عورتوں میں سب
سے پہلے اسلام قبول کیا۔

ہالہ نے تو ابتدائے جوانی میں جب انسان کا جوش و خروش
پورے عروج پر ہوتا ہے یہ قربانی پیش کی تھی۔ حضرت
خدیجہؓ الکبریٰ نے اپنے ننھے ننھے بچوں میں یہ جذبہ پیدا
کر دیا تھا کہ کمزور اور کمسن ہوتے ہوئے کفار کو ڈانٹ دیا
کرتے تھے۔ ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ سجدے میں تھے کہ
ابوجہل کے اشارے سے ایک شخص نے اونٹ کی اوجھ لا کر
آپؐ پر ڈال دی اور اس طرح حضورؐ کو صدمہ پہنچا کر خوشی
کا اظہار کرنے لگے یہ خبر حضرت فاطمہؓ کو ہوئی اس وقت
ان کی عمر پانچ چھ سال کی تھی لیکن وہ دوڑ کر گئیں اور اس
کمسنی میں نہایت جرأت اور بے باکی کے ساتھ کافروں
کو سخت سست کہا اور حضورؐ کے اوپر سے اوجھ ہٹا دی
حضرت فاطمہؓ حضرت خدیجہؓ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔

حضرت رقیہؓ کی جدائی

اس سلسلے میں حضرت خدیجہؓ کی ایک اور پیاری بیٹی حضرت رقیہؓ (جو حضورؐ سے تھیں) کا واقعہ بھی سننے کے لائق اور سبق آموز ہے۔ مکے میں تحریکِ اسلامی کا ایک یہ دور بھی آیا جب قریشِ مکہ نے اسلام کے شیدائیوں کو مکے میں رہنا دوبھر کر دیا تھا، حالات ناقابلِ برداشت دیکھ کر حضورؐ نے مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ ان ہجرت کرنے والوں میں حضرت رقیہؓ اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھیں۔ ان عزیزوں کا معاملہ کچھ ایسا نازک تھا کہ اپنی خیریت کی اطلاع بھی اپنوں کو نہ دے سکے ایک مدت تک داماد اور بیٹی کا حال حضرت خدیجہؓ کو معلوم نہ ہو سکا۔

جن لوگوں نے انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اولاد مر جائے تو طبیعت ٹھہرتے ٹھہرتے کچھ دنوں کے بعد سنبھل جاتی ہے لیکن اگر اولاد مفقود الخبر ہو جائے۔ تو کیسے کیسے اندیشے آ آ کر دل و دماغ کو بے چین کرتے رہتے ہیں ایک جانکاہ کوفت ہوتی ہے جو اندر ہی اندر انسان

کو گھلایا کرتی ہے۔ لیکن فنا فی الاسلام حضرت خدیجہؓ ا
صابر و شاکر ماں تھیں کہ کبھی ایک لفظ شکوہ بھی ان کی زبا
سے نہ نکلا وہ راضی برضا کا بہترین نمونہ بنی رہیں۔ بہت دنو
کے بعد ایک عورت کے ذریعے داماد اور بیٹی کی خیریت معلو
ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور ام المومنی
نے آمین کہی۔

اس واقعہ سے ایک طرف ماں کے صبر و ایثار کا انداز
ہوتا ہے تو دوسری طرف بیٹی کے عزم و استقلال کا بھی پتہ
چلتا ہے کیا بیٹی کے اس عزم و استقلال کو پروان چڑھانے وا
حضرت خدیجہؓ کے سوا کوئی اور تھا؟

تین حامی اسلام

تحریک اسلامی کی ابتدائی آزمائشوں میں جب اسلام کا
دم بھرنے والوں پر ناقابل برداشت مظالم ڈھائے جا رہے تھے
تین بزرگ رسول خداؐ کی حمایت میں پیش پیش رہے۔ ان
میں سے ایک حضورؐ کے چچا ابوطالب تھے ان بزرگ کو حضورؐ
سے فطرتاً محبت تھی۔ اور وہ اپنی اولاد سے زیادہ آپؐ کو

چاہتے تھے، پھر انھوں نے اپنے والد عبدالمطلب سے بھتیجے کی پرورش اور نگرانی کا عہد کیا تھا۔ ابوطالب نے اس عہد کو سخت سے سخت ناموافق حالات میں بڑی جرأت کے ساتھ پورا کیا۔ اس وقت جبکہ قریش مکہ کا وفد دوٹوک بات کرنے ان کے پاس آیا اور کہا کہ " ابوطالب ! یا تو بھتیجے کو منع کرو کہ وہ ہمارے معبودوں کو ذلیل نہ کرے یا تم درمیان سے ہٹ جاؤ تو ہم اس سے آخری طور پر نپٹ لیں ۔" اس وقت گو بڑا نازک معاملہ تھا پوری قوم مشتعل تھی، ابوطالب کا دل کانپ گیا مگر بالآخر انہوں نے جو فیصلہ کیا وہ انھیں کے لفظوں میں سننے کے لائق ہے۔ حضورؐ سے کہا :-

" بھتیجے، تو اپنا کام جاری رکھ یہ لوگ تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے ۔"

ابوطالب کے یہ الفاظ پوری قوم کو ایک طرح کا چیلنج تھے اس چیلنج کو قوم نے کس طرح قبول کیا اور ابوطالب نے اسی برس سے زائد عمر میں اس کے مقابلے میں کیا استقامت دکھائی اس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے ۔

دوسرے بزرگ جو رضائے الٰہی اور حمایت رسول میں اپنا سب کچھ نچھاور کر رہے تھے ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ تھے

یہ بزرگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے دوست اور رفیق تھے، اسلام کا نام سنتے ہی بلا تامل ایمان لائے اور پھر انہوں نے اپنے تمام دوستوں کو اسلام کی طرف موڑا۔ حضرت زبیرؓ، طلحہؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ ابو عبیدہ بن جراحؓ، سعد بن وقاصؓ، عثمانؓ بن عفان اور ان جیسے دوسرے اصحاب رسولؐ (جو اللہ سے راضی رہے اور اللہ ان سے راضی ہوا) کا اسلام میں جو مقام ہے اس سے ہر شخص واقف ہے حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت کا ایک بڑا باب ہے کہ انھوں نے ان جیسے حضرات کو اسلام کی طرف مائل کیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت صرف ان حضرات کو راہ ہدایت دکھانے پر ختم نہیں ہوتی۔ انھوں نے ان غلاموں کو بڑی سے بڑی قیمت پر خرید کر کے آزاد کر دیا جو مسلمان ہو کر قریش کے ظلم وستم کا شکار رہتے تھے۔ کفار اس سلسلے میں صدیق اعظمؓ سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے تھے۔ اور صدیق اعظم نہایت کشادہ دلی سے منہ مانگی رقم ادا کرتے تھے۔ جب امیہ بن خلف کو ایک بھاری رقم دے کر حضرت بلالؓ کو آزاد کرایا تو حضورؐ نے فرمایا۔ " اس مال میں مجھے بھی شریک کیجئے" عرض کیا۔ " حضورؐ میں بلالؓ کو آزاد کر چکا۔"

حضرت صدیقؓ کے یہ دو واقعے جن کے اندر بیسیوں واقعات ہیں نمونہ کے طور پر نقل کئے گئے۔ ان کے علاوہ ان کی حمایت کے واقعات کا ایک طویل سلسلہ ہے جو ان کی زندگی بھر قائم رہا وہ رسولِ خدا کے مشیرو رازدار تھے یارِ غار اور معین و مددگار تھے ہمنوا اور فداکار تھے، زبانِ رسالتؐ نے خود اقرار فرمایا ہے کہ اسلام کو جتنا فائدہ ابوبکرؓ سے پہنچا ہے، اتنا کسی دوسری ذات سے نہیں۔

حاصل کلام حمایتِ اسلام میں ابوطالب اور ابوبکرؓ کے کارنامے وہ کارنامے ہیں جو ظاہر و نمایاں ہیں لیکن جس ہستی کی خدمات اسلام کی راہ میں دودھ میں گھی کی طرح شامل رہیں وہ بزرگ ہستی ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تھی دودھ میں گھی کسی کو نظر نہیں آتا لیکن دودھ کی ساری طاقت اسی کی بدولت ہوتی ہے، دودھ سے گھی نکالنے کے بعد دودھ وہ دودھ نہیں رہتا جو زندگی کو قوت بخشتا ہے یہی حال حضرت خدیجہؓ کی خدمات کا تھا۔ عورت ہونے کی حیثیت سے ان کی خدمات اس چشمے کی مانند تھیں جو زمین کے اندر جاری ہو اور کسی درخت کی جڑ سے قوت بخش رہا ہو لیکن کسی کو

نظر نہ آتا ہو۔

کفارِ مکہ جب دشنام طرازیوں اور طعن وطنز سے حضورؐ کا کلیجہ چھلنی کر دیتے اور ان کے آوازوں سے دل شکستہ ہو کر حضورؐ گھر تشریف لاتے اور ملول ورنجیدہ ہو کر متفکر لیٹ جاتے تو ایک طرف سے یا ایھا المزمل اور یا ایھا المدثر پکارنے والی آواز دل کو تسکین دیتی تو دوسری طرف حضرت خدیجہؓ اپنی زبان اور اپنے دل کی پوری قوت کے ساتھ دلجوئی کرتیں اور ایسی باتیں کرتیں کہ حضورؐ کا غم غلط ہو جاتا۔ وحی اوّل کے نزول پر انہوں نے جن تدبیروں سے حضورؐ کے دل کو تقویت پہنچائی اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ یہی حال ہر موقعہ پر تھا۔ ابن ہشام میں ہے دکانت لہٗ وذیرٌ صدقٍ علی الاسلامِ یعنی وہ اسلام کے معاملے میں آنحضرت کی سچی مشیر تھیں

ایک دوسرے انداز سے بھی حضرت خدیجہؓ کی خدمات عظیم خدمات نظر آتی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو نبوت کی ذمہ داریاں سپرد فرمائیں اس وقت دو حیثیتوں سے آپؐ بیحد مصروف تھے۔ اللہ کے فضل سے آپؐ صاحب اولاد بھی

تھے اور حضرت خدیجہؓ کی تجارت کے ذمہ دار بھی تھے۔ ایک تحریک کی مصروفیت اور اس کی ذمہ داریوں کے ساتھ گھریلو زندگی کا نظم ایک داعی کے لیے بڑا مشکل اور دشوار ہوتا ہے لیکن اللہ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں حضرت خدیجہؓ پر، انھوں نے جیسے ہی دیکھا کہ تحریک اسلامی کی ذمہ داری حضورؐ کے سر آئی ویسے ہی گھر کا سارا نظم اپنے کندھوں پر لے لیا، چھوٹے بڑے بچوں کی دیکھ بھال، گھر کی نگرانی اور خانہ داری کے بندوبست سے حضورؐ کو بالکل فارغ کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل یکسو ہو کر دینِ قیم کی دعوت و تبلیغ میں لگ گئے اور حضرت خدیجہؓ کی تجارت کی آب و تاب یکدم ماند پڑ گئی۔

حضرت خدیجہؓ کی اس خاموش خدمت کا اعتراف اور ان کی محبت کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جو دن بھر کا تھکا ہارا گھر پہنچ کر شریکِ حیات کی ایک نظر کا امیدوار ہوتا ہے اور جب ادھر سے وہ بھی نصیب نہ ہو تو پھر غریب کا جو حال ہوتا ہے اس کا اظہار لفظوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہری وجوہ اور دلائل کی دنیا میں کیا کوئی شخص کہہ سکتا

ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہؓ کو حضورؐ کی حمایت پر نہ کھڑا کردیتا تو تحریک اسلامی کے ابتدائی مرحلے ایسے درخشاں اور کامیاب نہ ہوتے جیسے ہم دیکھ رہے ہیں۔

تحریک اسلامی کے ابتدائی دَور میں ابو طالب کی خدمات عظیم ترین خدمات ہیں۔ دعوت و تبلیغ کے مرحلوں میں حضرت ابوبکرؓ کا ایثار یقیناً اپنی آپ مثال ہے لیکن صنفِ نازک کے اس مہتم بالشان نمونے کا ثانی بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے ہاتھوں سے حضورؐ کے دل کی جراحتوں پر مرہم رکھ کر جو ٹھنڈک پہنچائی، وہ کسی اور سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مدارج النبوۃ کی جلد ۲ میں ہے:۔

"قریش کی تکذیب و توہین سے حضورؐ کو جو اندوہ و غم ہوتا اور آپؐ کے دل کو جو صدمہ پہنچتا وہ حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر اور ان کو دیکھ کر دور ہو جاتا اور آپؐ خوش ہو جاتے اور جب آپؐ (قریش کی ایذا رسانی کا ذکر) خدیجہؓ سے کرتے تو وہ حضورؐ کی رسالت کی تصدیق اور قریش کے معاملے کو آپؐ کے سامنے ہلکا کرکے پیش کرتیں اور اس طرح حضورؐ کے دل کی کبیدگی کو دھویا کرتیں۔"

بائیکاٹ

تحریکِ اسلامی کی حمایت میں کفارِ مکہ کو وہ ہاتھ تو نظر نہ آتا تھا جو پردۂ غیب سے حضورؐ کی پشت پناہی کرتا تھا۔ لیکن وہ ابوطالب، ابوبکرؓ اور خدیجۃ الکبریٰؓ کی حمایت کو دیکھتے تھے وہ دستِ غیب سے تو پنجہ آزمائی نہیں کر سکتے مگر ان تینوں بزرگوں کو دبانے کی کھلی اور چھپی ہر طرح کی کوششیں کرتے رہے لیکن ان کی ایک بھی پیش نہ گئی۔ وہ رسولِؐ خدا کو دعوتِ دین سے روک نہ سکے۔ انہوں نے اسلام لانے والوں کو بھی ہر طرح ستا کر دیکھ لیا مگر کہیں بھی انہیں کامیابی نہ ہوئی الٹے وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اس تحریک کو جتنا ہی دبایا جاتا اتنا ہی اور ابھر رہی ہے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، قریشِ مکہ کے گروہ سے کٹ ہی جاتا ہے۔ مختلف قسم کی جدوجہد سے ناکام ہو کر انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل بائیکاٹ کا منصوبہ بنایا۔ سب نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم تحریکِ اسلامی کے قائدِ اعظم کو برائے قتل ہمارے حوالے نہ کریں، ان سے رشتہ ناطہ، لین دین،

ملنا جلنا خرید و فروخت اور تمام انسانی تعلقات ختم۔

یہ معاہدہ لکھ کر کعبے کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اب بنی ہاشم کا مکے والوں کے درمیان رہنا ناممکن ہوگیا۔ رئیس خاندان ابوطالب مجبوراً بنی ہاشم کو لے کر اپنے مقبوضہ پہاڑی درے میں چلے گئے یہ درہ انھیں کے نام سے شعب ابی طالب مشہور تھا۔ اس وقت اگر حضرت خدیجہؓ چاہتیں تو تحریک اسلامی کی حمایت ترک کرکے بخوشی قوم کے ساتھ باعزت طور سے رہ سکتی تھیں لیکن باہمت ام المومنینؓ نے تحریک اسلامی کی حمایت میں قوم کو ٹھکرا دیا اور اسلام کی خاطر شعب ابی طالب میں گھر کر رہنا گوارا کرلیا، کفار نے ناکہ بندی کر دی کہ کھانے پینے اور زندگی بسر کرنے کی کوئی چیز درے میں نہ جانے پائے اور نہ کوئی شخص درے سے نکل کر کوئی چیز حاصل کرسکے ان کا خیال تھا کہ مجبور ہوکر ایک نہ ایک دن بنی ہاشم کندھے ڈال دیں گے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جس کے ذہن میں کبھی رنج و کلفت کا تصور بھی نہ آیا ہو اور جو ہمیشہ دولت و ثروت سے کھیلتی رہی ہو اسی خاتون نے شعب ابی طالب کی ساری سختیاں ہنستے کھیلتے

جھیل لیں اور ہمارے لیے ایک نمونہ چھوڑ گئیں کہ ایک عورت عورت ہوتے ہوئے بھی تحریک اسلامی کو آگے بڑھانے میں کسی سے پیچھے نہیں رہتی۔

یہ بائیکاٹ دو چار دن اور دس پانچ مہینوں کا نہ تھا مکمل تین برس ان عزیزوں پر دانہ پانی بند رہا، اس عرصے میں کیا کیا مصیبتیں ان غریبوں نے جھیلیں اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ حصار میں بوڑھے بھی تھے، جوان بھی، بچے بھی، بیمار بھی، مرد بھی، عورتیں بھی، انسان اپنی حد تک اور اپنے اوپر بڑی سے بڑی تکلیف گوارا کر سکتا ہے لیکن فداکاری کا یہ معیار کہیں نظر نہیں آتا کہ آنکھوں کے سامنے معصوم اور ننھے بچے بھوک اور پیاس سے ماں کے سامنے روئیں اور وہ کچھ نہ کر سکتی ہوں، جوان عورتوں اور مردوں نے درختوں کی پتیاں کھا کھا کر بھوک کو مٹایا اور انھوں نے سوکھے چمڑے بھون بھون کر معدے کی کچھ نہ کچھ خواہش پوری کر دی لیکن بچوں کا کیا ہو؟ اور پھر جس کی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے نرم اور جسے پروردگارِ عالم نے فطرتًا رقیق القلب بنایا ہو اور جو عورت مرد سے زیادہ اولاد پر شفیق اور عاشق ہو اسے اس وقت کون

سمجھائے جب ننھا بچہ زبانِ حال سے العطش العطش پکارے اور غریب
ماں اپنے لختِ جگر اور اپنی خشک چھاتیوں کو دیکھے اور ہاتھ مل کر اور دل
مسوس کر رہ جائے ہم نے تاریخ عالم میں مردوں اور عورتوں کی مختلف
تحریکات کے لیے بڑی سے بڑی قربانیاں دیکھی ہیں۔ لیکن کیا تاریخ عالم
کا ایک صفحہ بھی تحریک اسلامی کی ان محصور خواتین کے ایثار و قربانی اور
اور ضبط و صبر کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

قریش کی بے رحمی اور سنگدلی کا یہ عالم تھا کہ وہ باہر سے بچوں کے
رونے اور چیخنے کی آوازیں سنتے تھے اور قہقہہ لگا کر خوش ہوتے تھے اور
حصار پر سخت سے سخت پہرہ لگاتے چلے جاتے تھے۔ تحریک اسلامی
کی پوری داستان محفوظ ہے ہر شخص اسے دیکھ سکتا ہے یہ داستان خود
گواہ ہے کہ اس کٹھن وقت میں حضرت خدیجہؓ کا کردار سب سے زیادہ
نمایاں رہا۔ مستورات عام طور پر ہر بات سے جلد متاثر ہو جاتی ہیں اور
پھول کی طرح بادِ مخالف کے معمولی جھونکوں سے مرجھا جاتی ہیں اور زبان سے کیا کچھ کہنے
نہیں لگتیں مگر کیا کوئی ایک لفظ بھی حضرت خدیجہؓ کی زبان سے نکلا ہوا ایسا پیش
کر سکتا ہے جس میں صبر و رضا کے سوا کچھ اور پایا جاتا ہو۔ اُمّ المومنینؓ شوہر سے کہہ سکتی
تھیں کہ کیا آپ نے بیٹھے بٹھائے مصیبت مول لے رکھی ہے۔ ہٹائیے یہ سب کھکیڑ،
آپ نے خواہ مخواہ یہ کیا روگ پال رکھا ہے۔ ماریئے گولی اس تحریک

کو۔ میں نے تو سوچا تھا کہ آپؐ کے ساتھ سکون سے زندگی بسر کروں گی آپؐ نے کہاں کانٹوں میں لا ڈالا؟ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس ناقابل برداشت دَور میں حضرت خدیجہؓ کو اگر کوئی فکر تھی تو بس یہی کہ شوہر پر آنچ نہ آئے اس لیے کہ شوہر اللہ کا رسولؐ ہو چکا ہے اور تحریک اسلامی اس کے دم قدم پر منحصر ہے۔

اس بائیکاٹ کے زمانے میں بعض واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ محصورین کو دو ایک بار باہر سے امداد مل گئی تھی مگر جب اس امداد کو جانچ پڑتال کر دیکھا گیا تو اس میں حضرت خدیجہؓ کا ہاتھ نظر آیا۔ واقعہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے اپنے غلام کے ذریعے پھوپھی کے لیے کچھ گیہوں بھیجے۔ غلام نہایت احتیاط اور حفاظت سے لیے جا رہا تھا لیکن کفارِ مکہ بھی غافل نہ تھے۔ ابوجہل نے دیکھ لیا۔ غلام کو جا پکڑا اور گیہوں چھیننے لگا۔ غلام بھی وفادار تھا اس نے چاہا کہ کسی طرح بچ کر نکل جائے مگر ابوجہل نے نہ چھوڑا۔ شور مچا دیا اور کشمکش ہونے لگی۔ اتنے میں ابوالبختری نامی ایک دوسرا شخص آ پہنچا۔ وہ بھی مکے میں صاحبِ اثر تھا حالانکہ وہ مسلمان نہ تھا لیکن حضرت

خدیجہؓ کی وجاہت سے واقف تھا اور فطرتاً کسی قدر انسانیت پسند تھا اسے ابوجہل کا رویہ بُرا لگا اس نے ابوجہل کو ڈانٹ دیا اور بولا ایک شخص اپنی پھوپھی کے پاس کھانے کی چیز بھیجتا ہے تو تُو روکنے والا کون ہوتا ہے۔ پھر اتنا اصرار کیا کہ ابوجہل کو راستے سے ہٹنا پڑا اور سامان شعب ابی طالب میں پھوپھی کے پاس پہنچ گیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ "پھوپھی" ہماری سب کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ہی تھیں، جن کے طفیل سے کبھی کبھی دانہ پانی دیکھنا مظلوموں کو نصیب ہو جاتا تھا۔

تحریک اسلامی کی تاریخ بتاتی ہے کہ بائیکاٹ تین برس کے بعد ختم ہوا۔ اس سے بھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے پس پردہ کارناموں کی جھلک نمایاں ہوتی ہے، تمام روایات کو ترتیب دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے وہ اپنے عزیزوں کو مصیبتوں میں دیکھتے دیکھتے گھبرا اٹھے چنانچہ ہشام مخزومی[1] اپنے خاندان کے رئیس ابوطالب

[1] یاد ہوگا کہ حضرت خدیجہؓ کا دوسرا عقد اسی خاندان (مخزومی) میں ہوا تھا
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے بھانجے زبیر سے ملا اور غیرت دلائی کہ زبیر! شرم نہیں آتی۔ تم سے نوالا حلق کے نیچے کیسے اتارا جاتا ہے جب کہ تمہارے ماموں کو ایک دانہ بھی نصیب نہیں ہوتا!" زبیر بھی بھرا ہوا تھا۔ یہ طنز سن کر تڑپ گیا جواب دیا۔ "کیا کروں مجبور ہوں اکیلا اور تنہا ہوں اگر ایک شخص بھی میرا ساتھ دینے کو تیار ہو جائے تو میں اس ظالمانہ معاہدے کو نوچ کر پھینک دوں۔" یہ سن کر ہشام نے حامی بھری۔ پھر یہ دونوں مطعم کے انسانیت پسند لوگوں کے پاس گئے اور تین آدمی اور مل گئے اب یہ پانچوں کعبے میں گئے۔ زبیر نے قریش کو مخاطب کر کے پکارا۔ "اہلِ مکہ! یہ کیا انصاف ہے کہ لوگ تو آرام سے کھائیں پئیں اور آل ہاشم دانے دانے کو ترسیں۔ خدا کی قسم! جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ پھاڑ کر نہ پھینکا جائے گا۔ اس وقت تک ہم خاموشی سے نہیں بیٹھ سکتے۔" یہ سن کر دوسری طرف سے ابوجہل بولا۔ "کوئی اس معاہدے کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔" زبیر

اور اس خاندان کی یادگار ایک لڑکی "ہند" اس حصار میں اپنی ماں یعنی خدیجہؓ کے ساتھ تھی۔

کے ساتھی زمعہ نے بڑھ کر ابوجہل کو ڈانٹ دیا اور کہا "تو جھوٹا ہے، جب یہ معاہدہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم اس سے راضی نہ تھے"!

بات چیت میں گرمی شروع ہی ہوئی تھی کہ زبیر کے طرفدار ایک جوشیلے شخص مطعم بن عدی نے ہاتھ بڑھا کر معاہدے کو نوچ لیا اور پھاڑ کر پھینک دیا، اس کے بعد پانچوں اشخاص ہتھیاروں سے سج کر شعب ابی طالب میں گئے اور محصورین کو باہر نکال لائے۔

اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ اس ضعیفی میں ام المومنین رض نے جس ہمت و جرائت صبر و استقامت اور ایثار و حمایت کا ثبوت دیا وہ تحریک اسلامی کی خواتین کے لیے بہترین اسوہ ہے ہی۔ مردوں کے لیے بھی نمونہ ہے۔

تحریکِ اسلامی کا سالِ غم

آلِ ہاشم شعب ابی طالب کی آزمائشوں سے کامیاب واپس ہوئے لیکن ان آزمائشوں کی جانکاہ تکلیفوں اور روح فرسا اذیتوں نے دو ضعیف العمر بزرگوں کی صحت کو گھلا ڈالا۔ ایک ابوطالب، دوسری حضرت خدیجہ رضؓ، ان کی صحت پھر سنبھل نہ سکی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد یکے بعد دیگرے دونوں بزرگ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

ان دونوں کے انتقال سے تحریک اسلامی دو ظاہری اور بڑے سہاروں سے محروم ہو گئی ان دو ظاہری سہاروں کے اٹھ جانے سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ اور غم ہوا اس کا اندازہ دوسرا نہیں کر سکتا۔ حضورؐ اکثر اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) فرمایا کرتے تھے۔ یہ سال حقیقت میں رسولِ خدا اور تحریک اسلامی کے لیے

غم کا سال تھا، ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ اپنے رسوخ اور وجاہت کے اثر سے کام لے کر اسلام کی حمایت میں دیوار کا کام کر رہے تھے اور ان کی وجہ سے قریش حضورؐ پر ہاتھ ڈالتے ہوئے جھجکتے تھے۔ اس دیوار کا ہٹنا تھا کہ قریش مکہ کو اب کسی کا پاس اور لحاظ نہ رہا اور اب وہ تحریک اسلامی کے قائد ہی کو ختم کرنے کے منصوبے سوچنے لگے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ خاص کی ایذا رسانی کے سلسلے میں جو ناقابلِ برداشت مظالم تاریخ اسلام میں پائے جاتے ہیں وہ سب اسی زمانے میں ہوئے، راستے میں کانٹوں کا بچھانا، نماز پڑھنے میں گردن پر اوجھ ڈالنا، گلے میں چادر لپیٹ کر کھینچنا، شریر لڑکوں کا پیچھے پیچھے ہنسی اڑانا، خاک اور کوڑا کرکٹ سر پر پھینکنا۔ قرآن کے لانے والے یعنی جبریلؑ اور قرآن کے اتارنے والے یعنی خدا کو (نعوذ باللہ) گالیاں دینا، طائف کا سفر اور وہاں حضورؐ کو لہولہان کیا جانا یہ سب واقعات حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کے انتقال کے بعد کے ہیں۔

اب سگے چچا ابولہب کو (جو اسلام اور قائد اسلام

کا کٹر دشمن تھا۔) کھل کر حضورؐ کو ستانے کی جرأت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں کسی مجمع عام میں دعوت اسلام کا وعظ فرماتے تو ابولہب ساتھ جاتا اور آپؐ کے ساتھ ساتھ برابر سے کہتا جاتا "یہ جھوٹ کہتا ہے۔"

اب اگر کوئی ہر موقعہ پر آکر حضورؐ کی حمایت کرتا تو وہ صرف ایک ذات ابوبکر صدیقؓ کی تھی۔ ایک بار آپؐ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ نے آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی، اتنے میں ابوبکرؓ آگئے اور آپؐ کا شانہ مبارک پکڑ کر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا۔ اور کہا کہ "اس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے"، لیکن کیا حضورؐ کے قتل کا ارادہ قریش نے ترک کر دیا؟ نہیں انھوں نے ایک رات قتل کا منصوبہ بنایا۔ حجت تمام ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ہجرت کا حکم دیا۔ اور آپؐ مدینے ہجرت فرما گئے۔

اُمّ المؤمنینؓ کی یاد

امّ المومنین حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضورؐ نے متعدد شادیاں کیں اور تمام ازواج مطہرات نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے رسولِؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور تحریکِ اسلامی کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا لیکن حضرت خدیجہؓ کی وفات سے حضورؐ کی زندگی میں جو خلا پیدا ہو گیا تھا وہ عمر بھر پُر نہ ہو سکا۔ حضورؐ کے دل پر ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی جدائی سے جو گہرا زخم لگا تھا وہ مندمل نہ ہوا۔ آپؐ عمر بھر اسلام کی اوّلیں علمبردار اور اپنی پہلی رفیقۂ حیات کو یاد فرماتے رہے۔ آپؐ ان کی مالی قربانیوں کو یاد کرتے، ان کے ایثارِ نفس کو یاد فرماتے، ان کے زرّیں مشورں اور تسلّی بخش جملوں کو یاد فرماتے۔ یہاں تک کہ ان کی نشانی دیکھتے یا ان کی کسی سہیلی یا بہن کی آواز سن لیتے تو یاد فرماتے اور آبدیدہ ہو جاتے۔ اس سلسلے کے کچھ واقعات بطور

تذکیر پیش کیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم اسی حدیث کو مکمل طور سے دہرائیں گے، جس کے ایک ابتدائی اقتباس سے ہم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا تذکرہ شروع کیا تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں مجھے اتنا رشک کسی پر نہ ہوتا تھا جتنا خدیجہؓ پر۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا تک نہ تھا۔ بس اتنی بات تھی کہ حضورؐ ان کو اکثر یاد فرماتے رہتے۔ حضورؐ کبھی بکری ذبح فرماتے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے کرکے خدیجہؓ کی سہیلیوں کے پاس بھیجتے پس حضورؐ سے عرض کرتی کہ آپؐ کے نزدیک جیسے خدیجہؓ کے سوا دنیا میں کوئی عورت ہی نہیں ہے؟

حضورؐ فرماتے کہ ہاں وہ ایسی اور ایسی تھیں وغیرہ

" ایسی اور ایسی" کی تشریح مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوتی ہے:-

ایک بار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں اور اسلامی تہذیب کے مطابق دروازے پر کھڑی ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے

ملتی تھی ان کی آواز سنتے ہی حضورؐ کو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں۔ آپؐ بے ساختہ چونک پڑے اور فرمایا "ہالہ ہوں گی" اس وقت حضرت عائشہؓ موجود تھیں۔ حضورؐ کا یہ انداز دیکھ کر ان کو بڑا رشک ہوا بولیں "آپ یہ کیا ایک معمّر خاتون کو یاد کرتے رہتے ہیں جو مر چکیں اور خدا نے آپؐ کو ان سے بہتر بیویاں عطا فرمائیں" اس پر حضورؐ نے فرمایا "خدا کی قسم! ہرگز نہیں خدا نے ان سے بہتر بیوی مجھے نہیں دی۔ خدیجہؓ اس وقت مجھ پر ایمان لائیں جب لوگ مجھ کو جھٹلاتے تھے۔ اور انہوں نے اس وقت مجھے (اقامتِ دین) کی خاطر اپنا مال دیا۔ جب لوگ مجھے مال دینے کے لیے تیار نہ تھے"۔

یہ حدیث حضرت عائشہؓ نے بیان فرمائی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے ملتی جلتی دوسری حدیث ہے جس میں مزید یہ الفاظ ہیں:-

"جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے میری تصدیق کی جب میرا کوئی معین و مددگار

نہ تھا اس وقت انھوں نے میری مدد کی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:۔

"اپنے زمانے کی تمام عورتوں میں سب سے اچھی عورت مریم بنت عمران ہیں اور اپنے زمانے کی تمام عورتوں میں سب سے اچھی خدیجہؓ بنت خویلد ہیں۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

دنیا کی بزرگ ترین عورتوں میں کون ہیں؟ اس کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ مریمؑ، خدیجہؓ فاطمہؓ اور آسیہؓ ہیں[1]

جنگ بدر میں جن لوگوں کو مسلمانوں نے گرفتار کیا تھا ان میں حضورؐ کے داماد ابوالعاص[2] بھی تھے جو

---

[1] یہی حدیث دوسرے لفظوں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔

[2] ابوالعاص اس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔

حضورؐ کی پیاری بیٹی حضرت زینبؓ کے شوہر تھے۔ جس طرح دوسرے اسیروں سے زر فدیہ طلب کیا گیا اسی طرح ابوالعاص سے بھی مانگا گیا۔ لیکن وہ اس وقت خالی ہاتھ تھے، ابوالعاص نے زر فدیہ کے لیے گھر کہلا بھیجا۔ حضرت زینبؓ اس وقت مکے ہی (سسرال) میں تھیں انہوں نے اپنا ہار زرِ فدیہ کے عوض بھیج دیا۔ یہ ہار انھیں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے جہیز میں دیا تھا۔ حضورؐ نے اس ہار کو دیکھا تو مرحومہ رفیقۂ حیات یاد آگئیں اور آپؐ رو پڑے۔ صحابہؓ سے فرمایا اگر تم چاہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس دے دو۔" سب نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ہار واپس کر دیا۔

اللہ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں ام المومنین حضرت خدیجہؓ پر جن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خوش رہے اور تمام عمر یاد فرماتے رہے، اللہ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں ام المومنین حضرت خدیجہؓ پر جنہوں نے ایمان لانے میں سب سے پہلے سبقت کی اللہ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں حضرت

خدیجہؓ پر جنہوں نے تحریک اسلامی کی جڑوں کو اپنی جان، اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنی ساری صلاحیتوں کے ذریعے مضبوط کیا اور اللہ ان خواتین کو ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جو آج تحریکِ اسلامی کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ سرگرمِ عمل ہیں ٭

فہرست عنوانات

پیارے خلیفہ

- حضرت ابوبکر رضؓ ———— ۵
- حضرت عمر رضؓ ———— ۸۹
- حضرت عثمان رضؓ ———— ۱۵۴
- حضرت علی رضؓ ———— ۱۶۳

پیارے ساتھی

- حضرت ابوذر غفاری رضؓ ———— ۱۷۹
- حضرت خالد بن سعید رضؓ ———— ۱۸۹
- حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ ———— ۱۹۴
- حضرت طلحہ رضؓ ———— ۲۰۸
- حضرت زبیر رضؓ ———— ۲۱۶
- حضرت طلیب رضؓ ———— ۲۲۱
- حضرت مصعب بن عمیر رضؓ ———— ۲۲۵
- حضرت حمزہ رضؓ ———— ۲۳۵
- حضرت عباس رضؓ ———— ۲۴۵
- حضرت جعفر طیار رضؓ ———— ۲۵۴
- حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضؓ ———— ۲۶۲
- حضرت سعید بن زید رضؓ ———— ۲۷۱

• حضرت طفیل بن عمرو دُوسی رضؓ ——— ۲۷۶
• حضرت بلال رضؓ ——— ۲۸۲
• حضرت زید بن حارثہ رضؓ ——— ۲۹۳
• حضرت سلمان فارسی رضؓ ——— ۲۹۹
• حضرت صہیب رومی رضؓ ——— ۳۱۶
• حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ ——— ۳۲۱
• حضرت سعید بن عامر رضؓ ——— ۳۲۹
• حضرت عمار بن یاسر رضؓ ——— ۳۳۵
• حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ ——— ۳۴۲

صحابیات

• حضرت فاطمہ بنت خطّاب رضؓ ——— ۳۴۹
• حضرت سمیّہ رضؓ ——— ۳۵۵
• حضرت اُم سلیم رضؓ ——— ۳۶۲
• حضرت اسماء رضؓ ——— ۳۷۷
• حضرت ام عمارہ رضؓ ——— ۳۹۹
• حضرت ام حبیبہ رضؓ ——— ۴۱۳
• حضرت ہندہ رضؓ ——— ۴۲۲
• حضرت صفیہ رضؓ ——— ۴۳۲
• حضرت خنساء رضؓ ——— ۴۴۲
• حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ ——— ۴۴۹